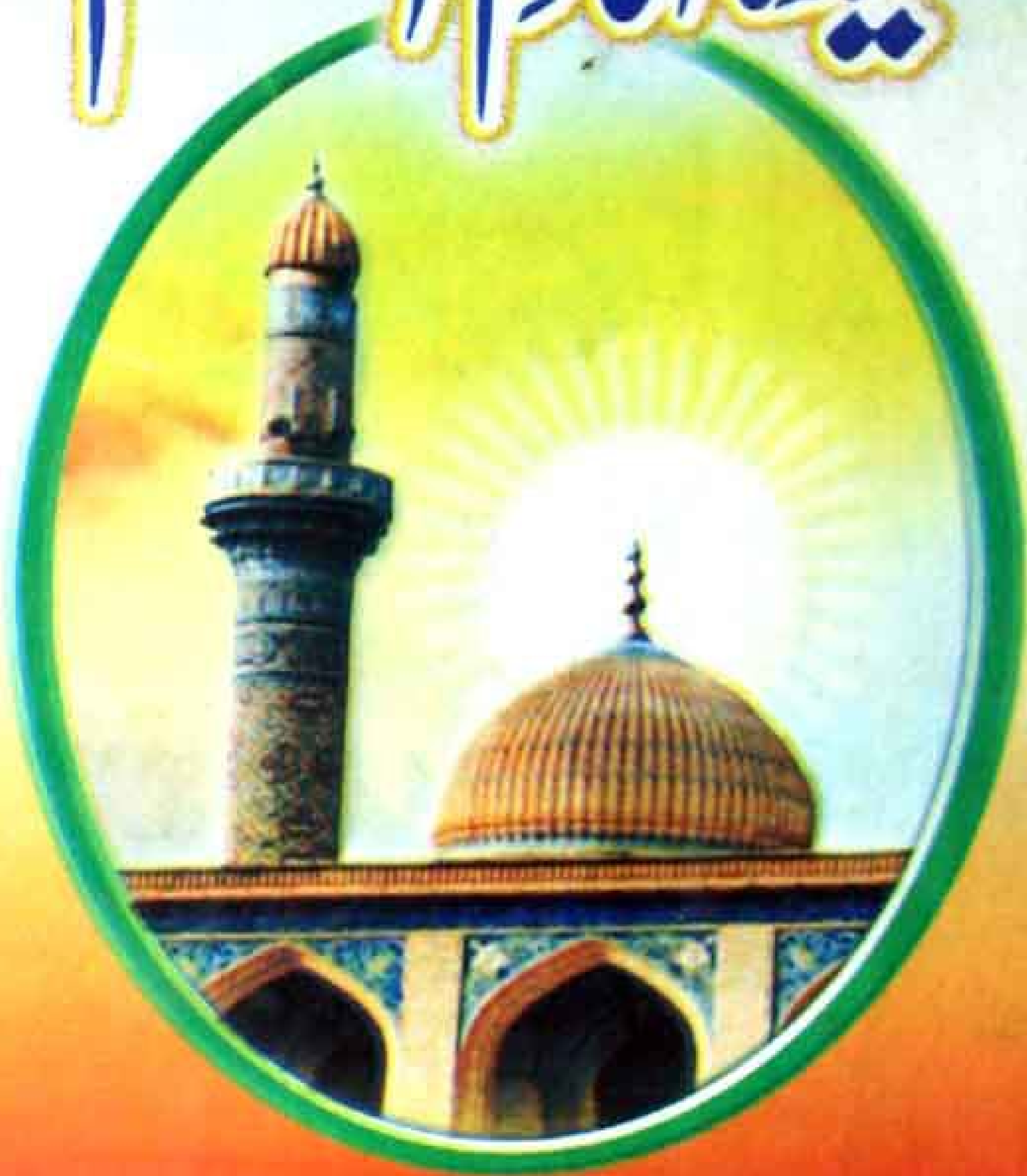
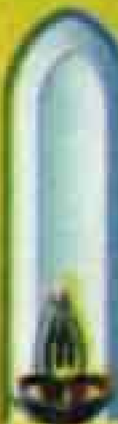
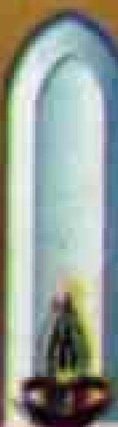
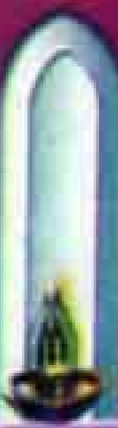
سراجُ الامہ، امامُ الائمہ

حضرت سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ









علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی

سِراجُ الامّہ، اِمامُ الائمہ

حضرت سیّدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ

○

تصنیف:

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی



زاویہ پبلشرز
8-C (محی الدین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور
فون: 042-7248657
موبائل: 0300-4505466 - 0300-9467047
Email: zaviapublishers@yahoo.com



2009

باراول ———— 1000

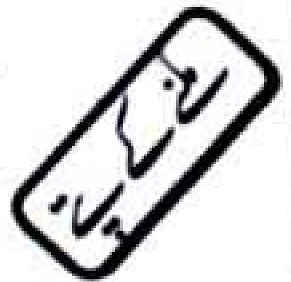
ہدیہ ———— 200 روپے

زیر اہتمام ———— نجابت علی تارڑ

لیگل ایڈوائزرز

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176



مکتبہ اہل سنت امین پور بازار، فیصل آباد 0321-6639552

کتاب گھر، کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5552929

مکتبہ قادریہ نزد چوک میلاد مصطفیٰ سرکلر روڈ گوجرانوالہ 055-4237699

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ یاخی سلطان حیدرآباد 0321-3025510

مکتبۃ المدینہ، فیصل آباد/ راولپنڈی/ ملتان/ حیدرآباد/ کراچی 021-2203311

اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک، راولپنڈی 0333-5205014

حنفیہ پاک پبلی کیشنز، نزد بسم اللہ مسجد کھارادار کراچی

مکتبۃ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ قادریہ سبزی منڈی کراچی 021-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بہادرآباد کراچی 021-4219324

عطار اسلامی کتب خانہ بازار کلاں نزد دروازہ سیالکوٹ 0345-6747131

مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور 042-7226193

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا امام اعظم کی ساری زندگی کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے،
کان اماماً ورعاً عالماً عاملاً متعبداً کبیراً لشان لایقبل جوائز السلطان بل یتجر و یکتسب۔ ''امام اعظم دین کے امام، نہایت پرہیزگار، عالمِ باعمل، عبادت گزار اور بڑی شان والے تھے۔ آپ حاکموں کے انعامات قبول نہیں کرتے تھے بلکہ تجارت کر کے اپنا رزق کما کر کھاتے تھے''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱:۱۵۱)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ازخود نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا۔ امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ، لکھتے ہیں،
''جب خدا کی رحمت کے خزانے بانٹنے والے (حضرت محمد ﷺ) کی طرف سے اجازت آ گئی تو آپ سمجھ گئے کہ یہ معاملہ قطعی اور یقینی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دی اور آپ کا مذہب پھیل گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب اور عرب و عجم کو آپ کے فیض سے مستفیض کیا''۔ (الخیرات الحسان: ۲۳)

حاسدین و منافقین ہر دور میں محبوبانِ خدا کے خلاف بدگوئی و شر انگیزی کرتے رہے ہیں۔ سیدنا امام اعظم کے خلاف بھی حاسدوں نے بہتان طرازی کا سلسلہ شروع کیا جس کے جواب میں چاروں مذاہب کے ائمہ محدثین نے کتابیں لکھیں۔ حق کی ترویج اور ابطالِ باطل کے لیے علماءِ حق کا تحریری جہاد آج بھی جاری ہے۔

محدث عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہ اللہ کا یہ ارشادِ گرامی اہلِ حق کی پہچان کے لیے ہر دور میں مشعلِ راہ رہا ہے کہ ''جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرے وہ سُنّی ہے اور جو ان سے عداوت رکھے، وہ بدعتی ہے''۔ (ایضاً: ۱۱۴)

موجودہ دور کے غیر مقلد طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے اہلسنت حنفی مسلمانوں کو امام اعظم رضی اللہ عنہ سے برگشتہ کرنے کی سعی مذموم میں معروف ہیں۔ان حالات میں اہلسنت پر لازم ہوگیا ہے کہ وہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات اور افکار سے آگہی حاصل کریں اور بدعتیوں سے اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

مفکر اسلام پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ نے اس کتاب کا ایک سبب تالیف یہی ارشاد فرمایا اور دوسرا سبب حصولِ برکت قرار دیا جیسا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب میں کتاب ''الخیرات الحسان'' لکھنے کا سبب امام ابن حجر نے یہ تحریر کیا کہ ''ائمہ حفاظ نے اس امام کے ساتھ اظہارِ محبت ومہربانی کرتے ہوئے مختلف زبانوں میں انکے حالات تفصیل سے بیان کیے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں بھی اُن کی صف میں شامل ہو جاؤں تا کہ میں بھی اس امام کی برکت حاصل کروں جس طرح اُن ائمہ کرام نے انکے ذکر سے برکت حاصل کی۔

ابن جوزی نے امام سفیان بن عیینہ سے روایت کی، عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة۔صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے''۔(صفحہ ٦٥)

رب کریم سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو نافع خلائق اور ہمارے لیے وسیلۂ بخشش بنائے نیز بھٹکتے ہوئے لوگوں کے لیے منارۂ نور بنائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حسبی من الخیرات ما اعددته یوم القیمة فی رضی الرحمن
دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی مذهب النعمان

''اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قیامت کے دن میرے نامۂ اعمال میں یہ نیکی کافی ہے کہ میں سیدِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں اور امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب پر میرا اعتقاد ہے''۔(تبییض الصحیفہ:٣٥)

خاکپائے علمائے حق، محمد آصف قادری غفرلہٗ

تقریظ جلیل

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

نحمده و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم وعلی آله واصحابه و مجتهدی امته وائمته اجمعین، امابعد!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مقام محبوبیت پر فائز فرماتا ہے...... تو جبرائیل امین علیہ السلام کو ندا فرماتا ہے کہ...... بیشک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو...... جبرائیل امین بھی اس سے محبت رکھتے ہیں...... پھر آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ...... بیشک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو...... چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں...... پھر اس کے لئے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے''۔ (صحیح بخاری عربی ج ۱:۴۵۶)

اس سے یہ خیال نہ کیا جائے...... کہ ہر مرد و زن جسے روئے زمین پر مقبولیت حاصل ہو جائے...... اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی محبوبیت حاصل ہے...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے، اللہ انہیں مقام محبوبیت عطا فرمائے گا''۔ (القرآن: ۱۹:۹۶)

یعنی بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت اور محبوبیت...... صرف اُن خوش نصیب کو حاصل ہوتی ہے...... جو ایمان و عمل کے زیور سے آراستہ ہوں...... قرآن و حدیث کے معیارِ

محبوبیت کو سامنے رکھتے ہوئے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے بعد تاریخ اسلام میں تلاش کیجیے...... کہ اہل ایمان وتقویٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوبیت اور مقبولیت کسے حاصل ہوئی؟...... یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ وہ دو ہی ہستیاں ہیں:-

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت،............ اور

(۲) غوث اعظم سیدنا شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدست اسرارھما۔

حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی بھلائی کی طرف رہنمائی کی، اسے عمل کرنے والے کی مثل ثواب ملے گا۔ (مشکوۃ شریف عربی: ۳۳)

دنیا بھر کے مسلمانوں کی اکثریت ان دونوں اماموں کی پیروکار ہے...... ایک شریعت کے امام ہیں اور ایک طریقت کے...... اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہیں کتنا اجر وثواب مل چکا ہوگا...... اور رہتی دنیا تک کتنا ثواب ملتا رہے گا؟

میری گفتگو کا موضوع چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ہے...... اس لیے آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلانا چاہتا ہوں...... کہ امام اعظم کے پیروکار ہر دور میں بکثرت ہوئے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں،

''ابن خلدون نے چھ سو برس پہلے، امیر خسرو نے سات سو برس پہلے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے چار سو برس پہلے...... عالم اسلام بالخصوص برصغیر میں اہل سنت و جماعت اور حنفیوں کی اکثریت کا ذکر کیا ہے...... دور جدید کے فاضل ڈاکٹر صبحی محمصانی نے احناف کو روئے زمین کے مسلمانوں کا دوتہائی قرار دیا ہے...... یعنی تاریخی طور پر احناف کو ملت اسلامیہ کا سواد اعظم تسلیم کیا ہے............

امیر شکیب ارسلان نے احسن المساعی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ...... مسلمانوں کی اکثریت ابوحنیفہ کی پیرو ہے...... خود غیر مقلد حضرات میں نواب صدیق حسن خاں، مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی یہی لکھا ہے اور غیر مقلد عالم مولوی محمد حسین بٹالوی نے

غیر مقلدین کو ''آٹے میں نمک برابر'' قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ کو جو قبولیت عامہ عطا فرمائی...... وہ وہی مقبولیت و محبوبیت ہے جو وہ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے...... اور جس کا حدیث شریف میں بھی ذکر ہے کہ...... جو ان مقبول اور محبوب بندوں سے لڑائی مول لیتا ہے، ان سے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:...... ''وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے''...... کون ایسا بد نصیب ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کے لیے تیار ہو؟ (تقلید: ۹، ۱۰)

بعض لوگ عوام الناس کو مذہب حنفی سے برگشتہ کرنے کے لئے...... کہتے ہیں کہ تم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے عقیدت مند اور مرید ہونے کے دعویدار ہو...... تو تمہیں ان کے مذہب حنبلی پر بھی عمل کرنا چاہیے...... آج کے سپیشلائزیشن کے دور میں اس قسم کے سوال کو مضحکہ خیز ہی قرار دیا جائے گا...... یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص عارضۂ قلب کے مریض کو کہے...... کہ تم ہارٹ سپیشلسٹ کے پاس جا رہے ہو تو اس سے آنکھ کی بیماری کا نسخہ بھی لکھوا لانا۔

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ...... ہم عقائد میں امام ابو منصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری...... قراءت میں امام حفص...... تفسیر میں رئیس المفسرین سیدنا ابن عباس...... بلاغت میں عبدالقاہر جرجانی...... نحو میں سیبویہ...... منطق و فلسفہ میں ابن سینا...... حدیث میں ائمۂ حدیث خصوصاً امام بخاری، امام مسلم اور امام طحاوی کی طرف رجوع کرتے ہیں...... غرض یہ کہ ہر فن کے سپیشلسٹ کی طرف رجوع کرتے ہیں...... اسی طرح طریقت میں سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، شاہ نقشبند، خواجہ اجمیر اور شیخ سہروردی کی طرف رجوع کرتے ہیں...... اور شریعت و فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے ہیں...... جب کہ کئی ممالک میں اہلسنت و جماعت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مقلد اور پیروکار ہیں۔

آج دنیائے اسلام کے مسلمان ...... فقہی مسائل میں چار اماموں کے پیروکار ہیں جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک کے، وہ امام شافعی کے، اور امام شافعی امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں ......اور غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی، امام احمد بن حنبل کے پیروکار اور مقلد ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (الخیرات الحسان: ۱۸، از امام ابن حجر مکی)

اکثر و بیشتر محدثین شافعی تھے ...... یہاں تک کہ امام بخاری بھی شافعی تھے ...... (ابجد العلوم: ۸۱۱، از نواب صدیق حسن بھوپالی) ......اور امام شافعی، امام محمد کے اور وہ امام اعظم کے شاگرد تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

امام شافعی کا مشہور مقولہ ہے: اَلنَّاسُ عِیَال" عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ۔ تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ عربی: ۱۸، از امام سیوطی)

یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ ...... بخاری شریف میں امام بخاری کا سرمایۂ افتخار احادیث ثلاثیات ہیں ......جن میں امام بخاری اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، ان کی تعداد بائیس ہے ...... ان ثلاثیات میں سے اکثر امام مکی بن ابراہیم کی روایت ہیں ......اور وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے اکابر مشائخ میں سے ہیں۔ (ایضاً: حاشیہ از حسن نعمانی)

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ واقعی امام اعظم ہیں اور یہ لقب انہیں ہی زیب دیتا ہے ...... اس کے بعد یہ سوال غیر ضروری ہو جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کیوں؟

دنیائے علم و فقاہت میں امام ابوحنیفہ کو کون نہیں جانتا؟ ...... وہ صحابہ کرام کے بعد قانونِ اسلامی کے سب سے بڑے ماہر تھے ......جن کے فیض سے دنیا بھر کے قانون دان فیض یاب ہوتے رہے اور آئندہ بھی ان کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے ...... وہ چونکہ تابعی ہیں اس لیے ...... رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی، وہ

اللہ سے راضی) کے تاجِ کرامت سے سرفراز ہیں ...... سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارشادگرامی کا اشارہ واضح طور پر آپ ہی کی طرف ہے۔

لَوْ کَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقاً بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهُ قَوْم" مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ۔

"اگر علم ثریا کے ساتھ بھی معلق ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیتے"۔

اورحدیث ...... **مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ** ۔(اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقاہت اور سمجھ عطا فرمادیتا ہے) ...... اُن کے ماتھے کا جھومر ہے۔

امام ابوحنیفہ وہ ہیں ...... جن کے والد حضرت ثابت اور ان کی اولاد کے لئے ...... حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دعائے برکت فرمائی۔ (تبییض الصحیفہ :۵) ...... وہ امام المسلمین جنہیں ائمہ اربعہ میں یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے متعدد صحابہ کی زیارت کی اور ان سے احادیث روایت کیں۔(ایضاً)

ان کی پیدائش اس زمانے (۸۰ھ) میں ہوئی ...... جو حدیث شریف کی شہادت کے مطابق خیرالقرون میں سے ہے ...... جن کا اجتہاد اور فتویٰ تابعین کے دور میں نامور علماء نے تسلیم کیا۔(عقود الجمان: ۱۸۰، از امام محمد بن یوسف صالحی)

ان کے استاذ امام اعمش نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،"اے گروہ فقہاء! تم لوگ اطباء ہو اور ہم عطار ہیں ...... اور اے امام ابوحنیفہ! تم تو دونوں طرفوں کے جامع ہو ...... یعنی فقیہ بھی ہو اور محدث بھی"۔(الخیرات الحسان:۱۶۱)

ان کے جلیل القدر استاذ اور نامور محدث حضرت عمرو بن دینار ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں ...... ان کے ایک دوسرے استاذ امام اعمش جو امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں ...... حج کے لئے روانہ ہوئے تو ان سے مسائل حج لکھوا کر لے گئے ...... انہوں نے چار ہزار علماء و مشائخ سے علم حاصل کیا ...... اس معاملہ

میں بھی کوئی امام آپ کا ہم پلہ نہیں ہے۔ (عقود الجمان: ۱۸۱-۱۸۳)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعداد...... ایک قول کے مطابق چار ہزار اور دوسرے قول کے مطابق دس ہزار ہے...... ان میں سے چالیس وہ تھے جو درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے...... جب کوئی مسئلہ پیش آ جاتا تو ان سے مشورہ اور مناظرہ کرتے، احادیث و آثار میں سے ان کے دلائل سنتے اور اپنے دلائل پیش کرتے...... بعض اوقات ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تبادلۂ خیال کرتے...... جب کسی فیصلے پر پہنچ جاتے تو امام ابو یوسف اسے لکھ لیتے...... یوں فقہ حنفی انفرادی نہیں بلکہ شورائی ہے جب کہ دیگر ائمہ کی فقہ ان کے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ تھی...... جب انہیں کوئی لاینحل مسئلہ پیش آ جاتا تو چالیس مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسئلہ حل ہو جاتا۔ (تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف: ۲۶)

آپ کا ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے سب سے پہلے فقہ کو مرتب کیا...... آپ سے پہلے صحابۂ کرام اور ائمہ تابعین اپنے حافظے پر اعتماد کرتے تھے...... حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ علم سلب نہیں فرمائے گا مگر علماء کی وفات کے ذریعے علم سلب فرمائے گا، ان کے بعد جاہل راہنما رہ جائیں گے جو علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے...... اس حدیث شریف کے پیش نظر امام اعظم نے محسوس کیا کہ بڑے بڑے علماء اٹھتے جا رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ علم ہی ضائع کر بیٹھیں...... چنانچہ انہوں نے ابواب فقہ کو ترتیب دیا...... سب سے پہلے طہارت، پھر نماز، زکوٰۃ، روزہ، باقی عبادات اور معاملات کے مسائل رکھے، آخر میں مسائلِ میراث رکھے...... بعض اہل علم نے فرمایا، آپ نے پانچ لاکھ مسائل ترتیب دیئے...... آپ کا عظیم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے قواعد اجتہاد اور اصول فقہ کی بنیاد رکھی اور احکام کا استنباط کیا...... آپ ہی نے سب سے پہلے کتاب

الفرائض (علم میراث) بھی وضع کی۔ (ایضاً) ...... امام محمد بن سماعہ فرماتے ہیں کہ
آپ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار احادیث بیان کیں ...... اور چالیس ہزار احادیث
میں سے آثارِ (صحابہ) کا انتخاب کیا۔ (ذیل الجواہر المضیۃ ج ۲: ۴۷۴)

امام اعظم کا مذہب دنیا کے ان خطوں میں پہنچا، جہاں دوسرے مذاہب نہیں پہنچے
...... آپ اپنے کاروبار تجارت کی آمدن پر گزر بسر کرتے تھے ...... کسی کا ہدیہ قبول نہیں
کرتے تھے بلکہ اپنی جیب سے علماء و مشائخ پر خرچ کرتے تھے۔ (عقود الجمان: ۱۸۵)
آپ کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز
پڑھی ...... تیس سال تک (ایام ممنوعہ کے علاوہ) روزے رکھے ...... اکثر راتوں میں
ایک رکعت میں قرآن پاک ختم کرتے ...... رمضان المبارک کے ہر دن میں ایک
مرتبہ اور ہر رات میں ایک مرتبہ اور عید کے دن دو مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے ...... ہر
سال حج کرتے، اس طرح آپ نے پچپن حج کیے ...... آپ کپڑے کی تجارت کرتے
تھے ...... ایک دفعہ کچھ کپڑے اپنے کارندے کے سپرد کئے اور اسے تاکید کی کہ ایک
کپڑے میں نقص ہے ...... اسے فروخت کرتے وقت گاہک کو بتادینا، اسے یاد نہ
رہا ...... آپ نے تمام رقم صدقہ کردی جو تیس ہزار درہم تھی۔

امام اعظم کی عقل و دانش کا اندازہ امام شافعی کے اس ارشاد سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ
فرماتے ہیں، ''ابو حنیفہ سے زیادہ عقل مند کسی عورت نے نہیں جنا''۔ (ایضاً)

ملت اسلامیہ کی غالب اکثریت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر کاربند ہے،
...... اس کے باوجود بعض لوگ جہالت یا عداوت کی بنا پر ...... یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں
کہ امام ابو حنیفہ خود ساختہ مسائل بیان کرتے تھے اور احادیث مبارکہ کی مخالفت کرتے
تھے ...... امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے لوگوں کا رد کرتے
ہوئے فرماتے ہیں:

''جو لوگ بزرگانِ دین کو اصحابِ رائے کہتے ہیں...... اگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بزرگ اپنی عقل سے حکم کرتے ہیں اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے ......تو ان کے خیال فاسد کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی، بلکہ مسلمانوں کے گروہ سے ہی خارج ہوگی...... یہ عقیدہ صرف اس جاہل کا ہو سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے...... یا اس بے دین کا جس کا مقصد دین کے آدھے حصے کا باطل کرنا ہے...... ناکارہ لوگوں نے چند حدیثیں یاد کر لی ہیں اور دین کو ان ہی میں منحصر قرار دے دیا ہے...... جو کچھ انہیں معلوم نہیں ہے اور جو کچھ انکے نزدیک ثابت نہیں ہے، اس کی نفی کرتے ہیں۔

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہان است
زمین و آسمانِ او ہمان است

''اس کیڑے کی طرح جو پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کی زمین بھی وہی ہے اور آسمان بھی وہی ہے''۔

ان کے بے جا تعصب اور فاسد نظریات پر ہزار ہا افسوس!......امام ابوحنیفہ فقہ کے بانی ہیں...... اور فقہ کے چار حصوں میں سے تین حصے ان کے لئے مسلّم ہیں...... باقی چوتھائی میں تمام ائمہ ان کے ساتھ شریک ہیں......فقہ میں وہ صاحب خانہ ہیں اور باقی سب ان کے بال بچے ہیں''۔ (مکتوبات فارسی دفتر دوم:۵۵)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالی مزید فرماتے ہیں:

''کسی تکلف اور تعصب کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے...... اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ نظر ظاہر سے بھی دیکھا جائے تو ملت اسلامیہ کا سواد اعظم (یعنی اکثریت) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیروکار ہے...... یہ مذہب اتباع کرنے والوں کی

کثرت کے باوجود اصول وفروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور احکام کے استنباط میں الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں...... مرسل حدیثوں کو متصل حدیثوں کی طرح لائق اتباع قرار دیتے ہیں اور اپنی رائے سے مقدم رکھتے ہیں...... اسی طرح حضرت خیر البشر علیہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت کے شرف کی وجہ سے صحابی کے قول کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں...... جب کہ دیگر ائمہ اس طرح نہیں کرتے..... اسکے باوجود مخالفین آپ کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور آپ کے حق میں بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں...... حالانکہ تمام اہل علم آپ کے کمالِ علم اور کمالِ ورع وتقویٰ کے معترف ہیں...... اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق عطا فرمائے کہ دین کے عظیم مقتدا اور مسلمانوں کے امام اور ملت اسلامیہ کے سوادِ اعظم کی ایذارسانی سے باز رہیں...... يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۔ (سورۃ توبہ، آیت نمبر ۳۲، پ۱۰) ''یہ لوگ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں''۔ (ایضاً)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''متقدمین حدیث نہیں لکھتے تھے (کیونکہ احادیث انکے حافظے میں محفوظ ہوتی تھیں) ...... لیکن آج حدیث کا لکھنا واجب ہے، کیونکہ آج حدیث کی ان کتابوں کے بغیر روایت حدیث کا کوئی راستہ نہیں ہے۔۔۔۔اس کے بہت سے شواہد ہیں...... اسی طرح قیاس کہتا ہے کہ معین امام کی تقلید واجب ہو...... امام معین کی تقلید کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی...... جب کوئی شخص ہندوستان یا ماوراء النھر کے شہروں میں جاہل ہو (یعنی مجتہد نہ ہو) اور وہاں کوئی شافعی، مالکی یا حنبلی عالم نہ ہو، اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو...... تو اس شخص پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے...... اس کے لیے امام اعظم کے مذہب سے نکلنا حرام ہے...... کیونکہ وہ

اپنی گردن سے شریعت کا قلادہ اتار دے گا اور محض بے کار ہو کر رہ جائے گا۔

(کتاب الانصاف: ۲۲، از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

چونکہ پاکستان میں احناف کی اکثریت ہے...... اس لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک پاک میں فقہ حنفی کو بطور پبلک لاء نافذ کرے۔

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۷۔۱۱۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ملتان سنی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا تھا:۔

''جس ملک میں جس فقہی مسلک کی اکثریت ہے اسے بلا چون و چرا سرکاری قانون تسلیم کر لیا گیا ہے...... ایران میں فقہ جعفری، ترکیہ میں فقہ حنفی اور افغانستان میں سنی سٹیٹ کے ساتھ فقہ حنفی کو ملکی آئین میں درج کر دیا گیا ہے...... اسی برصغیر پاک و ہند میں پورے ساڑھے گیارہ سو سال فقہ حنفیہ ملکی قانون رہا...... اب کیا اعتراض ہے؟ ...... موجودہ حکومت کو بلا خوف لومۃ لائم اعلان کر دینا چاہیے کہ...... یہاں کا ملکی قانون فقہ حنفیہ ہوگا...... اقلیتوں کو پرسنل لاء دیا جائے گا۔

جہاں تک سواد اعظم کا تعلق ہے...... ہم اعلان کرتے ہیں کہ...... ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ملک میں...... نظامِ مصطفےٰ علیہ السلام من کل الوجوہ نافذ نہیں ہوتا۔ (مجاہدِ ملت ج ۱: ۲۳۲، از محمد صادق قصوری)

پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی...... خطیب میمن مسجد، قاری مصلح الدین گارڈن کراچی...... اور ناظم اعلیٰ دارالعلوم امجدیہ، کراچی و ناظم اعلیٰ جماعتِ اہل سنت کراچی...... گوناں گوں اوصافِ عالیہ کے حامل ہیں...... ان کی مصروفیات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک آدمی اتنے کام سرانجام دیتا ہے ...... عصر سے مغرب تک وہ حاجت مندوں کی بھیڑ میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں...... کوئی بیماری یا گھریلو ناچاقی کے لیے دعا یا تعویذ کا طلب گار ہے...... کوئی کسی محکمے میں

سفارش کروانا چاہتا ہے......کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے......شاہ صاحب کی عالی ہمتی دیکھیے کہ وہ ہر کسی کو خندہ پیشانی کے ساتھ مطمئن کرتے ہیں۔

فقیر ایک دفعہ سید محسن شاہ صاحب......مالک فرید بک سٹال لاہور......کے ساتھ کسی ضروری کام کے لیے کراچی......ان کی خدمت میں حاضر ہوا......شاہ صاحب نے مجھ سے فرمایا:

تھوڑی دیر ٹھہریں......میں ان احباب کو فارغ کرلوں،......اور واقعی تھوڑی دیر کے بعد فارغ ہوکر فرمانے لگے......ویسے تو آپ کا اپنا گھر ہے، لیکن آپ نے اتنا طویل سفر کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی؟......مجھے پرچہ لکھ دیتے یا فون کردیتے۔

اس کے بعد جو ہمارا کام تھا اس سلسلے میں جو کچھ کرسکتے تھے وہ کیا......اور یوں مجھ ایسے فقیر بے نوا کو خرید لیا......اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے......اور ان کے صاحبزادوں کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔

آپ جلسوں میں تقاریر کرتے ہیں......انٹرنیٹ پر دنیا بھر سے آنے والے سوالوں کے جوابات دیتے ہیں......تبلیغ کے لئے امریکہ، افریقہ، برطانیہ اور دیگر ممالک کا سفر کرتے ہیں......اس کے باوجود تصنیف وتالیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں ......اللہ تعالیٰ کرے کہ......ہمارے نوجوان علماء بھی ان کے انداز میں وقت کی قدر کرنا سیکھیں......اور اسلام وسنیت کا پیغام اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچانا اپنا فرضِ منصبی یقین کریں......تو بہت سی بیماریوں اور مفاسد کا ازالہ ہوسکتا ہے۔

پیش نظر کتاب......"سیدنا امام اعظم" رضی اللہ عنہ کے چند صفحات دیکھنے کا موقع ملا...... جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات بیان کیے گئے ہیں......ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ......شاہ صاحب نے بڑی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی سے کتاب مرتب کی ہے......حقیقت یہ ہے کہ......آج کے دورِ بے راہ روی میں ایسی کتابوں کی

اشد ضرورت ہے ...... ورنہ ہر شخص اٹھ کر ائمہ دین مجتہدین کے منہ آنے کی کوشش کرتا ہے۔

لوگوں کو بتانے کی ضرورت ہے کہ ...... کلامِ اقبال اور دیوانِ غالب ایسی کتابیں شارحین اور اساتذہ کے بغیر ہمیں سمجھ نہیں آتیں ...... تو قرآن پاک اور حدیث شریف سمجھنے کے لیے ہمیں کسی شارح اور استاذ کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟ ...... جو آدمی قرآن وحدیث کا اردو ترجمہ پڑھ لیتا ہے ...... وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں ائمہ مجتہدین کا ہم پلہ ہوں ...... یہ رویہ نہ صرف احسان ناشناسی کے زمرہ میں آتا ہے ...... بلکہ امت مسلمہ میں فساد برپا کرنے کا باعث ہے۔

مولائے کریم جل مجدہٗ ...... حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی کو ...... اس کتاب کے مرتب کرنے پر ...... اور اراکینِ افکارِ اسلامی، اسلام آباد کو ...... اس کی اشاعت پر اجرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۳ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ / ۵ فروری ۲۰۰۳ء

تقریظ جلیل

شیخ التفسیر والحدیث، استاذ العلماء مفتی عبدالرزاق بھترالوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقبِ جمیلہ اور خصالِ حمیدہ اور اوصافِ جلیلہ اتنے کثیر ہیں کہ انسان کی عقل انکے ادراک سے قاصر اور زبان ان کے بیان سے عاجز ہے۔

آپ کے مناقب میں متفرق مذاہب کے علماء نے کتب تصنیف کی ہیں،

''ولم یطعن علیه الا ذوتعصب وافراد جهالة مبنية''۔ اور آپ کی شان میں کسی نے طعنہ زنی نہیں کی سوائے متعصب لوگوں اور جہلاء کے۔

شافعی مسلک کے جن علماء محدثین نے آپ کی شان میں کتب تصنیف کی ہیں ان میں سے مشہور حضرات یہ ہیں۔

☆ علامہ سیوطی نے ''تبییض الصحیفہ فی مناقب امام ابی حنیفہ'' تصنیف فرمائی۔

☆ علامہ ابن حجر مکی نے ''الخیرات الحسان فی مناقب النعمان'' تصنیف فرمائی۔

☆ علامہ ذہبی نے امام اعظم کا ذکر'' تذکرۃ الحفاظ'' اور'' کاشف'' میں کیا اور ایک مستقل رسالہ بھی آپ کے مناقب میں تحریر کیا۔

☆ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے،

☆ علامہ یافعی نے اپنی تصنیف ''مرأۃ الجنان'' میں آپ کے مناقب کا ذکر کیا ہے

☆ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب وغیرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آپ کی تعریف فرمائی ہے۔

☆ علامہ نووی شارح مسلم نے اپنی تصنیف "تہذیب الاسماء واللغات" میں امام اعظم کی تعریف بیان فرمائی،

☆ اور امام غزالی نے احیاء العلوم وغیرہ میں آپ کی توصیف بیان فرمائی۔

☆ مالکی مسلک کے مشہور امام اور محدث ابن عبدالبر وغیرہ نے آپ کے مناقب ذکر فرمائے۔

☆ حنبلی مسلک کے یوسف بن عبدالهادی الحنبلی نے کتاب "تنویر الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ" تصنیف فرمائی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کا تابعی ہونا ثابت ہے۔ جس زمانہ کے خیر ہونے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے خود ذکر فرمایا،

"خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم"۔ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر جو اسکے بعد ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ تعصب پر مبنی رویہ کی مذمت حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کی ہے،

"حاصله انه افرط بعض اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفة و تجاوز الحد"۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ حدیث نے امام اعظم کی مذمت میں حد سے تجاوز کیا ہے۔

اور کمال کی بات یہ ہے کہ آپ کی شان میں تجاوز کرنے والوں کو اعتراض سوجھا تو فقط اس بات پر کہ آپ مسائل میں قیاس کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا، کیا امام مالک رحمہ اللہ نے کوئی اجتہاد نہیں کیا، کوئی مسئلہ قیاس سے نہیں بتایا؟ اس پر وہ لوگ لاجواب ہو گئے۔

"وقال اللیث بن سعد أحصیت علی مالک سبعین مسئلة قال فیها

برأيه"۔ لیث بن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ستر مسائل وہ دیکھے ہیں جن میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے مسئلہ بیان کیا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے نہایت منصفانہ کلام فرمایا۔

"وقد جاء عن الصحابة اجتهاده بالرائی والقیاس علی الاصول وكذلك التابعون"۔ صحابہ کرام اور تابعین نے جب اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے رائے اور قیاس سے اجتہاد کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ پر اعتراض کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے سب ثقہ حضرات ہیں جیسا کہ امام ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام، اور جعفر بن عون آپ سے روایت کرنے والے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

"قال یحییٰ بن معین اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفة واصحابه فقیل له اکان یکذب قال لا"۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دوست امام اعظم رحمہ اللہ اور انکے ساتھیوں کے متعلق زیادتی کرتے ہیں، حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ جھوٹ بولتے ہیں؟ تو انکی طرف سے جواب ملتا ہے، نہیں۔ پھر آپ کی شان میں حد سے تجاوز کیوں؟

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ طبقات شیخ الاسلام میں فرماتے ہیں،

الحذر کل الحذر ان تفهم من قاعدتهم ان الجرح مقدم علی التعدیل علی اطلاقها بل الصواب ان من ثبت امامته وعدالته وكثر ما دحوه وندر جارحه وكانت هناک قرینة دالة علی سبب جرحه من تعصب مذهبه او غیره لم یلتفت الیه۔

یعنی یہ قاعدہ کسی سے سن کر تسلیم نہ کرلو کہ جرح مقدم ہے تعدیل سے، یہ قاعدہ مطلق نہیں کہ اسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کرلیا جائے۔ جس شخص کی امامت ثابت ہو، عدالت ثابت ہو، اسکے مدح کرنے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہوں اور اسکے معترضین چند لوگ (بلکہ چند شرپسند) ہوں تو وہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ لوگ اسکے مذہب سے تعصب رکھتے ہیں اور اسکے متبعین کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر جلتے ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کی جرح کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے۔

اسکے بعد آپ فرماتے ہیں، "ولو اطلقنا تقدیم الجرح لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الا وقد طعن فیه طاعنون وهلک فیه هالکون"۔

اگر ہم مطلقاً یہ تسلیم کرلیں کہ فلاں امام پر اعتراض کرنے والا بھی تو کوئی ہے، اس امام کی بات کو کیوں مانیں؟ تو اس طرح کوئی امام بھی ہمیں ایسا نہ مل سکے گا جس پر طعنہ کرنے والوں نے طعنہ نہ کیا ہو اور ہلاک ہونے والے اسکی شان میں گستاخی کر کے ہلاک نہ ہوئے ہوں۔

بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ پر یہ طعن پیش کیا کہ آپ کی روایات قلیل ہیں۔ ان کو یہ سمجھ نہ آسکا کہ پہلے احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا رواج نہیں تھا، صرف زبانی یاد کیا جاتا تھا۔ آپ نے احادیث کو کتابی صورت میں جمع نہیں کیا تو اس میں کیا عیب ہے؟ بلکہ اس سے تو آپ کی شان سمجھ میں آتی ہے۔

فان مرتبته فی هذا تشابه المرتبة الصدیقیة فان کان هذا طعنا کان ابوبکر الصدیق افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق مطعونا فانه ایضا قلیل الروایة بالنسبة الی بقیة الصحابة حاشا هم عن هذه الوسمة۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ قلیل روایت ہونے میں مرتبہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ کے مرتبہ کے مشابہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں میں افضل ہیں لیکن آپ کی روایات باقی صحابہ کرام سے کم ہیں۔ معاذ اللہ! اس وجہ سے کیا ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں طعنہ زنی کی جائے؟

آجکل کے دور میں مذہب حنفی کے کثیر پیروکار دیکھ کر کچھ لوگ جل رہے ہیں۔ تحقیق کے میدان میں مقابلہ کرنے کی توان جہلاء میں ہمت نہیں بلکہ فقہ حنفی کی کتب کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں صرف جاہل لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانا ان کا کام ہے۔

حنفی حضرات کو باطل مذہب والوں سے بچانے کے لیے پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ پیر سید الشاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ کتاب تصنیف کر کے احسان عظیم فرمایا۔ آپ کا ارشاد فرمایا ہوا یہ جملہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، ”میں نے خیال کیا، کوئی مانے یا نہ مانے، کم از کم اپنا تو کوئی نہ بھاگے“۔

میں نے اس کتاب کا چند مقامات سے مطالعہ کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر صرف عوام ہی نہیں بلکہ علماء بھی فائدہ حاصل کریں گے۔

ہاں ایک بات ضرور کہوں گا وہ یہ کہ علماء اہلسنت کے پاس لوگوں کو خریدنے کے لیے پیسے نہیں جبکہ دیگر مذاہب باطلہ بکاؤ مال لوگوں کو پیسے سے خریدتے ہیں۔ یہ کام تو یقیناً شاہ صاحب نہیں کر سکتے۔ راہنمائی ان کا حق تھا، انہوں نے یہ حق ادا کر دیا اور خوب ادا کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو نافع خلائق بنائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

عبدالرزاق بھترالوی

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم، راولپنڈی

تقدیم

محقق جلیل، ادیب شہیر پروفیسر سید عبدالرحمٰن شاہ بخاری

شریعہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله حمدا یوافی نعمه ویکافی مزیده والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده وعلیٰ آله وصحبه الذین اهتدوا هدیه. اما بعد!

کائنات امتزاج ہے مادہ اور توانائی کا...... انسان مرکب ہے جسم اور روح سے...... زندگی تالیف ہے صورت اور سیرت کی...... اسی طرح تہذیب مجموعہ ہے جوہر (spirit) اور مظہر (form) کا...... اسلام خدا کی ابدی اور آفاقی تہذیب ہے...... اس تہذیب کا جوہر نسبتِ مصطفیٰ ﷺ...... اور مظہر شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا التحیہ ہے...... دوسرے لفظوں میں یوں کہیے...... دین کیا ہے مصطفیٰ ﷺ کی غلامی کا نام...... اور یہ غلامی جب عمل کے پیکر میں ڈھلتی ہے...... تو شریعتِ محمدی کہلاتی ہے۔

شریعت کیا ہے...... زندگی گزارنے کا سلیقہ...... اور یہی تو حاصل تہذیب ہے...... نظام قدرت کے دو ہی رخ ہیں...... ایک تکوین...... دوسرا تشریع...... خدا جو کچھ بناتا ہے وہ اسکی تکوین ہے...... اور جو کچھ چاہتا ہے وہ اسکی تشریع ہے...... قرآن کے فیصلہ کن الفاظ میں:

ربنا الذی اعطیٰ کل شئی خلقه ثم هدیٰ۔

یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو بنایا اور پھر اسے ہدایت سے نوازا۔

دیکھیے خدا کا پورا نظام قدرت یہاں صرف دو ہی لفظوں میں آشکار ہو رہا ہے...... ایک خلق جو تکوین سے عبارت ہے...... اور دوسرا ہدایت جو تشریع سے الگ کچھ نہیں...... تو کہنے دیجیے کہ اس پوری کائنات میں خدا کی ذات کے دو ہی جلوے ہیں...... تکوین

......اور تشریع...... تکوین خدا کی صفت ہے...... اور اس سے باہر جو کچھ ہے سب اسکی تشریع...... تو کیا اب بھی اس میں کچھ شبہ ہے کہ...... تہذیب کی نمود تشریع ہی میں ہوتی ہے اور بس...... شریعت سے باہر جو کچھ ہے اس کا تہذیب سے کچھ رشتہ نہیں...... ذرا سوچئے تو سہی...... خدا نے اس شخص کو کیا دانائی بخشی ہوگی جس نے شریعت کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے:

معرفة النفس ما لها وما عليها۔

یعنی شریعت نام ہے اس کا کہ نفس انسانی پہچان لے وہ سب کچھ جو اس کے لئے ہے اور وہ سب کچھ جو اس پر عائد ہے۔

مالها وما عليها کی تعبیر اتنی ہمہ گیر ہے کہ...... زندگی اور تہذیب درکنار خود کائنات اپنی ابتدا سے انتہا تک اسکی آغوش میں ڈوبی ہوئی ہے...... میں سچ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے بعد پوری نسل انسانی میں جو دانائی بانٹی ہے...... اس دانائی کا بہت بڑا حصہ فقط اسی ایک فقرے میں سمٹ آیا ہے...... یہ شخص یقیناً انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام اور محمد عربی ﷺ کے چند صحابہ اور اہل بیت کے بعد...... تاریخ انسانی کا سب سے بڑا دانا، سب سے بڑا مفکر اور سب سے بڑا حکیم ہے...... انسانی تہذیب کو اس سے بڑھ کر کسی نے نہیں سمجھا...... اور کسی نے نہیں سنبھالا...... یہ شخص علی الاطلاق اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا مفکر بھی ہے اور سب سے بڑا محافظ بھی...... جی ہاں! اس شخص کو خدا نے صرف یہ سمجھایا ہی نہیں کہ...... تہذیب کیا ہے، شریعت کیا...... اور ان دونوں میں باہم کتنا گہرا رشتہ ہے...... بلکہ اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب کی حفاظت اور خدمت کا سب سے بڑا کام بھی اسی شخص سے لیا ہے...... وہ تو بازار میں کپڑا بیچنے نکلا تھا...... پر میرے خدا نے اسے دنیا کا امام بنا دیا...... صرف امام ہی نہیں بلکہ امام اعظم...... میں قربان تیری عظمتوں پر اے کوفہ کے تاجر...... تیرے جیسا نصیب کوئی

اور لیکر نہیں آیا...... دنیا کے لاکھوں ولی خدا کے حضور سجدے گزارتے ہیں...... اور ان سجدوں کا ثواب تجھے پہنچتا ہے...... پر تیرا حق پھر بھی ادا نہیں ہوتا...... سو اہل علم اور اہلِ دل کو کہنا پڑتا ہے:

یجب علی اهل الاسلام ان یدعوا الله لابی حنیفة لحفظه علیهم السنة و الفقه۔

یعنی اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ کے لئے دعا کیا کریں کہ انہوں نے سنت اور فقہ کی حفاظت کر کے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔

جی ہاں! تمام اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ جب جب خدا کو یاد کریں...... ساتھ ہی امامِ امت ابوحنیفہ کے لئے دعا کی تڑپ بھی اس میں بسا دیں...... وہ جب بھی دین کے کسی حکم پر عمل کریں...... ساتھ ہی ابوحنیفہ کے لئے والہانہ تشکر کا جذبہ بھی انڈیل دیں...... کیوں؟...... اس لئے کہ امام ابوحنیفہ نے پوری امت پر احسان کیا ہے...... تہذیب اسلامی اور شریعت محمدی کی حفاظت کا احسان...... جس طرح خلیفہ اول صدیق اکبر نے تدوین قرآن کا بیڑا اٹھایا...... اور خدا کی کتاب کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا...... اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ نے تدوین شریعت کا ڈول ڈالا...... اور اسلامی شریعت کی ابدی حفاظت کا سامان کر دیا...... دیکھئے عہد نبوت تاسیس شریعت کا عہد ہے...... اس عہد میں دنیا کو شریعت عطا ہوئی...... اور تہذیب نے وجود کا جامہ پہنا...... خلافت راشدہ عہد رسالت کا تتمہ ہے...... اس میں تعمیر، توسیع اور تسخیر کا کام جاری رہا...... صحابہ کی تربیت خود آقا علیہ السلام نے کی تھی...... رسول اللہ علیہ السلام کا ایک ایک حکم ان کے سینوں میں محفوظ تھا...... حضور علیہ السلام کی ایک ایک ادا ان کے عمل میں ڈھل چکی تھی...... ان کی زندگیاں قرآن اور سنت کا آئینہ تھیں...... تہذیب انکے کردار میں جذب ہو چکی تھی...... نفوس خود اصول بن گئے تھے...... اور یوں شریعت کی حفاظت ہو رہی تھی......

مگر صحابہ کے بعد قیامت تک شریعت محمدی کی حفاظت کا اہتمام ناگزیر تھا...... اور قسام ازل نے یہ سعادت ابوحنیفہ کے مقدر میں لکھی تھی...... صحابہ نے قرآن کے الفاظ جمع کئے...... اور ابوحنیفہ نے اسکے احکام مرتب کئے...... صحابہ نے اپنے آقا کے ارشادات دنیا تک پہنچائے...... اور ابوحنیفہ نے ان ارشادات کے مفاہیم مدون کردیے...... فقہ کیا ہے...... یاد رکھئے...... سنت کے مفاہیم کا دوسرا نام...... محدثین ابوحنیفہ کے بعد آئے...... اور انہوں نے جن احادیث کے الفاظ جمع کئے...... ابوحنیفہ ان الفاظ کو پہلے ہی احکام کا روپ دے چکے تھے...... محدثین کا کام اپنی جگہ عظیم بھی ہے اور بے مثال بھی...... اور پوری امت ہمیشہ انکی ممنون احسان رہے گی...... مگر یہاں مجھے یہ کہنا ہے کہ...... ابوحنیفہ کو خدا نے محدثین کا بھی امام بنا دیا ہے...... جو کام محدثین نے لفظاً انجام دیا...... وہ ان سے پہلے ابوحنیفہ معناً انجام دے چکے تھے...... الفاظ امت تک محدثین نے پہنچائے...... اور معانی ابوحنیفہ نے بتائے...... اور صرف معانی ہی نہیں بتائے...... ان معانی تک رسائی کا گر بھی سکھایا...... تو کہنے دیجئے کہ...... ابوحنیفہ کو خدا نے چن لیا...... اپنے محبوب ﷺ کی سنت اور شریعت کی حفاظت کے لئے۔

ہوسکتا ہے کوئی سوچے...... تدوین شریعت کے اعزاز میں تو دیگر ائمہ مجتہدین بھی حصہ دار ہیں...... کوئی شک نہیں امت سبھی کی ممنون احسان ہے...... امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور دیگر تمام ائمہ مجتہدین کی دہلیز پر امت کا سر جھکا ہے...... ہر ایک کا نام قیامت تک درخشاں رہے گا...... پر سنئے تو سہی ان اماموں سے...... وہ کیا کہہ رہے ہیں ابوحنیفہ کے بارے میں...... سفیان ثوری ان کے معاصر ہیں اور خود مجتہدِ وقت...... مگر ابوحنیفہ کی برتری مانے بغیر نہ رہ سکے...... اور بے جھجک پکار اٹھے:

انہ لیکشف لک من العلم عن شئی کلنا عنہ غافل۔

یعنی اے ابوحنیفہ! خدا تیرے سینے پر وہ علم انڈیلتا ہے کہ ہم میں سے کوئی دوسرا اسے پا

نہیں سکتا۔

لیجئے سفیان ثوری نے بتادیا کہ...... علم شریعت میں ابوحنیفہ سب سے آگے ہیں...... خدا انہیں ہر ایک سے بڑھ کر دیتا ہے...... کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا...... اور پہنچے کیسے کہ ...... خدا نے انہیں فہم وادراک کی جوانمول قوت بخشی ہے...... وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی...... جبھی تو ابن شبرمہ کو لوگوں نے بھری مجلس میں دیکھا کہ...... بے ساختہ ابوحنیفہ کی ذہانت پر یوں ناز کرنے لگے:

عجزت النساء ان یلدن مثلک سیر لعا ما علیک فی العلم کلفة۔

یعنی اے ابوحنیفہ! عورتوں کی کوکھ اب تجھ سا کوئی ذہین اور تر فکر جنم نہ دے سکے گی، علم تجھ پر بے ساختہ برستا ہے۔

دیکھئے ابن شبرمہ نے کیونکر ابوحنیفہ کو علم وتفقہ کی دنیا میں یکتا اور یگانہ ٹھہرایا...... ایسا یگانہ کہ...... اب ماؤں کی کوکھ بھی ایسا کوئی اور نہ لا پائے گی...... حقیقت یہ ہے کہ...... ابوحنیفہ سے خدا نے جو کام لینا تھا...... وہ تنہا انہوں نے کردیا...... ابوحنیفہ علم کا سمندر تھے...... علی بن مدینی کئی شہروں کے فقہاء سے مل آئے...... اور جب کوفہ میں امام اعظم تک پہنچے تو یہیں کے ہو رہے...... اور بے دھڑک کہنے لگے...... این البحر من السواقی...... یعنی کہاں سمندر اور کہاں نہریں...... قاسم بن معن جو حضرت عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں خود ایک عظیم فقیہ تھے...... ابوحنیفہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے...... اور جب کسی نے سبب پوچھا تو برملا پکار اٹھے:

ما جلس الناس الی احد انفع مجالسة من ابی حنیفة۔

یعنی دنیا والوں نے ابوحنیفہ کی مجلس سے بڑھ کر کسی اور کی مجلس کو نفع بخش نہیں پایا۔

واقعی امام ابوحنیفہ کی مجلس سے بڑھ کر کوئی اور فقہی مجلس دنیا نے نہیں دیکھی...... دین کا جو علم ان گنت مجالس اور حلقوں میں پھیلا ہوا تھا...... وہ سب تنہا امام اعظم کے حلقے میں

سمٹ آیا تھا...... یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کی جامع مسجد میں امام اعظم نے اپنی مسند بچھائی...... تو دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سے دنیا ٹوٹ کر دوڑی چلی آئی...... سب بڑے چھوٹے ادھر لپکے...... اور یہ فقہ و شریعت کا سب سے بڑا اور سب سے معتبر حلقہ بن گیا۔

امامِ اہل بیت امام باقر نے بہت پہلے ابوحنیفہ کو دیکھ کر یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا کہ...... ما احسن هديه وسمته وما اكثر فقهه...... یعنی کیا سندر تا ہے اس شخص کے کردار میں اور کیا فراوانی ہے اسکے علم و تفقہ میں...... دراصل امام باقر کی نگاہ فراست تاڑ گئی تھی کہ...... دنیائے فقہ کا مستقبل ابوحنیفہ سے جڑا ہے۔

حضرت داؤد طائی...... فقہ ظاہر اور فقہ باطن دونوں سے فیضیاب تھے...... ان کے علم اور وجدان نے چارسو دیکھا تو نظر آیا کہ...... علم بس وہی ہے جو ابوحنیفہ سے دنیا کو ملا ہے...... سنئے وہ کیا کہتے ہیں:

ذلک نجم یهتدی به الساری وعلم تقبله قلوب المؤمنین

فکل علم لیس من علمه فهو بلاء علی حامله۔

یعنی ابوحنیفہ آسمان علم کا قطب ستارہ ہے...... جادۂ فقہ کے سب راہی اسی کی راہبری میں چلتے ہیں...... اس کا علم دلوں میں اترتا جاتا ہے...... اور جو علم ابوحنیفہ کی راہ سے نہ آیا ہو وہ تو بس ایک آزار ہی ہے۔

ابو یوسف امام اعظم کے شاگرد بھی ہیں...... اور خود ایک عظیم مجتہد بھی...... ان سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اپنے استاد کا فیض لٹاتے...... اور ساتھ ہی یوں کہتے:

هذا قول ابی حنیفة ومن جعله بینه وبین الله فقه استبرأ لدینه۔

یہ ابوحنیفہ کا ارشاد ہے اور جس نے خدا کے ساتھ اپنا رشتہ ابوحنیفہ کے علم کی راہ سے جوڑ لیا اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔

یہ محض ایک شاگرد کا جذبہ عقیدت نہیں، امر واقع ہے...... ابو یوسف خود کہتے ہیں کہ
...... میں نے جب بھی اپنے تفقہ میں امام کی رائے سے اختلاف کیا...... ذرا سی دیر
میں مجھ پر کھلا کہ: مذهبه انجى فى الآخرة...... یعنی ابوحنیفہ کی رائے ہی نجات
اخروی سے قریب تر ہے...... اور ایسا کیوں نہ ہو کہ...... جب کئی اہل کشف نے پے
درپے یہ دیکھا ہے کہ...... ابوحنیفہ کا علم ان کے اپنے ذہن کا زائیدہ نہیں...... بلکہ براہ
راست سرور کونین ﷺ کا عطیہ ہے...... برصغیر میں کاروانِ ولایت کے سالار مخدومِ
امم سید ہجویر اپنا ایک کشف سناتے ہیں کہ:

میں نے دیکھا حضور سید عالم ﷺ اپنی آغوش میں ایک سفید ریش بزرگ کو بچے کی
طرح اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں۔ میں حیرت میں ڈوبا تھا کہ آقا و مولا ﷺ نے
فرمایا: علی! یہ تیرے دیار کا امام ابوحنیفہ ہے۔ اس مشاہدے کی تعبیر میرے باطن سے یہ
ابھری کہ ابوحنیفہ جادہ فقاہت میں اپنے قدموں سے نہیں آقا ﷺ کے قدموں سے
چل رہے ہیں۔ ان کا تفقہ حضور ﷺ کا عطیہ ہے۔ وہ علم اور عمل دونوں میں فنافی
الرسول ﷺ کی منزل پر فائز ہیں۔

کچھ یہی نتیجہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے روحانی مشاہدات سے بھی سامنے آیا ہے
...... وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم کا اجتہاد کمالات نبوت کی نسبت لئے ہوئے ہے...... اور
یہی راز ہے فقہ و طریقت کے امام عبدالوہاب شعرانی کے اس ارشاد گرامی کا کہ......
''اہل کشف نے دیکھا ہے امام ابوحنیفہ کا فقہی مذہب تدوین میں سب سے پہلا اور ختم
ہونے میں سب سے آخری ہے''...... اور اسی کی تائید ہوتی ہے حضرت خواجہ محمد پارسا
کے اس مکاشفہ سے کہ:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام جب زمین پر اتریں گے اور دنیا میں اسلام غالب کر دیں
گے تو شریعت کا جو نظام وہ کائنات میں لاگو کریں گے، امام ابوحنیفہ کی فقہی تعبیر اس

سے مطابقت رکھتی ہے۔

بھلا ابوحنیفہ کا فقہی مذہب قیامت تک کیوں نہ چلے...... جبکہ ابوحنیفہ نے اس مذہب کو لوگوں تک پہنچانا شروع ہی اس وقت کیا جب سرورِ کونین ﷺ کی بارگاہ سے انہیں اس کا اشارہ ہوا...... جبھی تو خدا نے ہر عہد میں مسلمانوں کی دو تہائی اکثریت کو فقہ حنفی سے وابستہ کر رکھا ہے...... فقہ حنفی رسول اللہ ﷺ کے فیضانِ نظر کا اک کرشمہ ہے...... اپنے عہد کے ایک برگزیدہ ولی، فقیہ اور محدث حضرت عبداللہ بن مبارک اسی لئے فرمایا کرتے تھے:۔

قول ابی حنیفة کالاثر عن رسول اللہ ﷺ اذا لم نجد اثرا۔

یعنی جب کسی معاملہ میں کوئی حدیثِ نبوی میسر نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کا قول وہاں کلامِ ماثور کا پرتو محسوس ہوتا ہے۔

کہاں وہ بے بصیرت حاسدین جو امام ابوحنیفہ پر حدیثِ رسول ﷺ سے عاری ہونے کا بہتان باندھتے ہیں...... اور کہاں عبداللہ بن مبارک جیسا اپنے وقت کا سب سے بڑا محدث جو برملا یہ کہتا ہے کہ...... جب کسی معاملے میں حدیثِ رسول ﷺ نہ ملے...... تو ابوحنیفہ کا قول لے لو...... اس میں شعورِ نبوت کے پرتو کی جھلک ہوگی...... اور یہ شعورِ نبوت کے اسی پرتو کا کرشمہ تھا کہ...... امام ابوحنیفہ کے فقہی مدارک اس قدر دقیق اور انکے اجتہاد کی سطح اتنی بلند ہوگئی تھی کہ...... امام عبدالوہاب شعرانی نے المیزان الکبریٰ میں حضرت سید علی خواص کا یہ قول لکھا ہے کہ...... ''اکابر اولیاء کے کشف کے سوا کسی کے علم کی رسائی امام ابوحنیفہ کے مدارک تک نہیں ہے''...... ابن عیینہ کہتے ہیں ...... میں سعید بن ابی عروبہ کے پاس گیا...... انہوں نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں مجھ سے کہا:

لقد فتح اللہ لھذا الرجل فی الفقہ شیئا کانہ خلق لہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر فقہ کے اسرار کھول دیے ہیں گویا کہ خدا نے اسے پیدا ہی اس کام کے لیے کیا ہے۔

زفر بن ہذیل خود ایک عظیم فقیہ اور امام ابوحنیفہ کے جانشین تھے...... وہ اپنی چشمِ تصور سے امام ابوحنیفہ کی فقہی گفتگو کا نقشہ یوں باندھتے ہیں:

کان اذا تکلم خیل الیک أن ملکا یلقنه۔

یعنی جب امام اعظم بولتے تو یوں لگتا کہ گویا ایک فرشتہ ان کے دل میں القا کر رہا ہے۔

بات یہ ہے کہ ابوحنیفہ کے سینے میں خدا نے علم کا ایک خزانہ بھر دیا تھا...... اور اب وہی خزانہ امام اعظم دنیا والوں میں لٹا رہے تھے...... معمر نے کیا خوب کہا ہے کہ...... ''ابوحنیفہ سے بڑھ کر فقہ کی مہارت رکھنے والا مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کو راہِ نجات دکھانے والا ہو''...... سچ ہے امام ابوحنیفہ نے اپنی فقہی بصیرت کے ذریعہ مخلوقِ خدا کی راہنمائی کا حق ادا کر دیا...... امام مالک کی ان سے ملاقات ہوئی تو کسی نے پوچھا، ابوحنیفہ کو کیسا پایا؟...... بے ساختہ جواب دیا اور تعریف کا حق ادا کر دیا...... فرمایا، لم ار مثله۔ یعنی میں نے ان سا کوئی نہ دیکھا، وہ بے مثل ہیں۔

امامِ ابوحنیفہ تاریخِ اسلام میں یقیناً بے مثل اور یکتا ہیں...... پر بات اتنی ہی نہیں...... کچھ اس سے بھی بڑھ کر ہے...... اور وہ امام شافعی نے کہہ دی ہے:

الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة۔

یعنی فقہ میں ساری دنیا ابوحنیفہ کی پروردہ ہے۔

فقہاء تو ابوحنیفہ سے پہلے بھی تھے...... پر فقہ میں امامت کے شایاں سب سے پہلے وہی نکلے...... ابوحنیفہ کو خدا نے سب سے پہلے تدوینِ شریعت کی راہ سجھائی...... اصولِ شریعت انہوں نے دریافت کیے...... منہجِ استنباط اور معیارِ تدوین انہوں نے وضع کیا...... مقاصدِ شریعت اور قواعدِ اجتہاد انہوں نے متعین کیے...... مجلسِ تدوینِ فقہ

انہوں نے بنائی...... قیاس واستحسان کی حدود انہوں نے طے کیں...... اور فقہ تقدیری کی نیو انہوں نے اٹھائی...... ان سارے کاموں میں کوئی ان سے پہلے ہے نہ ان سے بڑھ کر...... پھر کیوں نہ امام شافعی...... اور انکے ساتھ مل کر ہم بھی برملا کہیں کہ:
شریعت کو سمجھنے، اپنانے اور سنبھالنے میں پوری امت امام ابوحنیفہ کی عیال ہے...... وہ امام اعظم ہیں...... اور باقی سب ان کے تابع اور ان کے محتاج...... اس کام میں کوئی ان سا ہے نہ ان سے بے نیاز۔

پھر تدوینِ شریعت کے اس کام کو انجام دینے میں ایک اور بڑی ندرت جو امام ابوحنیفہ کے ہاں ابھری...... اور جس کی کوئی مثال شاید ہی ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم میں تدوینِ قانون کے حوالے سے ملے...... وہ شورائی اجتہاد اور مجلس تدوینِ فقہ کا قیام ہے...... مغرب میں پارلیمانی تقنین کا تصور تو خیر بہت بعد میں چمکا...... پھر یوں بھی وہ امام ابوحنیفہ کی مجلسِ تدوین سے بہت فروتر ہے...... اور مجھ سے پوچھیے تو پارلیمانی تقنین کا یہ نظریہ امام ابوحنیفہ کی ''اجتماعی تدوینِ قانون'' کا ایک عکسِ بعید ہے اور بس...... یہ مجلسِ تدوین کیا تھی...... تقویٰ، تدین اور تفقہ کی ایک کہکشاں تھی...... ایسی کہکشاں جس میں کائناتِ علم اور دنیائے ولایت دونوں کے تاجدار جگمگا رہے تھے...... امام ابو یوسف جنہیں پوری سلطنتِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بناتے وقت خلیفہ ہارون رشید نے کہا:...... ''بخدا میں نے علم کے جس باب میں اس شخص کو آزمایا، اس میں کامل اور ماہر پایا۔ اس کا کردار آلودگیوں سے پاک ہے، اس جیسا کوئی اور نہیں'' ...... امام محمد بن حسن شیبانی جن کے ایک شاگرد امام شافعی تھے اور وہ اپنے استاد کے بارے میں کہا کرتے:...... ''میں نے ان سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ وہ جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو یوں لگتا کہ وحی اتر رہی ہے'' ...... امام زفر بن ہذیل جو امام اعظم کے حلقۂ درس میں انکے جانشین ہوئے اور جن کے بارے میں خود امام اعظم نے

کہا:...... ''زفر مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، حسب نسب اور شرافت میں بلند پایہ، ہمارے اصحاب میں قیاس کے سب سے زیادہ ماہر'' ...... حسن بن زیاد جن کی شان اتنی بلند ہے کہ ابن اثیر نے انہیں تیسری صدی ہجری کے مجددین میں شامل کیا ہے...... مالک بن مغول جن پر تمام محدثین اعتماد کرتے ہیں اور امام بخاری نے جن کے بارے میں فرمایا:...... ''اہلِ کوفہ میں بس وہی شخص قابلِ اعتماد اور ثقہ ہے جو مالک بن مغول کی تعریف کرتا ہو'' ...... داؤد الطائی جن کے ثقہ ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور جن کے بارے میں ایک عظیم محدث محارب بن دثار کہا کرتے:...... ''داؤد اگر اگلے زمانے میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ان کا قصہ بیان کرتا''۔

زہیر بن معاویہ جو الجزیرہ کے سب سے بڑے محدث سمجھے جاتے اور جن کے بارے میں امام سفیان ثوری نے کہا:...... ''معاصرین میں کوئی شخص ان کا ہم پایہ نہ تھا'' ...... قاسم بن معن جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے تھے، جنہیں اپنے عہد کا امام شعبی کہا جاتا اور جن کے بارے میں امام اعظم فرمایا کرتے:...... ''قاسم میرے دل کا سکون اور میرے غم واندوہ میں باعثِ راحت ہے'' ...... عافیہ بن یزید جن کی ثقاہت اور عقل ودانش کا ہر سو چرچا تھا اور جن کی غیر موجودگی میں امام اعظم تدوینِ فقہ کا کام روک دیتے اور فرمایا کرتے:...... ''جلدی نہ کرو، عافیہ کو آنے دو'' ...... یحییٰ بن زکریا جن کا پایہ حفاظِ حدیث میں اتنا بلند ہے کہ یحییٰ بن معین انہیں اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم کہتے تھے ...... یوسف بن خالد سمتی جن کی تعریف امام شافعی، امام مزنی اور امام طحاوی نے کی ...... وکیع بن الجراح جن کے بارے میں ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل یوں کہا کرتے:...... ''یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی جن کا مثل میری آنکھ نے نہیں دیکھا'' ...... یحییٰ بن سعید القطان جنہوں نے فتنۂ وضعِ حدیث کی سرکوبی کے لیے فنِ رجال کی بنیاد رکھی اور جن کی بارگاہ میں امام احمد بن حنبل، ابن مدینی اور

ابن خالد ایسے ائمہ حدیث گھٹنوں سراپا عجز وادب کھڑے رہتے...... ابو عاصم نبیل جن کی تعریف امام بخاری نے کی اور جن کے بارے میں ذہبی نے لکھا:...... "ان کی ثقاہت پر تمام اہلِ علم متفق ہیں...... عبداللہ بن مبارک جو بالاتفاق امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے جن کے استاد سفیان ثوری انہیں مشرق و مغرب کا عالم کہتے، جن کی عزت اور مقبولیت پر خلیفہ ہارون رشید برملا رشک کا اظہار کرتا اور جن کی شان میں امام نووی نے لکھا:...... "وہ امام جن کی عظمت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا، جن کے ذکر سے اللہ کی رحمت برستی ہے اور جس کی محبت سے بخشش کی امید بندھتی ہے"...... فضل بن موسیٰ جو علم اور تقوی میں عبداللہ بن مبارک کے ہم پلہ سمجھے جاتے اور جو کسی شخص کی طرف سے اہانت کرنے پر اپنے شہر سے نکل آئے تو دنیا نے دیکھا کہ:...... اس سال شہر کی تمام کھیتیاں اجڑ گئیں اور فصلیں تباہ ہو گئیں...... حفص بن غیاث جو تیرہ سال کوفہ اور دو سال بغداد میں قاضی رہے اور جن کے تمام فیصلوں کا باریک بینی سے جائزہ لیکر امام ابو یوسف پکار اٹھے کہ...... "حفص کے ساتھ تائیدِ الٰہی ہے"...... حکم بن عبداللہ بلخی جو سولہ سال بلخ کے قاضی رہے، جو گورنر کو ڈانٹتے تو اسکے آنسو بہہ پڑتے اور جن کے علم و دیانت کی تعریف عبداللہ بن مبارک کیا کرتے...... حضرت فضیل بن عیاض، امام شافعی کے استاد اور ولیوں کے سردار جن کی عظمت کے چرچے ہر زبان پر ہیں...... اور ابو اسماعیل حماد جن کی خوش نصیبی پر زمانہ ناز کرتا ہے کہ ان کی رگوں میں امام اعظم کا خون دوڑتا تھا اور جن کے علم و تفقہ کا یہ عالم تھا کہ وہ عظیم باپ کی زندگی میں ہی منصبِ افتاء پر فائز ہو چکے تھے۔

یہ ہیں چند ستارے آسمانِ شریعت کی اس عظیم کہکشاں کے جس کا مرکز سراجِ امت امام اعظم ابو حنیفہ کی ذاتِ اقدس تھی...... اور جس کی مثال پوری دنیا کی تاریخ تدوین قانون میں کہیں اور نہیں مل سکتی...... یہ مجلس تدوینِ فقہ جس کے سر پر خدا کی رحمتوں کا

سایہ تھا...... کہ اس مجلس نے خدا کی دھرتی پر خدا کے آخری قانون کی دائمی حفاظت کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا...... یہ مجلس آج کل کی سرکاری کونسلوں جیسی نہ تھی...... کہ ارکان نامزد ہو گئے، کورم ٹوٹتے اور اجلاس رکتے رہے...... یہ تو ایک دائمی سیمینار تھا جو خدا کے گھر جامع کوفہ میں مسلسل جاری رہتا...... فقہی تدوین کے اس عمل میں جس جس فقیہ، محدث اور امام کا جتنا حصہ خدا نے ازل سے لکھا ہوا تھا...... وہ اپنے اپنے وقت پر آتا اور اس مجلس میں شامل ہوتا رہا...... یہ کوئی تنظیمی مجلس نہ تھی کہ ارکان کی عمر، ڈگری اور منصب کا تجزیہ شروع کر دیا جائے...... یہ تو خدا کے دین کی خدمت کا کام تھا...... اور جس جس مرحلے پر خدا نے جس کسی کو چاہا، اپنے دین کی خدمت کے اس پاکیزہ حلقے میں لا کر بٹھا دیا...... کوئی پہلے اس کا رکن بنا، کوئی بعد میں...... کوئی بڑھاپے میں اس مجلس کے شایاں اترا...... اور کوئی بچپن ہی سے علم کا سمندر تھا...... اور امام اعظم تو علم کے ہر سمندر کی موجوں اور ہر ستارے کی کرنوں سے شریعتِ محمدی کی کھیتی کو سیراب کر رہے تھے۔

یہ مجلس ایک گلدستہ تھی...... علم، ایمان اور تقویٰ کا گلدستہ...... امام ابوحنیفہ اس گلدستے میں ہر رنگ اور ہر مہک کے پھول سجا رہے تھے...... وقت گزرتا رہا...... نئے نئے پھول کھلتے رہے...... اور امام اعظم ان پھولوں سے اپنا گلدستہ سجاتے رہے...... یہ مجلس تو البیلے موتیوں کا ہار تھی...... یہ ہار امام اعظم نے اس وقت پرونا شروع کیا جب خدا نے انہیں تدوینِ شریعت کے کام پر لگایا...... اور پھر جب تک ان کی سانسیں چلتی رہیں...... وہ علم اور تقویٰ کے موتی ڈھونڈتے، ہار پروتے اور تدوینِ شریعت کا کام کرتے رہے...... یہاں تک کہ دنیا نے دیکھا اور پہچان لیا کہ...... یہ وہی شخص ہے...... ہاں ابوحنیفہ اور صرف ابوحنیفہ ہی وہ شخص ہے...... جس کے بارے میں کونین کے سب رازوں سے بھرا محبوبِ خدا ﷺ کا سینہ بہت پہلے یہ مژدہ دے چکا تھا...... سنو امام

بخاری اور امام مسلم کی زبانوں سے مہکتے جگمگاتے الفاظ ٹپک رہے ہیں ...... فرمایا میرے آقا ﷺ نے:

لو كان الايمان عندالثريا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله۔

یعنی اگر ایمان ثریا کی بلندیوں پر ہو تو بھی فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہو گا جو وہاں سے اتار لائے گا۔

مجھے یقین ہے اور میں اسی یقین کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہونا چاہتا ہوں کہ ...... اس حدیثِ صحیح کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مصداق ابوحنیفہ ہے ...... تنہا ابوحنیفہ ...... کوئی اور نہیں ...... اور یہ اعزاز ابوحنیفہ سے قیامت تک کوئی چھین نہیں سکتا ...... ساری دنیا کے غیر مقلد حاسدین اور معاندین مل کر بھی نہیں ...... ابوحنیفہ کے حاسدین تو ہر زمانے میں ابھرتے رہے ...... مگر سارے زمانے گواہ ہیں ...... سب شہر اور قریے، سمع و بصر، سب پست و بلند اور خشک و تر ہمیشہ گواہی دیتے رہے ...... اور تا ابد دیتے رہیں گے کہ ...... صدیوں پر پھیلے یہ سارے حاسدین مل کر بھی ابوحنیفہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ...... حاسدین پہلے بھی شعلوں کی طرح بھڑکتے اور خود بخود مٹتے رہے ...... اور آئندہ بھی ہمیشہ ایسا ہی ہو گا ...... ایوب سختیانی نے کہا ...... اور سچ کہا:

''امام ابوحنیفہ کے بعض ہمعصر مجتہدین نے ان کی مخالفت کی اور جس نے بھی ایسا کیا خدا نے اس مجتہد کا مذہب مٹا دیا اور اس کی شناخت بھی گم کر دی جبکہ امام ابوحنیفہ کا مذہب شرقاً غرباً ہمیشہ پھیلتا رہا''۔

واقعی دنیا نے دیکھا ہے کہ جو کوئی ابوحنیفہ کی مخالفت کرے، رسوائی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے ...... اور کیوں نہ ہو کہ ...... ابوحنیفہ سے عناد رکھنے والے لوگ دراصل لاکھوں محدثین، مفسرین، علماء، فقہاء اور اولیاء کی نفرتیں سمیٹتے ہیں ...... اور یوں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا مورد ٹھہرتے ہیں ...... میرا احساس یہ ہے کہ جو کوئی

امام ابوحنیفہ سے عناد رکھتا ہے، خدا تعالیٰ اس سے تفقہ بھی چھین لیتا ہے اور تدین بھی
...... پھر اس کے دامن میں بس انگارے ہی انگارے رہ جاتے ہیں۔
امام ابوحنیفہ ایک شخصیت نہیں، تحریک کا نام ہے ...... وہ تو علم کا بہتا دریا ہے ...... سب زمانوں اور کل زمینوں کو سیراب کرنے والا ...... ہم سب جادۂ شریعت کے راہرو ہیں، وہ امام ...... وہ بھی اسے امام مانتے ہیں جو خود دوسروں کے امام ہیں ...... وہ تفقہ میں خود کو اس کی عیال کہتے اور اس پر فخر کرتے ہیں ...... وہ سچ مچ امام اعظم ہے ...... آنے والے، جانے والے سب زمانوں کے لیے ...... اس کا تفقہ فیضانِ نبوت ہے ...... وہ علمِ شریعت کا سب سے بڑا مینار ہے ...... اس نے دنیا کو "مدون فقہی نظام" بھی دیا ...... اور اندازِ تفقہ بھی سکھایا ...... اس نے تدوینِ شریعت کا کام بھی کیا ...... اور تشریعی فکر کا سانچہ بھی دیا ...... جی ہاں! ...... یہ امام ابوحنیفہ ہی نے دنیا کو دکھایا کہ ...... اسلام کی مجموعی تشریعی فکر کیا ہے ...... اس تشریعی فکر کی نوعیت اور مزاج، وسعت اور پھیلاؤ، گہرائی اور گیرائی دنیا پر امام اعظم ہی نے آشکار کی ...... ان سے پہلے یہ تشریعی فکر ایک پوشیدہ خزانہ تھا ...... دنیا کو اس کے منابع کا علم تو تھا ...... مگر اس کا سراغ لگانے کے لیے قدرت نے امام ابوحنیفہ کا انتخاب کیا ...... وہ خاص مزاج جو قرآن وسنت کے مجموعی تشریعی فکر کو سمجھ سکے، ابوحنیفہ کی فکر میں پوری طرح ودیعت ہے ...... مجھے تو کچھ یوں لگتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مزاج ہی قدرت نے اسلام کی مجموعی تشریعی فکر کے خمیر میں گوندھا ہے ...... میں نے ان کے اسلوبِ تفقہ کو جاننا چاہا ...... تو جوں جوں اس کی مختلف پرتیں کھلتیں رہیں ...... توں توں اسلام کی ہمہ گیر تشریعی روح (legislative spirit) کی نت نئی ابعاد جگمگاتی چلی گئیں ...... میں انکے طرزِ اجتہاد کو سمجھنے چلا ...... تو اپنی گہرائی اور گیرائی، عمق اور پنہائی کے لحاظ سے یہ ایک سمندر لگا ...... پھر میں کیا اور میری بساط کیا کہ دنیائے اسلام کے اس سب سے بڑے امام کے بحرِ تفقہ میں اترتا ...... بس ساحل

ہی سے نظارے بھرتا رہا...... پر دیکھا کہ ساحل سے ٹکراتی ہر موجِ تفقہ قطرہ قطرہ گہر ہے...... اور ہر گہر میں اسلام کی ابدی تشریعی فکر کے انمول جلوے درخشاں ہیں...... مجھے کہنے دو...... اور میں سچ کہتا ہوں کہ...... ''ابوحنیفہ اسلام کے مجموعی تشریعی فکر کی ایک تجسیم (Personification) ہے''...... اور یہی تو سید ہجویر کا روحانی مکاشفہ ہمیں کھول کھول کر بتا رہا ہے...... امام ابوحنیفہ کے مدارکِ اجتہاد براہِ راست شعورِ نبوت سے فیضیاب ہیں...... اور نبوی منہاجِ تشریع کے دھارے ان کی کشتِ فقہ کو سیراب کر رہے ہیں...... پھر کیوں نہ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کی پرچھائیاں ان کے فقہی سانچے میں جلوہ بار ہوں...... ذرا دیکھئے تو سہی ایک جھلک امام اعظم کے مزاجِ تفقہ کی...... چونکہ تشریع کا منبع وحی ہے اور وحی کا خزانہ قرآن و سنت...... لہٰذا امام ابوحنیفہ کی تمام فقہی و اجتہادی سرگرمیاں ہمیں قرآن و سنت ہی کا طواف کرتی نظر آتی ہیں...... وہ اپنے تفقہ کا آغاز بھی انہی دو سے کرتے ہیں اور انتہاء بھی انہی دونوں پر...... خود امام اعظم کے اپنے الفاظ سنیے جو عبداللہ بن مبارک نے ان سے نقل کیے ہیں۔ فرمایا:

''کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے''۔

کچھ بد بخت ایسے بھی گزرے ہیں جو امام ابوحنیفہ پر قلتِ حدیث کا اتہام باندھتے رہے...... جبکہ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ...... امام اعظم کے شعور کی ہر رو اور دل کی ہر دھڑکن حدیثِ رسول ﷺ میں بسی ہے...... جو فقیہ، اپنے علم، ایمان اور تفقہ کا حرفِ آخر یہ ٹھہرائے کہ:

اذا صح الحدیث فهو مذهبی۔

یعنی میرا مذہب تو بس حدیثِ صحیح ہے، اسکے علاوہ کچھ نہیں۔

اسے اھل الرائے کا لقب دینا سوائے بہتان کے اور کیا ہے...... امام ابوحنیفہ کی بے مثال عبقریت اور لازوال فقہی خدمات کو دنیا تیرہ صدیوں سے پیہم خراجِ تحسین پیش

کرتی آ رہی ہے......اور جب تک سورج کی تابندہ کرنیں اس دھرتی پر مختلف انواع کے رنگ بکھیرتی رہیں گی......تب تک امام اعظم کا نام مطلع حیات کے ہر افق پر جگمگاتا رہے گا۔

دنیائے فقاہت میں تیرا نام رہے گا　　　نعمان! تیرے نام سے اسلام رہے گا

پیش نظر کتاب پیر طریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری زیدمجدہٗ کی انمول کاوش ہے ......شاہ صاحب کا شمار اہلسنت کی برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے...... آپ کی شخصیت علم، عمل اور روحانیت کا مرقع ہے...... دینی دعوت، سماجی خدمت اور سیاسی عزیمت کے ہر محاذ پر سرگرم عمل...... خطابت، مناظرہ، تدریس اور تصنیف کے ہر شعبے میں بیک وقت فعال اور کامیاب...... کئی بلند پایہ تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں...... زیر نظر کتاب ''سیدنا امام اعظم'' امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ عالی میں حضرت شاہ صاحب کی طرف سے ارمغان محبت ہے......دنیا کو آج امام اعظم کی بے مثال فقہی بصیرت سے روشناس کرانا وقت کی اشد ضرورت ہے......اور حضرت شاہ صاحب نے امام اعظم کی سوانح پر قلم اٹھا کر وقت کی اس پکار پر لبیک کہا ہے...... مجھے مسودہ کے چند صفحات دیکھنے کا موقعہ ملا......اور میرا احساس یہ ہے کہ شاہ صاحب زیدمجدہٗ نے موضوع کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

بارگاہ رب العزت میں التجا ہے کہ علامہ سید شاہ تراب الحق قادری زیدمجدہٗ کی اس کاوش کو شرف پذیرائی بخشے......اور ان کی معیت میں مجھ ایسے فقیر بندہ پر تقصیر کو بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے حضور باریابی نصیب ہو...... آمین۔

گدائے در حبیب ﷺ، سید عبدالرحمٰن بخاری

جمعرات ۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۵ مئی ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

باب اول (1)

نام ونسب:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی ''نعمان'' اور کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ آپ کے نام کے متعلق یہ لطیف نکتہ لکھتے ہیں، نعمان کے معنی لغت میں اس خون کے ہیں جس پر بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ جسم کے تمام اعضاء کام کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اسکے معنی روح کے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ امامِ اعظم کی ذاتِ گرامی دستورِ اسلام کے لیے بنیاد ومحور اور فقہی مسائل وتعلیمات کے لیے روح کی طرح ہے۔ (الخیرات الحسان: ۷۰)

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی کا نام ''ثابت'' ہے۔ آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد رحمہما اللہ فرماتے ہیں،

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور خدا کی قسم! ہم کبھی کسی کی غلامی میں نہیں رہے۔ ہمارے دادا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انکے دادا اپنے نومولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔ (تبییض الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرے تعلقات تھے۔ آپ نے نوروز

کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا تحفہ بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہمارے لیے ہر دن نوروز ہے۔ (ایضاً)

ان روایات میں حضرت اسماعیل رحمہ اللہ نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بتایا ہے جبکہ بعض روایات میں انکا نام زوطی بن ماہ بیان ہوا ہے۔ اس اختلاف کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ ایک راوی نے انکے نام لکھے ہونگے اور دوسرے نے القاب بیان کیے ہونگے۔ بعض کے بقول جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اسلیے اسماعیل رحمہ اللہ نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا اسلامی نام نعمان لیا اور اسلامی حمیت کا یہی تقاضا تھا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۵۴)

امام اعظم کی کنیت:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی۔ اکثر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے۔ انکے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ آپ کی کنیت ''ابوحنیفہ'' کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں:-

☆...... ''حنیفہ'' حنیف کا تانیث ہے جس کے معنی ہیں، عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔

☆...... آپ کا حلقۂ درس وسیع تھا اور آپکے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے۔ چونکہ اہلِ عراق دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اس لیے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا یعنی دوات والے۔

☆...... آپ کی کنیت وضعی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابوالملۃ الحنیفہ۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے،

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (ال عمران: ۹۵) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی نسبت

سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ اسکا مفہوم ہے،" باطل ادیان کو چھوڑ کر دینِ حق اختیار کرنے والا"۔ (الخیرات الحسان:۷۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر اسی کنیت کے ساتھ" توریت" میں آیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر توراۃ میں ہے۔ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اس میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،" محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایک نور ہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی"۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سراج الامۃ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (تعارف فقہ وتصوف:۲۲۵)

بشاراتِ نبوی ﷺ:

علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ (م ۵۷۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

" میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ قیامت میں میری امت کا چراغ ہے"۔ (مناقب للموفق:۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمنِ حکمت سے ایک دانہ بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپکے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایہ ہوتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا اور آپ کی

امت کو آپکے احکام سے آگاہ کرے گا۔ حضور علیہ السلام نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور انکے منہ میں اپنا لعابِ دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابوحنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈالنا۔ حضور علیہ السلام کی یہ امانت یعنی لعابِ دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔ (ایضاً:۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم علیہ السلام نے فرمایا، میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اسکی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔ (ایضاً:۵۱)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن میں نبی کریم علیہ السلام نے آپ کا نام لے کر آپ کی فضیلت بیان کی ہے لیکن ان احادیث پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے البتہ نبی کریم علیہ السلام کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک بشارت ایسی ہے کہ جس پر محدثین کرام متفق ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''نبی کریم علیہ السلام نے ایک حدیث میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی، ''ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ منورہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے''۔

اور ایک حدیث میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی کہ ''قریش کو برا نہ کہو کیونکہ ان میں کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا''۔

اور میں کہتا ہوں کہ آقا و مولیٰ علیہ السلام نے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے حافظ ابونُعیم نے الحلیہ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم علیہ السلام نے فرمایا، ''اگر علم ثریا کے پاس ہو تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک مرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا''۔

اور شیرازی نے ''الالقاب'' میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا، "اگر علم ثریا یعنی آسمان کے پاس ہوتو بھی مردانِ فارس سے کچھ لوگ ضرور اسے حاصل کرلیں گے"۔ یہ حدیث امام طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں یہ ہیں، لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَال" مِنْ فَارِسَ۔ "اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتو فارس کے کچھ لوگ اسکو ضرور حاصل کرلیں گے"۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں،

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَالثُّرَیَّا لَذَهَبَ بِهٖ رَجُل" مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ حَتّٰی یَتَنَاوَلَهٗ "اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتو مردانِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو حاصل کرلے گا"۔

نیز معجمِ کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، "اگر دین آسمان کے پاس ہوتو یقیناً فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کرلیں گے"۔

ان روایات کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "یہ ایک صحیح اصل ہے جس سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان اور فضیلت ثابت ہورہی ہے اور یہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی حدیثوں کی مانند اور مثل ہے۔ اور یہ صحیح اصل، ہمیں موضوع خبروں سے بے نیاز کردیتی ہے"۔ (تبییض الصحیفہ:۷)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آقا و مولیٰ ﷺ نے سورۃ جمعہ کی آیت وآخرین منهم لما یلحقوا بهم تلاوت فرمائی تو کسی نے دریافت کیا، آقا! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ آپ جواب میں خاموش رہے۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ

عنہ کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا،

لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَال" اَوْ رَجُل" مِنْ هٰؤُلَاءِ۔

''اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور حاصل کرلیں گے''۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب الجمعۃ)

امام سیوطی اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بخاری و مسلم کی ان احادیث سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ فارس کے علاقوں سے کوئی ایک شخص بھی امامِ اعظم جیسے علم وفضل کا حامل نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو آپ جیسا بلند مقام نصیب ہوا۔

یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ امام جلال الدین سیوطی، امامِ اعظم ابوحنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں نیز حافظ ابن حجر ہیتمی مکی بھی حنفی نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں اور ان دونوں بزرگوں نے امام اعظم کی فضیلت پر بالترتیب ''تبییضِ الصحیفہ'' اور ''الخیرات الحسان'' تحریر کیں اور بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ ہی کو قرار دیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ کی شان میں آقا و مولیٰ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ:

انه قال ترفع زينة الدنيا سَنة خمسين ومائة ۔ ''دنیا کی زینت ایک سو پچاس سن ہجری میں اٹھالی جائے گی''۔ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ امام کردری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ ہی کا انتقال اس سن میں ہوا''۔ (الخیرات الحسان: ۵۳)

علماء کرام نے اس حدیث کا مصداق سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اس لیے قرار دیا کیونکہ اُس سال دنیا کے سب سے بڑے اور معروف جس عالمِ دین کا وصال ہوا، وہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

آپ کا سنِ ولادت:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ایک روایت کے مطابق آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ کے بقول امامِ اعظم کا یہ سنِ ولادت "اہلِ حدیث" نے مشہور کیا ہے۔(سوانح بے بہائے امامِ اعظم:۶۳)

خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۶۱ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔(تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۳۰)

اس پر علماءِ ازہر نے درج ذیل حاشیہ لکھا ہے۔"قدیم علماء کرام کی وہ جماعت، جس نے امام ابوحنیفہ کی ان روایات کی تدوین کی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے کی ہیں، اس نے اس قول کی طرف میلان کیا ہے جیسے ابومعشر طبری شافعی وغیرہ"۔

"حضرت امامِ اعظم ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے۔آپ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔وہاں صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث سنی۔۹۶ھ میں پھر حج کو گئے اور جو صحابہ زندہ تھے ان سے ملے"۔(سوانح بے بہائے امامِ اعظم:۶۲ بحوالہ مقدمہ انوار الباری)

علامہ قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری اور امام ابن عبدالبر متصل سند سے قاضی القضاۃ امام ابویوسف رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا۔اسوقت میری عمر سولہ سال تھی۔وہاں میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جن کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔میرے والد نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ ہیں اور لوگ انکے گرد اس لیے جمع ہیں تاکہ ان سے رسول کریم ﷺ کی حدیثیں سنیں۔میں نے عرض کی، آپ مجھے بھی انکے پاس لے جائیں تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں۔چنانچہ وہ مجمع کو

چیرتے ہوئے مجھے لیکر آگے بڑھے یہاں تک کہ میں اسکے قریب پہنچ گیا اور میں نے انہیں یہ فرماتے سنا۔ "میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے دین کی سمجھ حاصل کر لی، اسکی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا"۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ امام اعظم کی ولادت ۷۷ھ کی ہے۔ اسکے متعلق علامہ ابو الحسن زید فاروقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "عاجز کے نزدیک یہ روایت دوسری روایتوں سے ارجح اور قابلِ اعتماد ہے اور حضرت امامِ عالی مقام کا سال ولادت ۷۷ھ ہے"۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۹۲ بحوالہ اخبار ابی حنیفہ، جامع بیان العلم)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے متعلق فرماتے ہیں،

"زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی"۔ (مقدمہ نزھۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۹)

امامِ اعظم تابعی ہیں:

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں، "علامہ ذہبی سے منقول صحیح روایت سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار کیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امام اعظم نے فرمایا، "میں نے کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، وہ سرخ خضاب لگاتے تھے"۔ اکثر محدثین کا اتفاق ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کا دیدار کیا ہو"۔ (الخیرات الحسان: ۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوا۔
(تہذیب التھذیب ج ۱: ۳۷۸)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تابعی ہونے کے متعلق جب شیخ الاسلام حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

''امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک مبارک جماعت کو پایا ہے۔ آپ کی ولادت (ایک روایت کے مطابق) ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ وہاں اسوقت صحابہ کرام میں سے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے۔ انکا وصال ۸۸ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ اسی زمانہ میں بصرہ میں سیدنا انس بن مالک تھے۔ انکا انتقال ۹۰ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ ابن سعد نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ ان دونوں صحابیوں کے علاوہ بھی بکثرت صحابہ مختلف شہروں میں انکے بعد زندہ موجود تھے۔ رضی اللہ عنہم

بلاشبہ بعض علماء نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات کے بارے میں رسالے تصنیف کیے ہیں لیکن انکی اسناد وہاں ضعف سے خالی نہیں۔ میرے نزدیک مستند بات یہ ہے کہ امام اعظم نے بعض صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جیسا کہ مذکور ہوا، یہ بات ابن سعد نے بھی کہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم تابعین کے طبقہ میں سے ہیں اور یہ بات بلادِ اسلامیہ میں انکے ہمعصر کسی امام کے لیے ثابت نہیں خواہ شام میں امام اوزاعی ہوں یا بصرہ میں حماد ہوں یا کوفہ میں امام ثوری ہوں یا مدینہ میں امام مالک ہوں یا مصر میں لیث بن سعد ہوں۔ (تبییض الصحیفہ :۹)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابومعشر طبری شافعی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں صحابہ کرام سے امام اعظم کی مروی احادیث بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے ان سات صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔

(۱) سیدنا انس بن مالک (۲) سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء (۳) سیدنا جابر بن

عبداللہ (۴) سیدنا معقل بن یسار (۵) سیدنا واثلہ بن الاسقع (۶) سیدنا عبداللہ بن انیس (۷) سیدتنا عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام اعظم نے سیدنا انس سے تین حدیثیں، سیدنا واثلہ سے دو حدیثیں جبکہ سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن انیس، سیدتنا عائشہ بنت عجرد اور سیدنا عبداللہ بن جزء سے ایک ایک حدیث روایت فرمائی ہے۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے بھی ایک حدیث روایت فرمائی ہے اور یہ تمام احادیث ان طریقوں کے سوا بھی وارد ہوئی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (تبییض الصحیفہ: ۷)

سات صحابہ کرام سے احادیث روایت کرنے کا ذکر خود امام اعظم نے بھی کیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے، "میں رسول کریم ﷺ کے سات صحابہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے احادیث سنی ہیں"۔ (مناقب للموفق: ٦٠)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو سات صحابہ کرام سے براہِ راست احادیث سننے کا شرف حاصل ہے۔

درِمختار میں ہے کہ امامِ اعظم نے بیس (۲۰) صحابہ کرام کا دیدار کیا ہے۔ خلاصۃ اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ آپ نے چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ (سوانح بے بہائے امامِ اعظم: ۶۲ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی)

اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کا سنِ ولادت ۸۰ھ مان لیا جائے تو اسوقت مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف شہروں میں موجود تھے۔

۱...... حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہ متوفی ۸۱ھ۔

۲...... حضرت طارق بن شہاب کوفی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۲ھ۔

۳...... حضرت عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ۔

۴...... حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ۔

۵......حضرت عبداللہ بن جزء رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔

۶......حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔

۷......حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔

۸......حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔

۹......حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ یا ۸۸ھ۔

۱۰......حضرت عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔

۱۱......حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔

۱۲......حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔

۱۳......حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۶ھ۔

۱۴......حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۹ھ۔

۱۵......حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ۔

۱۶......حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۴ھ۔

۱۷......حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۹ھ۔

۱۸......حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ۔

۱۹......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ یا ۹۵ھ۔

۲۰......حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ متوفی ۹۴ھ۔

۲۱......حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ۔

۲۲......حضرت ابوامامہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۰ھ۔

۲۳......حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۲ھ یا ۱۱۰ھ۔

۲۴......حضرت ابوالبداح رضی اللہ عنہ متوفی ۱۱۷ھ۔

اب اگر امام سیوطی رحمہ اللہ کی تحریر کردہ فہرست سے بقیہ نام (حضرت جابر بن عبداللہ،

حضرت معقل بن یسار، حضرت عبداللہ بن انیس، حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم) بھی اس فہرست میں شامل کر لیے جائیں تو صحابہ کرام کی یہ تعداد 28 تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ محققین علماء کے نزدیک امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے اس لیے انہیں مزید ان 16 صحابہ کرام کا زمانہ بھی نصیب ہوا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۳۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۴۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ...... ۵۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۶۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ یا ۷۹ھ...... ۸۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ...... ۹۔ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ...... ۱۰۔ حضرت سائب بن خباب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۷ھ...... ۱۱۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ...... ۱۲۔ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ...... ۱۳۔ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۱۴۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۱۵۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ...... ۱۶۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ۔

آخرالذکر چار صحابہ کرام کا وصال کوفہ میں ہوا ہے اس لیے سنِ پیدائش ۷۰ھ ہونے کی صورت میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یقینی طور پر ان صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر میں پچپن (۵۵) حج کیے ہیں۔ حضور ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ جن کا وصال ۱۰۲ھ میں یا دوسری روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جبکہ امام اعظم نے پہلا حج امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی مشہور روایت کے مطابق سولہ سال کی عمر میں ۹۳ھ

میں اور علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ۸۰ھ میں کیا۔

اگر ہم آپ کا سنِ ولادت ۷۷ھ لیں تو امام اعظم نے حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں دس حج کیے اور دوسری روایت کے مطابق (اگر انکا سن وصال ۱۱۰ھ مانیں تو) اٹھارہ حج کیے۔

اگر ہم صرف ان صحابی کی مثال لیں کہ جن کی زیارت وملاقات سے تابعی ہونے کا شرف مل رہا ہو اور اس سعادت کا حصول مشکل بھی نہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم دس یا اٹھارہ بار کوفہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوں اور ایک مرتبہ بھی حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی سعادت حاصل نہ کی ہو جبکہ اُس زمانے میں صحابی کی زیارت کے لیے لوگ دوسرے شہروں کا سفر کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ ۷۷ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپ کی عمر کے آٹھویں سال تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپکی عمر کے پندرھویں سال تک) حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۵ھ) اور آپکی عمر کے دسویں سال تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے سترھویں سال تک) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۷ھ) آپ ہی کے شہر کوفہ میں موجود تھے۔ چنانچہ اُس زمانے کے دستور کے مطابق لامحالہ آپکے گھر والے آپ کو ان صحابہ کرام کی دعائے برکت کے حصول کے لیے انکی بارگاہ میں لے گئے ہونگے۔

آپ کے شرفِ تابعیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ نے نہ صرف متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی بلکہ ان سے احادیث بھی روایت کیں جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی شافعی، امام ابن حجر مکی شافعی اور علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور ان احادیث رسول ﷺ

کے مصداق ہیں۔

☆ ''میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں''۔(بخاری، مسلم)

☆ ''اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا''۔(ترمذی، مشکوٰۃ)

علم کی طرف رغبت:

امام اعظم رحمہ اللہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں، میں ایک دن بازار جا رہا تھا کہ کوفہ کے مشہور امام شعبی رحمہ اللہ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا، بیٹا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی، بازار میں کاروبار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو، مجھے تمھاری پیشانی پر علم و فضل اور دانشمندی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ان کے اس ارشاد نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے علم دین کے حصول کا راستہ اختیار کیا۔(مناقب للموفق:۸۴)

امام اعظم رحمہ اللہ نے علم کلام کا گہرا مطالعہ کر کے اس میں کمال حاصل کیا اور ایک عرصہ تک اس علم کے ذریعہ بحث و مناظرہ میں مشغول رہے۔ پھر انھیں الہام ہوا کہ صحابہ اور تابعین کرام ایسا نہ کرتے تھے حالانکہ وہ علم کلام کو زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ شرعی اور فقہی مسائل کے حصول اور ان کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی توجہ مناظروں سے ہٹنے لگی۔ آپ کے اس خیال کو مزید تقویت یوں ہوئی کہ آپ امام حماد رحمہ اللہ کے حلقۂ درس کے قریب رہتے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے وہ کیا طریقہ اختیار کرے؟ آپ نے اسے حضرت حماد رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتا کر جانا۔ امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا، وہ شخص عورت کو اس طہر میں

طلاق دے۔جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔تیسرے حیض کے اختتام پر وہ عورت غسل کرے گی اور نکاح کے لئے آزاد ہوگی۔یہ جواب سن کر امام اعظم رحمہ اللہ اسی وقت اٹھے اور امام حماد رحمہ اللہ کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد رحمہ اللہ کی گفتگو اکثر یاد کر لیا کرتا اور مجھے ان کے اسباق مکمل طور پر حفظ ہو جاتے۔آپ کے شاگرد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا چنانچہ استادِ گرامی حضرت حماد رحمہ اللہ نے میری ذہانت اور لگن کو دیکھ کر فرمایا، "ابو حنیفہ میرے سامنے صفِ اول میں بیٹھا کرے۔اس دریائے علم سے سیراب ہونے کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا"۔

(مناقب للموفق:۸۸،الخیرات الحسان:۸۷)

امام اعظم اپنے استاد کی نظر میں:

امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ محفل میں آتے تو نہایت خاموش بیٹھتے ،اپنے وقار اور آدابِ محفل کو ملحوظِ خاطر رکھتے۔ہم ان کی نشست و برخاست کو بھی علمی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے۔وہ آہستہ آہستہ مشکل سوالات کرنے لگے۔بعض اوقات مجھے ان کے حل کرنے میں دقت محسوس ہوتی اور مجھے خوف آتا کہ اگر ان کے استفسارات کا تسلی بخش جواب نہ ملا تو وہ مایوس نہ ہو جائیں۔پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے کوفہ کے لوگوں میں ان کی شناخت ایک فقیہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔

وہ بڑے ذہین اور جلدی سمجھنے والے طالب علم تھے۔مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ عالم اسلام کے اہل علم و فضل ان کے دسترخوانِ علم سے استفادہ کرنے آنے لگیں گے اور مجھے محسوس ہوا کہ نعمان ایک ایسا آفتاب ہے جو بطنِ گیتی کی

تاریکیوں کو چیرتا ہوا کائنات کو روشن کرے گا۔ (مناقب للموفق: ۸۷)

ایک حیران کن خواب:

آپ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول کر آپ کے جسمِ اقدس کی ہڈیاں اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ خوابوں کی تعبیر کے بہت بڑے عالم، جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا، ''اس خواب کا دیکھنے والا حضور ﷺ کی احادیث اور سنتوں کو دنیا میں پھیلائے گا اور ان سے ایسے مسائل بیان کرے گا جن کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا''۔

اس اشارہ غیبی سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی اور اس خواب کی تعبیر اس طرح عملی طور پر سامنے آئی کہ آپ نے سارے عالم اسلام کو احادیثِ نبوی کے معارف سے آگاہ فرمایا اور ایسے مسائل بیان کیے جن سے عقل حیران ہوئی۔ (الخیرات الحسان: ۹۳، مناقب للموفق: ۹۱)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شروع میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ فرما لیا تھا کہ دوسری بار پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ، آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،

''اے ابو حنیفہ! تیری زندگی احیائے سنت کے لیے ہے تو گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دے''۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ فرمانِ عالیشان سن کر آپ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ (کشف المحجوب: ۱۶۲)

تدریس کی ابتدا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں ہمیشہ نمایاں مقام حاصل

رہا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا حلقۂ درس علیحدہ قائم کریں۔ جس دن آپ نے حلقہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اسی رات کو آپ حضرت حماد رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ان کو اطلاع ملی کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گئے اور آپ کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔

اُن کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ ایسے مسائل پر فتوے دیے جن کے متعلق آپ نے استاد سے نہ سنا تھا۔ بعد میں آپ نے وہ جواب استاد کو دکھائے تو انھوں نے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور بیس مسائل میں اصلاح کی۔ اس وقت امام اعظم رحمہ اللہ نے قسم کھائی کہ جب تک زندگی ہے، امام حماد رحمہ اللہ کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے۔

(الخیرات الحسان: ۸۷)

جب آپ کے استاد امام حماد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو لوگوں نے ان کے بیٹے سے استدعا کی کہ وہ اپنے والد کی مسند پر تشریف لائیں مگر وہ اس عظیم ذمہ داری کے لئے راضی نہ ہوئے۔ آخر کار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ نے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ علم مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔ چنانچہ آپ اپنے استاد مکرم کی مسند پر بیٹھے۔ اہلِ علم کا ایک بڑا حلقہ آپ کے گرد جمع ہونے لگا۔

آپ نے اپنے شاگردوں کے لئے علم و فضل کے دروازے کھول دیے، محبت و شفقت کے دامن پھیلا دیے، احسان و کرم کی مثالیں قائم کر دیں اور اپنے شاگردوں کو اس طرح زیورِ علم سے آراستہ کیا کہ یہ لوگ مستقبل میں آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے رہیں۔ (مناقب للموفق: ۹۵)



باب دوم (2)

اخلاق وکردار:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ میانہ قد، خوبصورت، خوش گفتار اور شیریں لہجے والے تھے۔ آپ کی گفتگو فصیح و بلیغ اور واضح ہوتی۔

ابونعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''امامِ اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ اچھا، کپڑے اچھے، خوشبو اچھی اور مجلس اچھی ہوتی۔ آپ بہت کرم کرنے والے اور رفیقوں کے بڑے غم خوار تھے''۔

عمر بن حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''آپ خوبصورت اور خوش لباس تھے، کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے، جب سامنے سے آتے یا گھر سے نکلتے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی خوشبو پہنچ جاتی''۔ (خطیب بغدادی ج ۱۳: ۳۳۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غیبت کرنے سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے، وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو انکی نیکیوں کو ضائع کردے۔

شریک رحمہ اللہ نے کہا، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت خاموش طبع، بہت عقلمند اور ذہین، لوگوں سے کم بحث کرنے والے اور کم بولنے والے تھے۔

ضمرہ رحمہ اللہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ درست زبان تھے، انہوں نے کبھی کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا اور جب ان سے کہا گیا، لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرے۔

بکیر بن معروف رحمہ اللہ نے فرمایا، امتِ محمدی علیہ السلام میں کوئی شخص، میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۲)

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا،

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیاداروں سے دور رہتے اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور وفکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری کا پیکر تھے۔

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن و سنت میں اس کی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اور دین کی حفاظت کرتے اور راہِ خدا میں علم اور مال ودولت خوب خرچ کرتے۔ انکا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا، لالچ اور حرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور تھے، اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے''۔

یہ سن کر خلیفہ نے کہا،'' صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں''۔ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا، ان اوصاف کو یاد کرلو۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم:۷٦)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں،'' مجھے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت ملی، میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیرخواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اہلِ علم کو دل و جان سے چاہتے۔ آپ کے شب وروز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف تھے۔ سارا دن تعلیم وتدریس میں گزرتا۔ باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی راہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس وتدریس کی مجلس ہوتی اور باہر نکلتے تو مریضوں کی

عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولات زندگی بھر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (مناقب للموفق: ۴۰۰)

معانی بن عمران الموصلی رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔ پرہیز گاری، سچائی، فقہی مہارت، عوام کی خاطر مدارات اور سخاوت، پرخلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں سبقت، طویل خاموشی (فضول گفتگو سے پرہیز)، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی معاونت خواہ دشمن ہو یا دوست''۔ (ایضاً: ۲۲۴)

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں بیس سال تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا۔ اس مدت میں، میں نے انہیں خلوت اور جلوت میں ننگے سر اور پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک بار میں نے ان سے عرض کی۔ استاذِ محترم! اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ فرمایا، خلوت میں ادب ملحوظ رکھنا جلوت کے بہ نسبت بہتر اور زیادہ اولیٰ ہے۔ (حدائق الحنفیہ: ۷۲)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم و فضل کی دنیا میں فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ اپنے احباب کے لئے بے پناہ فکر مند رہتے، علمی حاجات پوری کرنے میں بڑی توجہ اور قابلیت سے حصہ لیتے، جسے پڑھاتے اس کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ غریب و مساکین شاگردوں کا خاص خیال کرتے۔ آپ بعض اوقات لوگوں کو اتنا دیتے کہ وہ خوشحال ہو جاتے۔ آپ کے پاس عقل و بصیرت کے خزانے تھے، اس کے باوجود آپ مناظروں سے اجتناب فرماتے۔ آپ لوگوں سے بہت کم گفتگو فرماتے اور ان سے مسائل میں الجھتے نہیں تھے بلکہ خاموشی اختیار کرتے۔ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حسنِ اخلاق کے بارے میں بے شمار واقعات کتب کثیرہ میں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس طرح علم و عمل میں بے مثل و بے مثال شان رکھتے ہیں اسی طرح حسن و اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی انکا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا"۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۶)

امامِ اعظم بحیثیت تاجر:

ریشمی کپڑے کے تاجر کو عربی میں الخزاز کہتے ہیں۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ریشمی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کی تجارت بہت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں کارندے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کے باوجود دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک آنہ بھی انکی آمدنی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل اور ماہر تاجر ہوئے۔

1۔ آپ کا نفس غنی تھا، لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہ ہوا۔

2۔ آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔

3۔ آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔

4۔ آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصافِ عالیہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا، اُسکی وجہ سے آپ تاجروں کے طبقہ میں انوکھے تاجر ہوئے اور بیشتر افراد نے آپکی تجارت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے، گویا آپ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں اور آپ ان طریقوں پر چل رہے ہیں جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ آپ مال خریدتے وقت بھی اسی طرح امانت داری کے طریقے پر عامل رہتے تھے جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم:۶۹)

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس ریشمی کپڑے کا تھان بیچنے کے لیے لائی۔ آپ نے اس سے دام پوچھے، اس نے ایک سو بتائے۔ آپ نے فرمایا، یہ کم ہیں، کپڑا زیادہ قیمتی ہے۔ اس عورت نے دو سو بتائے۔ آپ نے پھر کہا، یہ دام کم ہیں۔ اس نے پھر سو اور بڑھائے حتیٰ کہ چار سو تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا، یہ چار سو سے زیادہ کا ہے۔ وہ بولی، تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ آپ نے اسے پانچ سو دیکر وہ کپڑا خرید لیا۔ اس تقویٰ اور دیانت نے آپ کے کاروبار کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور چمکا دیا۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ آپ ان کی بھلائی کے لیے ان کی بہترین راہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب سے یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنے نفع میں سے بھی اس کو دے دیا کرتے۔

ایک بوڑھی عورت آپکے پاس آئی اور اس نے کہا، (میری زیادہ استطاعت نہیں، اس لیے) یہ کپڑا جتنے میں آپکو پڑا ہے اس دام پر میرے ہاتھ فروخت کردیں۔ آپ نے فرمایا، تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی، میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو (کیونکہ یہ قیمت بہت کم ہے)؟ آپ نے فرمایا،

''میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑے کو دونوں کی قیمتِ خرید سے چار درہم کم پر فروخت کر چکا ہوں، اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے، تم چار درہم میں اسے لے لو۔''

ایک مرتبہ آپ نے اپنے کاروباری شریک کو بیچنے کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ اس سے فرمایا، جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بھی بتا دینا۔ اس نے تھان فروخت کر دیے لیکن گاہک سے اس تھان کا عیب بیان کرنا بھول گئے۔ اور یہ بھی نہ یاد رہا کہ وہ عیب دار تھان کس گاہک کو فروخت کیا تھا۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان تمام تھانوں کی قیمت تیس ہزار درہم صدقہ کر دی اور اس شریک کو علیحدہ کر دیا۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۰)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر زندگی بسر کریں اور آپکے اقوال، افعال اور خصائل کی پیروی کریں، کیونکہ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ حضور ﷺ سے قربت اس لیے تھی کہ وہ مزاج شناسِ عاداتِ رسول ﷺ تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر عالم، فقیہ، متقی، پرہیز گار، عبادت گزار، سخی، جواد اور جاں نثار آپ ہی تھے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین میں سب سے زائد علم والے، سب سے زائد متقی، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ جواد تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ میں دوکانداری کرتے تھے، کپڑے کا کاروبار تھا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور ﷺ کی سنتوں کی معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی۔ اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ (مناقب للموفق: ۱۰۲)

سخاوت:

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وسیع تجارت کا مقصد محض دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب

کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا، سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ دست دیکھتے اسکی گھریلو ضروریات کی کفالت کرتے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جو مفلسی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے، آپ ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ ان میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ تجارت کے نفع کو سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثینِ کرام کی ضروریات مثلاً خوراک اور لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے۔ اور جو روپیہ نقد باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے فرماتے، میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ حضرات کے لیے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں''۔ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کثرت سے صدقہ دیا کرتے تھے، ان کو جو بھی نفع ہوتا وہ دے دیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس کثرت سے تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی۔ میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے کہا، اگر تم ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ کو بھیجے ہیں تو حیران رہ جاتے۔ امام اعظم نے محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ جس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۵)

امام مسعر رحمہ اللہ کہتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جب بھی اپنے لیے یا اپنے گھر والوں

کے لیے کپڑا یا میوہ خریدتے تو پہلے اسی مقدار میں کپڑا یا میوہ علماء و مشائخ کے لیے خریدتے"۔(ایضاً:۱۳۶)

شریک رحمہ اللہ نے کہا، جو شخص آپ سے پڑھتا تو آپ اس کو نان و نفقہ کی طرف سے بے نیاز کر دیا کرتے بلکہ اس کے گھر والوں پر بھی خرچ کرتے تھے اور جب وہ علم پڑھ لیتا تو اس سے فرماتے، "اب تم کو بہت بڑی دولت مل گئی ہے کیونکہ تم کو حلال و حرام کی پہچان ہو گئی ہے"۔(ایضاً:۱۳۷)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بیان کیا، "آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر والوں کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا نہیں دیکھا تو آپ فرماتے، اگر تم میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کو دیکھ لیتے تو ایسا نہ کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا ملال ہوتا تھا۔ آپ اس سے فرماتے، "شکر اللہ تعالیٰ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی تم کو دی ہے۔(ایضاً:۱۳۶)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، "امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اپنے اصحاب اور ہم نشینوں کی غم خواری اور ان کا اکرام کرنے والے تھے۔ اسی لیے آپ محتاجوں کا نکاح کرا دیتے اور تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ آپ ہر شخص کی طرف اسکے مرتبے کے مطابق خرچ بھیجتے تھے۔

ایک بار آپ نے ایک شخص کو اپنی مجلس میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو جب لوگ جانے لگے آپ نے اسے فرمایا، تم ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا، میرے جاء نماز کے نیچے جو کچھ ہے وہ لے لو اور اس سے اپنی حالت سنوارو۔ اس نے جاء نماز اٹھا کر دیکھا تو وہاں ہزار درہم تھے۔ اس نے عرض کی، میں دولتمند ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تو آپ نے فرمایا، تم نے یہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اثر

دیکھنا چاہتا ہے لہٰذا تم اپنی حالت بدلو، تاکہ تمہیں دیکھ کر کسی کو تمہارے محتاج ہونے کا شبہ نہ ہو، اور تمہارے دوست تمہاری خوشحالی سے خوش ہوں۔ (ایضاً:۱۳۳)

ایک مرتبہ آپ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص آتا دکھائی دیا جو آپکا مقروض تھا۔ اس نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور منہ چھپا کر دوسری طرف جانے لگا۔ آپ نے اسے دیکھ لیا اور نام لیکر اس کو پکارا وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے قریب پہنچ کر فرمایا، تم نے مجھے دیکھ کر راستہ کیوں بدلا؟ اس نے عرض کی، میں نے آپکا دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے، اس شرمندگی کی وجہ سے آپکا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آپ نے فرمایا، سبحان اللہ! میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا قرض معاف کر دیا، تم آئندہ مجھ سے منہ نہ چھپانا اور میری وجہ سے جو تمہیں ندامت اور پریشانی ہوئی اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

یہ روایت بیان کر کے شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ کا یہ حسنِ سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ سے بڑھ کر شاید ہی کوئی زاہد اور مروت کرنے والا ہو۔ (ایضاً:۱۳۶)

ایک بار حج کے سفر میں عبداللہ بن بکر سہمی رحمہ اللہ کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ انہیں امام صاحب کی خدمت میں لے آیا کہ یہ میری رقم ادا نہیں کر رہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے بدوی سے فرمایا، ''تم مجھے بتاؤ تمہارے کتنے درہم بنتے ہیں؟ اس نے کہا، چالیس درہم۔ آپ نے فرمایا، تعجب ہے کہ لوگوں کے دلوں سے مروت وحمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنی سی رقم پر جھگڑا۔ مجھے تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے پاس سے چالیس درہم اس بدوی کو ادا کر دیے۔ (مناقب للموفق:۲۷۲)

جب آپ کے صاحبزادے حماد رحمہ اللہ نے استاد سے سورہ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ان کے استاد کو ایک ہزار درہم نذرانہ پیش کیا۔ وہ کہنے لگے، حضور میں نے کون سا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادہ رقم کا نذرانہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا

آپ نے میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔ بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا"۔ (ایضاً: ۲۷۰)

وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ گرامی ہے، چار ہزار یا اس سے کچھ کم نفقہ ہے یعنی سال بھر کے لیے اتنا خرچ کافی ہے۔ اس ارشادِ گرامی کی وجہ سے چالیس سال سے میں کبھی چار ہزار درہم کا مالک نہیں ہوا۔ جب بھی میرے پاس چار ہزار درہم سے زائد مال آتا ہے، میں وہ زائد مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتا ہوں۔ اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میں لوگوں کا محتاج ہو جاؤں گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھتا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۴)

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و فراخدلی سے عوام اور علماء کرام کی خدمت کی، اسکی مثال نہیں ملتی۔ جو لوگ آپ کی مجلس میں یونہی چند لمحے ستانے کے لیے بیٹھ جاتے، وہ بھی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے۔ آپ ان سے بھی انکی ضروریات کے متعلق پوچھتے۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا کھلاتے، بیمار ہوتا تو علاج کے لیے رقم دیتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اسکی حاجت روائی کرتے۔ اگر کوئی زبان سے حاجت بیان نہ کرتا تو اسکے کہے بغیر فراستِ باطنی سے اسکا مدعا جان لیتے۔

اس حوالے سے ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے جسے علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مالدار شخص تھا۔ بڑا خوددار اور حیادار تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ غریب اور محتاج ہو گیا۔ وہ بازار جا کر مزدوری کرتا، مشقت اٹھاتا اور صبر کرتا۔ ایک دن اسکی بچی نے بازار میں ککڑی دیکھی۔ گھر آ کر ماں سے ککڑی لینے کے لیے پیسے مانگے مگر ماں اس کی خواہش پوری نہ کر سکی۔ گھر کا سامان پہلے ہی بک چکا تھا۔ بچی رونے لگی۔ اس شخص نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے امداد لینے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھا مگر شرم و حیا اور خودداری کے باعث اسکی زبان نہ کھل سکی۔

امامِ اعظم رحمہ اللہ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ اس شخص کو کوئی حاجت ہے۔ مگر حیا کے باعث یہ سوال نہیں کر رہا۔ جب وہ شخص اٹھ کر وہاں سے جانے لگا تو آپ نے ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اس شخص نے گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کہ میں شرم کے باعث اس بابرکت مجلس میں کچھ نہ مانگ سکا۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے واپس جا کر یہ سب احوال امام صاحب کے گوش گزار کر دیا۔

جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ پانچ ہزار درہم کی تھیلی لے کر اس شخص کے گھر پہنچ گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر فرمایا، ''میں تمہارے دروازے پر ایک چیز رکھے جا رہا ہوں اسے لے لو''۔ یہ فرما کر آپ واپس آ گئے۔ اسکے گھر والوں نے تھیلی کھولی تو اس میں پانچ ہزار درہم تھے اور ایک کاغذ کے پرزے پر یہ تحریر تھا، ''تمہارے دروازے پر ابوحنیفہ یہ تھوڑی سی رقم لے کر آیا تھا یہ اسکی حلال کی کمائی ہے اسے استعمال میں لاؤ اور واپس نہ کرنا''۔ (مناقب للموفق:۲۸۱)

امانت داری:

حکم بن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت بڑے امانت دار تھے۔ جب خلیفہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسکے خزانے کے متولی اور نگراں بن جائیں ورنہ وہ انہیں سزا دے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بجائے خلیفہ کی ایذارسانی کو قبول فرما لیا''۔ (الخیرات الحسان:۱۴۵)

کیونکہ اکثر بادشاہ اور حکام سرکاری خزانے کا بیجا استعمال کرتے ہیں اور آپ انکے اس ناجائز کام میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے تھے۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''خدا کی قسم! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے امانتدار تھے۔ انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی شان اور اسکا خوف جلوہ گر تھا۔ اور وہ اسکی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔'' (مناقب للموفق:۲۳۳)

عبدالعزیز صنعانی رحمہ اللہ جنہوں نے آپ سے فقہ پڑھی تھی، فرماتے ہیں، جب میں حج پر گیا تو اپنی ایک حسین کنیز امامِ اعظم رحمہ اللہ کے پاس بطورِ امانت چھوڑ گیا۔ ایک عرصہ بعد جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دریافت کیا، حضور! میری کنیز نے آپکی کیسی خدمت کی؟ آپ نے فرمایا، میں نے اس سے کبھی کوئی کام نہ لیا اور نہ ہی اسے آنکھ اٹھا کر دیکھا کیونکہ یہ آپکی امانت تھی۔ (ایضاً:۲۳۵)

ایک دیہاتی نے آپ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درہم بطورِ امانت رکھے مگر وہ فوت ہوگیا۔ اس نے کسی کو بتایا بھی نہ تھا کہ میں نے اس قدر رقم امامِ اعظم کے پاس بطور امانت رکھوائی ہے، اسکے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جب وہ بالغ ہوئے تو امامِ اعظم رحمہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور انکے والد کی ساری رقم لوٹا دی اور فرمایا، یہ تمہارے والد کی امانت تھی۔ آپ نے یہ امانت خفیہ طور پر لوٹائی تا کہ لوگوں کو اتنی بڑی رقم کا علم نہ ہو اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ (ایضاً:۲۳۷)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور امانت و دیانت کے باعث علماء اور عوام آپکی بے حد عزت کیا کرتے تھے جبکہ مخالفین و حاسدین حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور مختلف حربے استعمال کر کے آپ کے مقام و رتبے کو گھٹانے کی مذموم کوشش کرتے۔ ایک بار ایک شخص کے ذریعے آپکے پاس ایک تھیلی امانت رکھوائی گئی جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ حاسدوں کی بدگمانی یہ تھی کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ بعد یقیناً اس رقم کو کاروبار میں استعمال کرلیں گے اور اسی پر گرفت کی جائے گی۔

چنانچہ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ایک شخص نے کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فلاں شخص کا مال تجارت کے لیے اپنے بیٹے کو دے دیا ہے حالانکہ یہ مال امانت کے طور پر رکھوایا تھا۔ چنانچہ امام صاحب کو طلب کیا گیا اور بتایا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی امانت اپنے کاروبار میں

لگا دی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اسکی امانت جوں کی توں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو سرکاری نمائندہ بھیج کر تصدیق کر لیں۔ جب وہ لوگ آئے تو آپ کے مال خانے میں وہ امانت ویسی ہی موجود پائی جس پر سرکاری مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب کو ندامت ہوئی۔ (ایضاً: ۲۳۴)

انکے لیے ندامت اور حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی کثیر امانتیں جمع تھیں جو انکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ محمد بن الفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب امام اعظم کا وصال ہوا تو آپ کے پاس لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں جنہیں آپکے بیٹے حضرت حماد رحمہ اللہ نے لوگوں کو لوٹایا۔ (ایضاً: ۲۳۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ یہ وہ رقم ہے جو آپ کے وصال کے بعد موجود تھی جبکہ آخری عمر میں خلیفہ کی مخالفت کے باعث آپکے کے لیے جیل کی قید اور دیگر سزاؤں کا امکان بہت بڑھ چکا تھا۔ لہٰذا آپ کے تقویٰ اور بصیرت کے باعث یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ آپ نے اس زمانے میں ان امانتوں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی لیکن لوگوں کی امانتوں کا سلسلہ اس قدر وسیع تھا کہ اسے سمیٹتے سمیٹتے بھی پانچ کروڑ کی امانتیں بچ گئیں جو بعد میں آپکے فرزند نے ان لوگوں تک پہنچائیں۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کا ایک عظیم نظام قائم کیا ہوا تھا۔ دفتر، مال خانہ، ملازم، کھاتہ رجسٹر اور حساب کتاب کرنے والے حساب داں یقیناً اس نظام کا حصہ ہوں گے۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے اموال و رقوم کی حفاظت اور انکی اصل مالکوں کو واپسی یقینی بنانے کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کر کے سود سے پاک خالص اسلامی بینک کا واضح تصور پیش کر چکے ہیں۔

صبر و حلم:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ جلالتِ شان کے باوجود نہایت حلیم و بردبار اور متواضع انسان تھے۔ آپ عظیم قوتِ برداشت اور بے پناہ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے مناظرے کے دوران گستاخانہ گفتگو شروع کی اور آپکو بدعتی اور زندیق کہہ کر مخاطب کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے، وہ خوب جانتا ہے میرے بارے میں جو تم نے کہا وہ سچ نہیں ہے۔ میں تمہارے عقیدے سے اتفاق نہیں کرتا۔ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اسکے برابر کسی کو نہ جانا۔ میں اسکی بخشش کا امیدوار ہوں اور میں اسکے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

یہ کہتے ہوئے آپ رو پڑے اور روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے پھر ہوش آیا تو اس شخص نے کہا، مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا، "جس جاہل نے بھی میرے بارے میں کچھ کہا وہ معاف ہے اور جو علم کے باوجود مجھ میں عیب بتائے تو وہ قصوروار ہے۔ (الخیرات الحسان:۱۳۰)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ آپ بہت باوقار انسان تھے، جب گفتگو فرماتے تو کسی کے جواب کے لیے ہی فرماتے اور بیکار و لغو باتوں پر غور نہ کرتے اور نہ ہی ایسی باتیں سنتے۔ جب آپ کے پاس کوئی شخص آکر کہتا کہ فلاں نے ایسی بات کہی ہے تو آپ فرماتے، یہ بات چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ فلاں معاملہ میں کیا کہتے ہو۔ یہ کہہ کر اسکی بات منقطع فرماتے اور ارشاد فرماتے، ایسی باتیں کہنے سے بچو جنہیں لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ (ایضاً:۱۳۱)

ایک دفعہ آپ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، آپ نے مناسب جواب دیا۔ اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے، آپ نے فرمایا، حسن بصری رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں اجتہادی

غلطی ہوئی ہے۔ایک شخص کھڑا ہوا جس نے کپڑے سے منہ چھپایا ہوا تھا۔وہ کہنے لگا، ''اے زانیہ کے بیٹے، تم حسن بصری کو خطا کار اور غلط کہتے ہو''۔اس بیہودہ گوئی پر لوگ مشتعل ہو گئے اور اسے مارنا چاہا مگر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور سب کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔اور اس شخص سے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا، ''ہاں حسن بصری رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو حضور ﷺ سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے''۔(مناقب للموفق: ۲۹۸)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آپ سے بغض و عناد رکھتا تھا، آکر آپکی شان میں برے الفاظ کہنے لگا۔آپ نے توجہ نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے اور شاگردوں کو اس کی طرف توجہ کرنے سے منع فرمادیا۔جب آپ درس کے بعد گھر کی طرف چلے تو وہ شخص بھی گالیاں بکتا ہوا پیچھے پیچھے چلا۔آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اور وقار سے سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔وہ آپکے دروازے پر سر مارنے لگا اور بولا، تم مجھے کتا سمجھتے ہو کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امامِ اعظم رحمہ اللہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور اس گالیاں بکنے والے سے فرمایا، یہ میرے گھر کا دروازہ ہے اور میں اندر جانا چاہتا ہوں اسلیے تم جتنی گالیاں دینا چاہو دے لوتا کہ تمہیں کچھ حسرت باقی نہ رہے۔وہ شخص شرم سے سر جھکا کر بولا، آپکی برداشت کی انتہا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔(ایضاً: ۲۸۶)

بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، ''امامِ اعظم رضی اللہ عنہ مال میں سخاوت کرنے والے اور علم سکھانے میں صبر کرنیوالے تھے۔آپ بہت بردباری سے اپنے متعلق کیے جانے والے اعتراضات کو سنتے تھے اور غصہ سے کوسوں دور تھے''۔(الخیرات الحسان: ۱۱۹)

عبادت وریاضت:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تواتر سے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرتِ قیام کی وجہ سے آپ کو وتد یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔ آپ تیس سال تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پڑھی''۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۷)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا، ''یہ امام ابوحنیفہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں''۔ آپ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے فرمایا، سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لیے اس قسم کا چرچا کردیا، اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو، لہٰذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ خدا کی قسم! میرے بارے میں لوگ وہ بات نہیں کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ تمام رات عبادت ودعا اور آہ وزاری میں گزارنے لگے۔ (ایضاً: ۱۱۸)

مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں امامِ اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم سکھانے میں مشغول ہوگئے، یہانتک کہ آپ نے نمازِ ظہر ادا کی پھر لوگوں کو عصر تک علمِ دین سکھاتے رہے پھر عصر ادا فرمائی۔ اسی طرح عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ پھر عشاء پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ معمول دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب آپکی تدریسی مصروفیات اس قدر ہیں تو آپ نفل عبادات کیسے کرتے ہوں گے۔ چنانچہ میں ضرور آپ پر نگاہ رکھوں گا۔

جب لوگ عشاء پڑھ کر گھروں کو جا چکے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ گھر سے صاف ستھرا لباس پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ دولھا ہیں۔ آپ نفل نماز پڑھتے رہے یہانتک کہ صبح صادق طلوع ہوگئی۔ پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ جب کچھ دیر بعد واپس تشریف لائے تو لباس بدلا ہوا تھا۔ آپ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر حسبِ سابق وہی درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔ میں نے خیال کیا کہ آج رات یہ ضرور آرام کریں گے۔ مگر دوسری رات بھی وہی معمول دیکھا جو پہلی رات کا تھا۔ میں نے یہ گمان کیا اب تیسری رات تو ضرور آرام کریں گے مگر تیسری رات بھی وہی معمول دیکھا۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا لہٰذا میں نے مستقل انکی خدمت میں رہنے اور انکی شاگردی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

امام مسعر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امامِ اعظم رحمہ اللہ کو دن میں کبھی بغیر روزہ کے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی رات میں سوتے ہوئے پایا البتہ ظہر سے قبل آپ کچھ دیر آرام کرلیا کرتے تھے، آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مسعر بن کدام رحمہ اللہ بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ انکا وصال امامِ اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں ایسی حالت میں ہوا جب وہ سجدہ کی حالت میں اپنی جبینِ نیاز، بارگاہِ بے نیاز میں جھکا چکے تھے۔ (ایضاً:۱۱۹)

ابوحفص رحمہ اللہ نے بھی امامِ اعظم رحمہ اللہ کا یہ معمول بیان کیا ہے کہ آپ روزانہ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور پھر کچھ وقت گزار کر مسجد میں آتے اور اسی طرح رات بھر عبادت کرتے اور اذانِ فجر سے قبل گھر چلے جاتے اور پھر فجر کی نماز کے لیے دوبارہ آتے اور اس طرح عام لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ وہ ساری رات گھر میں رہے ہیں۔ (مناقب للموفق:۲۶۰) خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ نے فرمایا، قرآن مجید کو ایک

رکعت میں شروع سے ختم تک چار حضرات نے پڑھا ہے اور وہ ہیں، حضرت عثمانِ غنی، تمیم داری، سعید بن جبیر، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ۴۵)

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت کرنے سے متعلق اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں، ''آپ کا ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا اس حدیث کے منافی نہیں کہ ''جس نے قرآن کو تین رات سے کم میں ختم کیا وہ فقیہ نہ ہوا'' کیونکہ یہ اسکے لیے ہے جو صاحبِ کرامت نہ ہو، یاد کرنے میں اور آسانی میں اور وقت کی وسعت میں۔ اس لیے بہت سے صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں ختم کرتے تھے بلکہ بعض نے تو مغرب و عشاء کے درمیان چار مرتبہ ختم کیا اور یہ سب کرامت کے طور پر ہے اس لیے قابلِ اعتراض نہیں''۔ (الخیرات: ۱۲۴)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت ایک قرآن پاک نوافل میں ختم کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک قرآن صبح اور ایک قرآن عصر کے وقت ختم فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر رمضان کے دوران باسٹھ (۶۲) بار قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۲۴۹)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پچپن (۵۵) حج کیے۔ آخری حج میں کعبہ شریف کے مجاوروں سے اجازت لے کر کعبہ کے اندر چلے گئے اور وہاں آپ نے دو رکعت میں پورا قرآن اس طرح تلاوت کیا کہ پہلی رکعت میں دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پاؤں پر دباؤ نہیں دیا۔ اس حال میں نصف قرآن تلاوت کیا پھر دوسری رکعت میں بائیں پاؤں پر زور رکھا اگرچہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر تھا مگر اس پر وزن نہیں دیا۔ اس طرح آپ نے بقیہ نصف قرآن کی تلاوت مکمل کی۔

نماز کے بعد روتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، ''اے میرے رب! میں نے تجھے پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے لیکن میں تیری ایسی عبادت نہ کرسکا جیسا کہ

عبادت کا حق تھا، مولا تو میری خدمت کی کمی کو معرفت کے کمال کی وجہ سے بخش دے"۔ تو غیب سے آواز آئی، "اے ابو حنیفہ! تم نے ہماری معرفت حاصل کی اور خدمت میں خلوص کا مظاہرہ کیا اسلیے ہم نے تمہیں بخش دیا اور قیامت تک تمہارے مذہب پر چلنے والوں کو بھی بخش دیا"۔ سبحان اللہ! (الخیرات: ۱۲۲، شامی ج ۱: ۳۸)

خشیتِ الٰہی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں آپکے خوفِ خدا اور مراقبہ کے عنوان سے ایک باب تحریر کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں، "اسد بن عمرو رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز رات میں سنی جاتی تھی یہاںتک کہ آپ کے پڑوسی آپ پر ترس کھاتے۔ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بخدا آپ بہت دیانت دار تھے اور خدا کی جلالت اور کبریائی آپ کے قلب میں راسخ تھی۔ آپ اپنے رب کی خوشنودی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے اور چاہے تلواروں سے ان کے ٹکڑے کر دیے جاتے وہ اپنے رب کی رضا نہ چھوڑتے۔ آپ کا رب آپ سے ایسا راضی ہوا جیسے ابرار سے ہوتا ہے اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ واقعی ابرار میں سے تھے"۔ (صفحہ ۱۲۵)

یزید بن لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں، امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ امام نے نمازِ عشاء میں سورۃ زلزال تلاوت کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امامِ اعظم متفکر بیٹھے ہیں اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں۔ میں وہاں سے چلا آیا اور چراغ جس میں تیل کم ہی تھا، وہیں چھوڑ دیا کہ کہیں انکا دھیان نہ بٹے۔ صبح صادق کے وقت میں مسجد آیا تو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں، "اے وہ ذات جو ذرہ بھر برائی کے بدلے سزا دیتا ہے، اگر نعمان کی جزا تیرے پاس جہنم یا اس سے قریب ہے تو اسے تو اپنی رحمت میں داخل فرما"۔ راوی کہتے ہیں، جب میں پہنچا تو چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، کیا چراغ لینے آئے ہو؟

میں نے عرض کی، حضور! فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا، جو تم نے دیکھا اسے چھپانا۔ پھر آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ (ایضاً:۱۲۶)

ابوالاحوص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اگر امام اعظم رحمہ اللہ سے یہ کہا جاتا کہ آپ تین دن تک انتقال کر جائیں گے تو بھی آپ اپنے معمول کے اعمال سے کچھ زیادہ نیکی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اسقدر نیکیاں کرتے تھے کہ اس میں اضافہ ممکن ہی نہ تھا''۔ (ایضاً:۱۲۷)

امام ابو یحییٰ نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ساری رات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے دیکھا۔ میں دیکھتا کہ آپ کے آنسو مصلے پر بارش کے قطروں کی طرح ٹپک رہے ہیں۔ (مناقب للموفق:۲۵۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، ''اگر لوگ اپنے معاملات میں درست رہتے تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی خوف نہیں کہ میں اپنے کسی فتویٰ کی وجہ سے کہیں دوزخ میں نہ چلا جاؤں۔ اسلیے میں فتویٰ دینے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہوں''۔ (ایضاً:۲۲۱)

ایک روز امام اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے کہ لاعلمی میں آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا۔ اس لڑکے نے کہا، اے شیخ! کیا تم قیامت کے روز خدا کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو مسعر بن کدام رحمہ اللہ نے عرض کی، اس لڑکے کی بات نے آپکے دل پر اتنا عظیم اثر کیا؟ آپ نے فرمایا، ''کیا عجب کہ اسکی آواز غیبی ہدایت ہو''۔ (الخیرات الحسان:۱۲۸)

آپکے دل میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اس شخص نے کہا، خدا سے ڈرو۔ یہ سننا تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ زرد پڑ گیا، سر جھکا لیا اور فرمایا، خدا تمہیں جزا دے، ہر وقت لوگوں کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی انہیں خدا کی یاد دلائے۔ (سوانح امام اعظم:۲۲۲)

ایک روز امام نے فجر کی نماز میں یہ آیت پڑھی جسکا ترجمہ یہ ہے، ''اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے'' (ابراہیم:۴۱) تو آپ لرز گئے اور کپکپی طاری ہوگئی۔ آپ کی اس کیفیت کو لوگوں نے محسوس کرلیا۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فرماتے، یہ مشکل میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرتے اور استغفار کرتے تو مسئلہ حل ہوجاتا۔ آپ فرماتے، مجھے خوشی ہوئی کیونکہ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا۔ اس بات کی اطلاع حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو ہوئی تو بہت روئے اور فرمایا، ''اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے، یہ بصیرت انکے گناہوں کی کمی کی وجہ سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کو یہ بیداری حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ گناہوں میں مستغرق ہوتے ہیں''۔ (الخیرات الحسان:۱۲۸)

فضیل بن دکین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے تابعین وغیرہ کی ایک جماعت کو دیکھا تو کسی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے نہ پایا۔ آپ نماز شروع کرنے سے پہلے روپڑتے اور دعا فرماتے تو دیکھنے والا کہتا، واقعی خدا سے ڈرنے والے یہی ہیں''۔

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ اپنی طویل گفتگو کے اختتام پر فرماتے ہیں، ''رات کو جب آپ نماز ادا فرماتے تو چٹائی پر آپکے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اسطرح آتی جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ رونے کا اثر آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر نظر آتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان سے راضی ہو''۔ (ایضاً:۱۲۹)

زہد وتقویٰ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زائد متقی کسی کو نہ دیکھا۔ تم ایسے شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کے سامنے کثیر مال پیش کیا

گیا اور اس نے اس مال کو ننگا، اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ اس پر اسے کوڑوں سے مارا گیا مگر اس نے صبر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مصائب کو برداشت کیا مگر مال و متاع قبول نہ کیا بلکہ دوسروں کی طرح (جاہ و مالِ دنیا کی) کبھی تمنا اور آرزو بھی نہ کی حالانکہ لوگ ان چیزوں کے لیے سو سو جتن اور حیلے کرتے ہیں۔ بخدا آپ ان تمام علماء کے برعکس تھے جنہیں ہم مال و انعام کے لیے دوڑتا دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور دنیا ان سے بھاگتی ہے۔ جبکہ امامِ اعظم رحمہ اللہ وہ تھے کہ دنیا انکے پیچھے آتی تھی اور آپ اس سے دور بھاگتے تھے"۔ (مناقب للموفق: ۲۲۸)

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا، میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ متقی کوئی نہ دیکھا۔

حسن بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں، آپ سخت پرہیز گار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے۔ میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو، وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔ آپ کو زبان کی حفاظت کا اس قدر شدید احساس تھا کہ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کریں گے۔ چنانچہ ایک بار قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کیا پھر عہد کیا کہ اگر اب قسم کھائی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۰)

آپکے کاروباری شریک حفص رحمہ اللہ کہتے ہیں،

میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ تیس سال تک رہا لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپکے دل میں ہو۔ جب آپکو کسی چیز کے بارے

میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اسکو نکال دیتے تھے اگرچہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔ (ایضاً:۱۴۱)

اسکی مثال وہ واقعہ ہے کہ آپکے ایک کاروباری شریک نے کپڑے کا عیب ظاہر کیے بغیر اسے بیچ دیا تو آپ نے اس دن کی ساری کمائی تیس ہزار درہم خیرات کردی۔ یہ واقعہ ''امام اعظم بحیثیت تاجر'' کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

کسی نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ کو دنیا کا مال واسباب پیش کیا جاتا ہے مگر آپ اسے قبول نہیں فرماتے حالانکہ آپ ایماندار ہیں اور یہ آپکا حق ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ انکا خود کفیل ہے۔ میرا ذاتی خرچ دو درہم ماہانہ ہے، تو میں اپنی ضرورت سے بڑھ کر کیوں جمع کروں۔ (مناقب للموفق:۲۲۸)

جب آپ کو بغداد میں قید کر دیا گیا تو اپنے بیٹے حماد رحمہ اللہ کو پیغام بھیجا، اے میرے بیٹے! میرا خرچ دو درہم ماہانہ ہے کبھی ستو کے لیے اور کبھی روٹی کے لیے۔ اور اب میں یہاں قید میں ہوں تو جلد خرچ بھیج دو۔ یہ تقویٰ تھا کہ جیل میں بھی حکومت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ (ایضاً:۲۱۲)

شقیق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہم ایک دن امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے ایک سانپ آپ کے سر پر لٹکتا دکھائی دیا۔ سانپ دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، سانپ سانپ کہہ کر سب بھاگے۔ مگر امامِ اعظم رحمہ اللہ نہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نظر آئے۔ ادھر سانپ سیدھا امامِ اعظم رحمہ اللہ کی گود میں آ گرا۔ آپ نے ہاتھ سے جھٹک کر اسے ایک طرف پھینک دیا مگر خود اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور پختہ اعتماد ہے۔ (ایضاً:۲۸۴)

بکیر بن معروف رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ایک دن امامِ اعظم رحمہ اللہ سے عرض کی، حضور میں نے آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا، آپکے مخالفین آپ کا گلہ کرتے ہیں، آپ کی غیبت کرتے ہیں مگر آپ جب بھی کسی کا ذکر کرتے ہیں تو اسکی خوبیاں ہی بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے کبھی کسی کے عیب تلاش نہیں کیے اور کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔ (ایضاً:۲۱۳)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بے مثال تقویٰ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہوگئیں تو آپ نے دریافت کیا، بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے بتایا، سات سال، تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے)۔

انہی دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔ (الخیرات الحسان:۱۴۳)

کسی نے یزید بن ہارون رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ انسان فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقام کو پہنچ جائے۔ راوی کہتے ہیں، میں نے یہ سن کر کہا، ابوخالد آپ بھی ایسا کہتے ہیں؟ (یزید بن ہارون رحمہ اللہ پہلے امامِ اعظم رحمہ اللہ کے علم و فضل کے قائل نہیں تھے اس لیے انہیں حیرانی ہوئی) آپ نے فرمایا، میرے پاس اس سے بڑھ کر الفاظ نہیں ورنہ انکا مقام تو اس سے بھی بلند ہے۔

دنیائے اسلام میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسا فقیہ ہے نہ متقی۔ میں نے انکو ایک دن تیز دھوپ میں ایک شخص کے مکان کے پاس کھڑے دیکھا۔ میں نے عرض کی، آپ اس دیوار کے سائے میں آ جائیں۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ گھر والا میرا مقروض ہے،

میں نے اس سے کچھ درہم لینے ہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ اسکے گھر کے سائے میں بیٹھوں۔ اس سے بڑھ کر احتیاط اور تقویٰ کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؒ نے فرمایا، میں نے اس گھر والے سے قرض واپس لینا ہے، اگر میں اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہو کر فائدہ اٹھاؤں تو یہ ایک قسم کا سود ہے۔ یہ فتویٰ عوام کے لیے نہیں ہے لیکن عالم کو اس سے زیادہ عمل کرنا چاہیے جس نیکی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا ہے۔ (ایضاً: ۱۴۴، مناقب للموفق: ۲۰۵)

امام رازی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کہیں جارہے تھے راستہ میں اتفاقاً آپکی جوتی کو کچھ نجاست لگ گئی۔ آپ نے نجاست دور کرنے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست اڑ کر ایک مکان کی دیوار سے لگ گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر نجاست یونہی چھوڑ دی جائے تو اسکی دیوار خراب ہوتی ہے اور اگر اسے کرید کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اس سے مالکِ مکان کو نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا، صاحبِ خانہ باہر آیا۔ اتفاق سے وہ شخص مجوسی تھا اور آپکا مقروض تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ آپ قرض واپس لینے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، قرض کو چھوڑو میں تو اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کیسے صاف کروں۔ پھر سارا واقعہ بتا دیا۔ وہ مجوسی آپ کا تقویٰ اور کمالِ احتیاط دیکھ کر بے ساختہ بولا، آپ دیوار بعد میں صاف کیجیے گا، پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل صاف کر دیں، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر کبیر زیرِ آیت مالکِ یوم الدین)

حق گوئی:

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں پچیسویں فصل کا عنوان یہ تحریر کیا ہے، ''اپنی کمائی سے کھانا اور عطیات کا رد کرنا''۔ وہ اسکے تحت لکھتے ہیں، ''خدا کی قسم! امامِ اعظم رحمہ اللہ نے کبھی کسی خلیفہ یا امیر کا کوئی تحفہ یا انعام قبول نہیں کیا''۔

ایک بار عباسی خلیفہ نے دو سو دینار کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ "ان پر میرا کوئی حق نہیں"۔ ایک مرتبہ امیر المومنین نے ایک خوبصورت لونڈی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا، "میں اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں اس لیے مجھے کنیز کی حاجت نہیں"۔ (مناقب للموفق ص ۲۲۷)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ امراء اور حکام کے تحائف اور نذرانوں کے اس لیے مخالف تھے کہ جو کسی کا احسان مند ہو جاتا ہے وہ اسکے خلاف حق بات کہنے سے رک جاتا ہے بقول شخصے، "جو کسی کا کھاتا ہے وہ اس سے شرماتا ہے"۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ حق گوئی و بیباکی کے علمبردار تھے اس لئے آپ نے کبھی کسی دنیادار کا تحفہ یا نذرانہ قبول نہ فرمایا۔

بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ابن ھبیرہ کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے ایک بار اپنے اور خوارج کے مابین ایک دستاویز لکھنے کے لئے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ سے کہا۔ دونوں نے ایک ماہ کا وقت لیکر مضمون لکھا جو اسے پسند نہ آیا۔ انکے بتانے پر ابن ھبیرہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بلوایا اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ نے اسی وقت مضمون لکھوادیا جو گورنر اور علماء سب کو پسند آیا۔ (ایضاً:۳۱۲)

گورنر نے درخواست کی کہ "حضور! کبھی کبھی ہمارے پاس آیا کریں تو ہمیں فائدہ ہو"۔ آپ نے بیباکی سے فرمایا، "میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ تم مہربانی سے پیش آؤ گے تو تمہارے دام میں آجاؤں گا اور اگر ناراض ہوئے اور مجھے قرب کے بعد دور کر دیا تو اس میں میری ذلت ہے۔ نیز تمہارے پاس جو مال ہے اسکی مجھے حاجت نہیں اور جو دولت (علم) میرے پاس ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا"۔

ابن ھبیرہ نے کئی مشہور علماء کو حکومتی عہدے دیئے تو امامِ اعظم رحمہ اللہ کو بلا کر بیت المال کی نظامت کا منصب پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ اس پر گورنر غضبناک ہو گیا اور اس نے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ آپ نے کوڑوں کی سزا برداشت کر لی مگر یہ منصب قبول

نہ کیا۔ پھر گورنر نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا، "خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی حکومت میں شریک نہیں کروں گا"۔

گورنر نے غصہ میں قسم کھائی، اگر عہدۂ قضا کو بھی امام ابوحنیفہ نے قبول نہ کیا تو انکے سر پر تیس کوڑے مارے جائیں گے اور جیل میں ڈال دوں گا۔ آپ نے فرمایا، "کوڑے تو ہلکی سزا ہے اگر وہ مجھے قتل بھی کر دے تو میں یہ عہدہ قبول نہ کروں گا"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ "اگر گورنر مجھے مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں گورنر کے حکم سے یہ کام بھی نہیں کروں گا اور گورنر یہ حکم دے کہ فلاں کی گردن اڑا دو، فلاں کو قید کر دو تو میں بے گناہوں کی سزاؤں پر مہریں کیوں لگاؤں؟"۔ یہ جواب سن کر گورنر آگ بگولہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے حکم سے آپکو کوڑے مارے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا۔

ایک رات ابن ھبیرہ کو خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم میرے امتی کو بلاوجہ سزا دے رہے ہو، شرم کرو۔ اس دن ابن ھبیرہ نے آپ کو جیل سے رہا کر دیا۔ آپ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔ جب بنوامیہ کی حکومت ختم ہو گئی تو عباسی حکومت کے دور میں آپ کوفہ واپس آ گئے۔ (ایضاً: ۳۱۵)

ایک بار عباسی خلیفہ منصور اور اسکی بیوی میں اختلاف ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا، کسی کو منصف بنا لو۔ اس نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور خلیفہ کی بیوی پردے کے پیچھے بیٹھی تا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ خود سنے۔ منصور نے آپ سے پوچھا، کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، چار عورتوں سے۔ منصور نے اپنی بیوی سے کہا، غور سے سن لو۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے کہا، امیر المومنین! چار بیویوں کی اجازت اس کے لیے ہے جو اُن میں عدل کر سکے، ورنہ ایک نکاح کا حکم ہے۔ یہ سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔

جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے آئے تو کچھ دیر میں ایک خادم پچاس ہزار

درہم اور دیگر تحائف لیے ہوئے، آیا کہ خلیفہ کی بیوی نے بھجوائے ہیں۔ آپ نے اس خادم سے کہا، یہ سب واپس لے جاؤ اور اپنی مالکہ سے کہو کہ میں نے جو کچھ کہا محض رضائے الٰہی کے لیے کہا، یہ میرا دینی فرض تھا"۔ (ایضاً: ۲۲۷)

عباسی خلیفہ منصور نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بغداد بلا کر چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کا حکم دیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔ اس پر امامِ اعظم رحمہ اللہ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ خلیفہ کے وزیر نے کہا، آپ امیر المومنین کی قسم پر قسم کھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کیونکہ امیر المومنین مجھ سے زیادہ آسانی سے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں۔ خلیفہ کے دربار میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کا منصب قبول کرنے پر بڑی بحث ہوئی۔ امامِ اعظم رحمہ اللہ نے یہ تک فرما دیا، تم تو ایسے شخص کو قریب لایا کرتے ہو جو تمہاری ہاں میں ہاں ملائے اور ہر حال میں تمہاری تکریم کرے اور میں اس کام کے لیے بالکل موزوں نہیں۔ (تبییض الصحیفہ: ۳۷)

جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو آپ نے خلیفہ سے کہا، بات یہ ہے کہ میں اس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ خلیفہ نے کہا، آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ یقیناً اسکی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے استغناء اور بے نیازی کے ساتھ جواب دیا، "اب تم خود اپنے دل سے فیصلہ کر لو کہ ایک جھوٹا شخص چیف جسٹس کیونکر مقرر کیا جا سکتا ہے"۔ یہ سن کر خلیفہ منصور لاجواب ہو گیا اور اس نے آپکو کوڑے لگوائے۔ (مناقب للموفق: ۴۳۱)

بنو امیہ کے دور میں کوفہ کا گورنر خالد بن عبداللہ جمعہ کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھا تو تقریر میں ایسا مگن ہوا کہ ظہر کا آخری وقت آ گیا اور عصر کا وقت نہایت قریب ہو گیا۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے گورنر کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے کہا، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ نماز تو

پڑھ لی گئی مگر اس گستاخی پر آپکو گرفتار کرلیا گیا۔ گورنر نے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا، نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، اللہ کی کتاب اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا آپ پر زیادہ حق ہے۔ اگر آپ ہی اسے پامال کرتے رہے تو عوام کا کیا بنے گا۔ (ایضاً:۱۳۱)

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

والدین سے حسنِ سلوک:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے والد گرامی آپکے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے جبکہ آپکی والدہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔ آپ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے اور انکی خوب خدمت کرتے۔ آپکی والدہ شکی مزاج تھیں اور عام عورتوں کی طرح انہیں بھی واعظوں اور قصہ گوئی کرنے والے خطیبوں سے عقیدت تھی۔

کوفہ کے مشہور واعظ عمرو بن ذر اور قاضی زرعہ پر انہیں زیادہ یقین تھا اسلیے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امام اعظم رحمہ اللہ کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ارشاد کی تعمیل کے لیے انکے پاس جاتے۔

وہ بیچارے سراپا عذر بن کر عرض کرتے، حضور! آپ کے سامنے میں کیسے زبان کھول سکتا ہوں۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو کوئی مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امام اعظم رحمہ اللہ سے درخواست کرتے، ''آپ مجھ کو جواب بتا دیں تاکہ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں''۔ آپ جواب دیتے تو وہ اسے آپکے سامنے دہرا دیتے اور پھر وہی جواب امام اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو آکر بتا دیتے۔ (الخیرات الحسان:۱۹۶)

آپکی والدہ کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی چنانچہ وہ خچر پر سوار ہوتیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ جاتے حالانکہ آپ کا گھر وہاں سے کئی میل تھا۔ وہ خود مسئلہ بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب اطمینان

ہوتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک دن میں نے دیکھا کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو خچر پر بٹھائے عمرو بن ذر کے پاس جا رہے تھے تاکہ آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کر سکیں۔ آپ اپنی والدہ کی خواہش پر لے جا رہے تھے ورنہ آپکو معلوم تھا کہ عمرو بن ذر کا کیا مقام ہے۔ یہ سب اپنی والدہ کی خواہش کے احترام کے پیشِ نظر تھا۔ (مناقب للموفق: ۲۹۳)

ایک بار آپکی والدہ نے آپ سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فتویٰ تحریر فرما دیا۔ وہ بولیں، میں تو وہی فتویٰ قبول کروں گی جو زرعہ لکھیں گے۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ کی دلجوئی کے لیے زرعہ کے پاس گئے اور فرمایا، میری والدہ آپ سے یہ فتویٰ پوچھتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا، آپ زیادہ بڑے فقیہ ہیں آپ فتویٰ دیجئے۔ آپ نے فرمایا، میں نے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن وہ آپ سے تصدیق چاہتی ہیں تو زرعہ نے لکھ کر کہا، فتویٰ وہی صحیح ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ اس تحریر سے وہ مطمئن ہو گئیں۔ (ایضاً)

جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو عباسی خلیفہ نے چیف جسٹس مقرر کرنا چاہا تو آپ نے انکار کیا۔ اس پر آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جلاد روزانہ جیل سے نکال کر آپکو لوگوں کے سامنے کوڑے مارتے اور کہتے کہ چیف جسٹس کا منصب قبول کر لیں مگر آپ انکار کرتے۔ ایک دن کوڑے کھاتے کھاتے رو پڑے۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، میں اپنی تکلیف کی وجہ سے نہیں رویا مجھے اپنی والدہ یاد آ گئیں کہ وہ میری جدائی میں کس قدر مغموم ہونگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب میری والدہ میرے خون آلود چہرے کو دیکھیں گی تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ (ایضاً)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب مجھے کوڑے لگائے جاتے تھے تو میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں، ابوحنیفہ! تجھے علم نے اس قوتِ برداشت تک پہنچا دیا ہے۔ تم اس علم کو چھوڑ دو اور عام دنیا والوں کی طرح کام کرتے جاؤ۔ میں نے کہا، امی جان! اگر میں علم

چھوڑ دوں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کروں گا"۔

آپ فرماتے تھے، میں اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے ہر جمعہ کے دن بیس درہم خیرات کرتا ہوں، اور اس بات کی میں نے منت مانی ہوئی ہے۔ دس درہم والد اور دس درہم والدہ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ ان مقررہ درہموں کے علاوہ آپ اپنے والدین کے لیے فقراء و مساکین میں اور بھی چیزیں صدقہ کرتے تھے۔ (ایضاً:۲۹۴)

پڑوسیوں سے حسنِ سلوک:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا، جو دن میں محنت مزدوری کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب لیکر آتا۔ گوشت بھون کر کھاتا اور شراب پیتا۔ جب شراب کے نشے میں دھت ہو جاتا تو خوب غل مچاتا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھتا رہتا، ترجمہ: "لوگوں نے مجھ کو ضائع کر دیا اور کتنے بڑے باکمال نو جوان کو کھو دیا جو لڑائی اور صف بندی کے دن کام آتا"۔

امام صاحب روزانہ اسکی آواز سنا کرتے اور خود تمام رات عبادت میں مشغول رہتے۔ ایک رات آپ نے اسکی آواز نہ سنی تو صبح لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ اسے کل رات سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے اور وہ قید میں ہے۔ امام صاحب نمازِ فجر کے بعد گورنر کے پاس پہنچے۔ گورنر نے بڑے ادب سے عرض کی، حضور آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا، میرے پڑوسی کو کل رات آپ کے سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے، اسے چھوڑ دیجئے۔ گورنر نے حکم دیا، وہ قیدی اور اسکے ساتھ کے تمام قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ پھر قیدیوں سے کہا، تم سب کو امام ابوحنیفہ کی وجہ سے رہائی مل رہی ہے۔

امامِ اعظم رحمہ اللہ نے اپنے پڑوسی نوجوان سے فرمایا، "ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا"۔ آپ کا اشارہ اسکے شعر کی طرف تھا، اس نے عرض کی، نہیں بلکہ آپ نے میری حفاظت فرمائی اور میری سفارش کی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، آپ نے ہمسایہ کے حق

کی رعایت فرمائی ، پھر اس نے توبہ کرلی اور نیک بن گیا۔(تبییض الصحیفہ :۳۹)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک اور رواداری میں بے مثال تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ آپ سے سب لوگوں کو نفع ہو۔ آپ ایک بار کوفہ کے گورنر کے پاس تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کو گورنر قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اس شخص نے دیکھا کہ گورنر نے امام صاحب رحمہ اللہ کی بڑی عزت کی ہے تو کہنے لگا، یہ صاحب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ گورنر نے پوچھا، کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟ اگرچہ آپ اسے نہیں جانتے تھے مگر آپ نے فرمایا، یہ تو وہی ہے جو اذان دیتے ہوئے آواز کھینچ کر کہتا ہے لاالہ الااللہ۔ اس نے عرض کی، جی میں وہی ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا مجھے اذان تو سناؤ تاکہ میں تمہاری آواز پہچان لوں۔ اس نے پوری اذان سنائی۔ تو امامِ اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ اچھا آدمی ہے اسے چھوڑ دو۔ گورنر نے اسے رہا کردیا۔

اس واقعہ سے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بے پناہ ذہانت واضح ہوتی ہے۔ آپ نے اذان اس لیے سنی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی شہادت کی گواہی دے۔ اور یوں آپ نے اس شہادت کی برکت اور اپنی ذہانت سے ایک بے گناہ کو قتل سے بچالیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے متعلق علامہ موفق رحمہ اللہ نے چند اشعار تحریر کیے ہیں جن میں سے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے، "امامِ اعظم رحمہ اللہ کا ہمسایہ ہمیشہ خوشحال رہتا ہے کیونکہ آپ ہمسائے کے حقوق اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔ آپ اپنے احسان و کرم کے لیے کسی خاص ہمسائے سے ہی حسنِ سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ہمسایہ آپکے سایۂ کرم میں رہتا تھا"۔(مناقب :۲۴۴)

اساتذہ کا ادب:

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، جب سے میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کا وصال

ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد انکے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے کبھی انکے گھر کی طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلائے حالانکہ میرے اور انکے گھر کے درمیان کئی گلیاں ہیں۔(الخیرات الحسان:۱۹۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں اپنے استاد حماد رحمہ اللہ اور اپنے والد رحمہ اللہ کے لیے اِستغفار کرتا ہوں، بلکہ میں اپنے ہر استاد کے لیے اِستغفار کرتا ہوں جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا۔اسی طرح اپنے ہر شاگرد کے لیے بھی اِستغفار کرتا ہوں۔(مناقب للموفق:۲۹۵)

علامہ موفق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امامِ اعظم رحمہ اللہ جب کسی کے لیے دعا کرتے تو حضرت حماد رحمہ اللہ کا نام سب سے پہلے لیتے۔آپ فرمایا کرتے تھے، والدین بچے کو جنم دیتے ہیں مگر استاد اسے علم وفضل کے خزانے دیتا ہے''۔(ایضاً:۲۹۶)

یہ آپ کے حسنِ تربیت کا نتیجہ تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں اپنے والدین سے پہلے اپنے استاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے لیے ہر نماز کے بعد اِستغفار کرنا واجب جانتا ہوں کیونکہ حضرت امامِ اعظم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاد کے لیے بھی بلاناغہ اِستغفار کرتا ہوں۔(ایضاً)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔ آپ اپنے اساتذہ کرام کا محبت وعقیدت سے ذکر فرماتے اور اکثر کی خدمت میں ہدیے اور تحائف بھیجتے۔آپکے اساتذہ اور شیوخ بھی آپ سے بہت محبت فرماتے۔ آپ کو اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے خاص محبت تھی۔آپ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوحنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو

امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا۔ "ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی وروحانی علوم کے ذخائر ہیں"۔ (ایضاً:۱۹۴)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "ان کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے"۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم:۱۹۵)

امام اعظم رحمہ اللہ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ امام اعظم نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا تھا مگر سمجھ گئے کہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تعظیم کے لیے آگے بڑھے اور عرض کی، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آ رہے ہیں تو میں پہلے ہی سے استقبال کے لیے کھڑا رہتا۔ اب جب تک آپ تشریف فرما رہیں گے میں تعظیماً کھڑا رہوں گا۔ آپ نے فرمایا، "بیٹھ جایئے اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیجیے"۔ اس خاص تعظیم کی وجہ محبتِ اہلبیت تھی۔ (مناقب للموفق:۳۶۵)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ ایک بار جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی دربار میں بلوالیا تاکہ سوال و جواب کی صورت میں علمی گفتگو کے ذریعے خلیفہ کی اصلاح کی جائے۔ آپ نے 40 سوالات کیے جن کے مدلل جوابات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔ (ایضاً:۱۴۳)

آپ نے طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے، "اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا"۔
(مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم:۴۱)



باب سوم(3)

امام اعظم کی عقل وذہانت:

عقل ودانائی اورذہانت وتدبیرامام اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن کا موافق ومخالف سبھی نے اقرار کیا ہے۔مجددِ دین وملت،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ،امام ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں،

امام علی بن عاصم رحمہ اللہ کا قول ہے،اگرروئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کوتولا جائے توامام اعظم کی عقل ہی وزنی نکلے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا،کسی عورت نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہ جنا۔

بکر بن حبیش رحمہ اللہ نے فرمایا،اگرامام اعظم رضی اللہ عنہ اورانکے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے توامام اعظم کا پلہ بھاری رہے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج۱:۱۲۳،مطبوعہ لاہور)

سیدناامام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب''مناقب الامام''اورامام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب''الخیرات الحسان''سے پیشِ خدمت ہیں:-

01۔پانی گرایاتوطلاق:

ایک شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوگیا۔اس کی بیوی پانی کا پیالہ اٹھائے آرہی تھی،اس شخص نے کہا کہ اگرتم نے اس پیالے سے پانی پیا توتجھے تین طلاق،اگراسے زمین پر گرایاتوتجھے تین طلاق،اوراگراسے کسی اورکوپینے کے لیے دیاتوبھی تجھے تین طلاق۔ جب غصہ رفوہواتوخوب پچھتایااورعلماء کے پاس دوڑا۔علماء نے اس مسئلہ کوحل کرنے کی کوشش کی،مگرکوئی جواب نہ بن پڑا۔آخرکارامام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضرہوا۔آپ نے فرمایا،اس پیالہ میں کپڑاڈال کربھگولو،اس طرح تمہاری شرط

بھی پوری ہو جائے گی اور عورت طلاق سے بچ جائے گی۔

02۔ روشندان ناجائز اور دیوار توڑنا؟

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں اپنے ہمسائے کے گھر کی طرف روشندان کھولنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، روشندان کھول لو۔ روشندان کھل گیا تو اس کا ہمسایہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس لے گیا، قاضی نے کہا، تم بند کردو، اسے روشندان کھولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ وہ شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا، کوئی بات نہیں۔ اب جس دیوار پر روشندان ہے اس کو توڑ دو، اس کی قیمت میں ادا کردوں گا۔ وہ دیوار اس کی تھی اس لیے وہ اسے توڑنے لگا۔ اسے حق پہنچتا تھا کہ اپنی دیوار توڑ دے اور کوئی دوسرا اسے روک نہیں سکتا تھا۔ اب اس کا مخالف ہمسایہ دوڑا دوڑا قاضی کے پاس پہنچا اور واقعہ بیان کیا۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا، دیوار اس کی ہے وہ اپنی دیوار توڑنے اور مرمت کرنے کا حق رکھتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس شخص نے کہا، آپ نے تو پہلے دریچہ کھولنے سے روکا تھا جو ایک معمولی بات تھی، مگر پوری دیوار توڑنے پر آپ اسے جائز قرار دے رہے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، بات یہ ہے کہ تمہارا ہمسایہ اس شخص کے پاس جاتا ہے جو میرے فیصلوں کو غلط ثابت کرنے میں کمال رکھتا ہے۔ یہاں ابن ابی لیلیٰ نے نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کی علمی برتری کا اعتراف کیا بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا۔

03۔ رافضی اور یہودی کا رشتہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شہر کوفہ میں ایک رافضی رئیس تھا۔ بڑا مال و دولت رکھتا تھا، مگر وہ اپنی مجالس میں برملا کہتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہودی تھے (معاذ اللہ)۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے، وہ امام صاحب کے علمی اور معاشرتی مقام سے واقف تھا۔ باتوں باتوں میں آپ نے اس رافضی کو کہا، آج میں تمہاری بیٹی کے لیے ایک رشتہ لایا ہوں، وہ

سیدزادہ ہے اور بڑا دولت مند ہے۔ کتاب اللہ کا حافظ ہے اور رات کو اکثر حصہ بیدار رہ کر نوافل ادا کرتا ہے۔ وہ شب بھر میں سارا قرآن ختم کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہے، رافضی نے کہا، حضور ایسا رشتہ پھر ملنا مشکل ہے آپ جلدی کیجئے، اس میں رکاوٹ کونسی ہے، مجھے ایسے داماد کی بے حد ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں ایک خصلت ایسی ہے جسے آپ ناپسند کریں گے۔ اس نے پوچھا، وہ کونسی خصلت ہے؟ فرمایا کہ وہ مذہباً یہودی ہے۔ رافضی نے کہا کہ آپ عالم ہو کر مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک یہودی سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم ایک امیر اور شریف یہودی سے اپنی بیٹی بیاہنا پسند نہیں کرتے تو کیا نبی کریم ﷺ ایسے شخص سے اپنی دو بیٹیاں بیاہ سکتے تھے جو یہودی تھا۔ اس نے آپ کی باتیں سن کر توبہ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے اعتقاد سے رجوع کیا۔

04۔ چور کا نام بتانے پر طلاق:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نہایت مغموم اور پریشان شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت! رات کے وقت میرے گھر میں چور داخل ہو گئے، ان سے جس قدر مال اٹھایا جا سکتا تھا وہ اٹھا کر لے گئے۔ چوروں میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ میرے محلے کا رہائشی تھا۔ اس کا مصلیٰ میری مسجد میں ہے اور وہ باقاعدہ نماز پڑھتا ہے۔ اس چور کو بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے، وہ آگے بڑھا اور مجھے رسیوں سے جکڑ لیا۔ اور مجھ سے قسم لی کہ اگر تم نے میرا نام افشاء کیا تو تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوگی۔ پھر اس بات پر بھی حلف لیا کہ اگر تم نے میرا نام بتایا تو میرے گھر کا تمام مال اور سامان غربائے شہر کو تقسیم کرنا ہوگا، پھر اس نے کہا کہ میں اس کا نام بھی زبان سے نہ نکالوں، نہ اشارہ کروں، نہ صراحت کروں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس قسم اور حلف کے بعد میں نے اگر اس کا نام کسی پر بھی ظاہر کیا تو میری بیوی کو طلاق ہو

جائے گی۔ میں اس واقعہ کا اللہ کو گواہ بنا کر سچ کہہ رہا ہوں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم جاؤ اور میرے پاس ایسے شخص کو بھیجو جس پر تمھیں پورا پورا اعتماد ہو۔ اس نے جا کر اپنے بھائی کو بھیجا۔ امام صاحب نے اس کے بھائی سے فرمایا کہ تم حاکم وقت کے پاس جاؤ اور سارا قصہ بیان کرو اور اپنے بھائی کی پریشانی اور مجبوری کا بھی ذکر کرو اور کہو کہ وہ پولیس بھیج دیں۔ پولیس حکم دے کہ مسجد کے دروازے سے تمام نمازی ایک ایک کر کے گزرتے جائیں۔ تم اپنے بھائی کو دروازے پر کھڑا کر دو، ہر ایک آدمی گزرتا جائے اور پولیس پوچھتی جائے کہ یہ تمھارا چور ہے؟ تمھارا بھائی ''نہیں'' کہتا جائے لیکن جب اصل چور گزرے تو تمھارا بھائی بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے، کوئی اشارہ بھی نہ کرے، اس شخص کو پولیس گرفتار کرے اور حاکم کے سامنے پیش کرے۔ اسطرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے اسکی بیوی کو طلاق ہوئے بغیر چور پکڑا گیا اور اسکا چوری شدہ مال بھی واپس مل گیا۔

05۔ سیڑھی پر چڑھی یا اتری تو طلاق:

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر کھڑی ہے۔ اسکے شوہر نے جھگڑے کے دوران اس سے کہا، اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے طلاق ہے اور اگر نیچے اتری تو تجھے طلاق ہے۔ تو اب آپ فرمائیے کہ اس مسئلہ کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اس عورت سمیت سیڑھی اٹھالی جائے اور زمین پر رکھ دی جائے۔ اب عورت جہاں چاہے چلے پھرے، طلاق نہ ہو گی۔

06۔ اہلِ کوفہ کو قتلِ عام سے بچا لیا:

ضحاک بن قیس شیبانی حروری خارجیوں کا کمانڈر تھا۔ وہ عراق کے مختلف شہروں پر حملہ کرتا تو مسلمانوں کا قتل عام کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر کوفہ میں بھی آ پہنچا اور جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ گیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ کوفہ کے تمام

مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اس وقت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چادر اور قمیض پہنے مسجد میں تشریف لائے اور ضحاک سے کہا، میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ ضحاک نے پوچھا، کیا بات ہے؟ آپ نے پوچھا، تم لوگوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو اور بچوں کو قید کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہو؟ اس نے کہا، یہ سب مرتد ہیں ان کے ارتداد کی یہی سزا ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ارتداد تو ایک دین سے دوسرے دین کے اختیار کرنے کا نام ہے۔ تم بتاؤ وہ پہلے کس دین پر تھے اور اب کس دین میں شامل ہوئے ہیں، کیا اب وہ اپنے پہلے دین میں نہیں رہے؟ ضحاک نے کہا، اپنے سوال کو پھر دہرایئے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ پہلے کس دین پر تھے جسے چھوڑ کر اب دوسرے دین کو اختیار کر رہے ہیں؟ ضحاک نے کہا، واقعی یہ میری غلطی ہے۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ تلواریں میانوں میں کر لو اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ تھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت جس نے سارے کوفہ والوں کو قتل ہونے سے بچا لیا۔

07۔ بیوی نہ بولی تو طلاق:

ایک مرتبہ امام اعمش رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا آدھی رات کے وقت جھگڑا ہو گیا تھا، آپ نے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا اور سرزنش کی۔ جواب میں ناراضگی کے طور پر انکی بیوی نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی۔ وہ گفتگو کرتے تو چپ رہتی اور کوئی جواب نہ دیتی۔ صبح ہوئی تو عورت کا رویہ وہی رہا۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے غصہ میں کہا، اگر آج رات ختم ہونے تک تم نے مجھ سے بات نہ کی تو تمہیں طلاق ہے۔ وہ بھی بڑی ضدی تھی سارا دن بات نہ کی۔ رات ہوئی تو ان کی بیٹی نے کہا، ابا جان سے کوئی بات کرو، تاکہ یہ مصیبت ٹل جائے مگر اس نے پھر بھی بات نہ کی اور خاموش رہی۔ اب امام اعمش رحمہ اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مغموم بھی ہوئے۔ وقت گزرنے پر ان کی

پریشانی بڑھی کہ انکی بیوی دن طلوع ہونے پر مطلقہ ہو جائے گی۔ اسی فکر میں خیال آیا، کیوں نہ اپنی اس غلطی اور پریشانی کا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جائے۔

چنانچہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنا کر فرمایا، اگر وہ صبح تک میرے ساتھ نہ بولی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ وہ اس طریقہ سے مجھے چھوڑ دینا چاہتی ہے۔ ہم ایک طویل عرصے سے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب اولاد ہیں، آپ ایسا حل بتائیں جس سے معاملہ درست ہو جائے۔ آپ نے فرمایا، تسلی رکھیں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور آپ مشکل سے نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمائے گا۔ آپ نے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم ان کے گھر کے پاس والی مسجد میں طلوع سحر سے پہلے اذان دے آنا۔ اس کے بعد امام اعمش رحمہ اللہ گھر چلے گئے اور موذن نے قبل از وقت اذان دے دی۔ عورت نے اذان سن کر کہا، شکر ہے، اس بداخلاق شخص سے جان چھوٹی۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے کہا، تم مجھ سے علیحدہ نہیں ہوئی، ابھی صبح ہونے میں کافی وقت ہے۔ یہ تو ایک حیلہ تھا جس سے تم بات کرنے پر رضامند ہوگئی اب تم سے میرا رشتہ قائم رہے گا۔

08۔ قیمتی چیز بھول گیا:

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، حضور میں نے ایک قیمتی چیز گھر میں رکھی تھی مگر بھول گیا ہوں اس کے لیے بڑا پریشان ہوں، آپ کوئی تدبیر کریں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی شرعی مسئلہ تو نہیں، میں کیا کروں۔ وہ شخص آپ کی بات سن کر رونے لگا اور عرض کی، حضور کوئی تدبیر نکالیں۔ تمام رفقاء آپ کے ساتھ اس شخص کے گھر گئے۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ بھی اپنی قیمتی چیزیں چھپا کر رکھتے ہو۔ بتاؤ اگر یہ گھر تمہارا ہو تو کس حصہ میں چیز چھپاؤ گے۔ کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے ایک جگہ نشان بنایا، کسی نے ایک جگہ لگایا۔ آپ نے بھی ایک جگہ

نشان لگایا اور اسے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہیں سے اس شخص کی قیمتی چیز برآمد ہو گئی۔

09۔ بھولی چیز یاد آنے کا نسخہ:

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، میں نے کچھ رقم ایک جگہ احتیاط سے رکھ دی تھی۔ اب مجھے سخت ضرورت ہے لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہ کس جگہ رکھی تھی۔ آپ کوئی تدبیر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، تم آج ساری رات نماز پڑھو۔ اس نے جا کر نماز پڑھنی شروع کی تو تھوڑی ہی دیر بعد اسے یاد آ گیا کہ فلاں جگہ رقم رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے رقم نکال لی۔ اگلے دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی، حضور! آپ کی تدبیر سے مجھے رقم مل گئی۔ آپ نے فرمایا، شیطان کو یہ کب گوارا تھا کہ تم ساری رات نماز پڑھو اس لیے اس نے جلد یاد دلایا لیکن تمہارے لیے مناسب یہی تھا کہ تم رب تعالیٰ کے شکریے میں ساری رات نماز پڑھتے۔

10۔ انڈا نہ کھانے کی قسم:

آپ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ کبھی انڈا نہ کھائے گا۔ پھر ایک دن اس نے یہ قسم کھالی کہ فلاں شخص کی جیب میں جو چیز ہے وہ ضرور کھائے گا پھر جب دیکھا تو اس شخص کی جیب میں سے انڈا نکلا، اب وہ اپنی قسم کیسے پوری کرے؟ اس پر امام اعظم نے فرمایا، اسے چاہیے کہ وہ انڈا مرغی کے نیچے رکھ دے اور جب چوزہ نکل آئے تو اسے پکا کر کھالے۔ اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

11۔ چور پکڑا گیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی کا پالتو مور چوری ہو گیا تو اس نے آپ سے شکایت کی اور اس سلسلے میں مدد کی درخواست بھی کی۔ اسے محلے ہی کے کسی شخص پر شبہ تھا۔

آپ نے فرمایا، تم خاموش رہو، میں کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ آپ صبح کو مسجد تشریف لے گئے اور فرمایا، اس شخص کو شرم نہیں آتی جو اپنے پڑوسی کا مور چرا کر پھر نماز پڑھنے آتا ہے حالانکہ اس کے سر میں اس مور کا پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص اپنا سر صاف کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، اے بھائی! اس شخص کا مور اس کو واپس کر دو، چنانچہ اس نے وہ مور واپس کر دیا۔

12۔ ایک درہم کی تقسیم:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ابن شبرمہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا، ایک شخص کے پاس کسی کا ایک درہم اور دوسرے شخص کے دو درہم تھے۔ ان تین درہموں میں سے دو درہم اس سے گم ہو گئے۔ اب اس ایک درہم کا کیا کیا جائے؟ انہوں نے کہا، اس درہم کو دونوں میں مساوی طور پر نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔ ابن مبارک نے پھر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے فرمایا، ابن شبرمہ کا جواب درست نہیں کیونکہ تین درہم جب یکجا کر دیے گئے تو دونوں افراد کی شراکت ہوگئی۔ اب ضائع ہونے والے درہم دونوں کے ہیں یعنی ایک کا دو تہائی حصہ ضائع ہوا اور دوسرے کا ایک تہائی حصہ ضائع ہوا۔ پس باقی رہنے والے ایک درہم کے تین حصے کر دیے جائیں، دو تہائی دو درہم والے کو دیے جائیں اور ایک تہائی ایک درہم والے کو دیا جائے۔

13۔ کعبہ دیکھو تو یہ دعا مانگو:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حل بتایا ہے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ

دعا مانگی، "اے اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ یعنی میں جو بھی دعا کروں وہ قبول ہو جائے"۔

امام اعظم کی فقہی بصیرت:

بقول آزاد خیال مؤرخ نعمانی کے، "ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے، تیزیٔ ذہن، قوتِ حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد، تقویٰ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل ورائے، فراست وتدبر کا ذکر تک نہیں آتا، گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں.......... بلاشبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تمام علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیاوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مذہب سلطنت وحکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت وحکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے، مذہباً اکثر حنفی ہی تھے"۔

(سیرۃ النعمان: ۱۱۳)

ذیل میں امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب "مناقب الامام" اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب "الخیرات الحسان" سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت کے متعلق چند واقعات تحریر کیے جارہے ہیں:-

14۔ وہاں نہ رہو جہاں راہنما نہ ہو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ مجھے کسی کام سے کوفہ سے باہر جانا پڑا۔ وہاں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا، یہ بتائیے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے شراب کا گھڑا ٹوٹ جائے اور کوئی شخص اس سمت میں بیٹھا وضو کر رہا ہے جس سمت میں پانی بہتا ہے تو اس شخص کے وضو کا کیا ہوگا؟ آپ فرماتے ہیں، میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے اپنے نوکر سے کہا، چلو اس شہر سے نکل چلیں جہاں مسئلہ کا

جواب نہ آئے اور کوئی راہنمائی کرنے والا بھی نہ ہو۔

چنانچہ کوفہ آ کر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے۔ اگر بہتے ہوئے پانی سے شراب کی بو آ رہی ہو یا پانی کا ذائقہ متغیر ہو تو وضو جائز نہیں ورنہ کوئی حرج نہیں۔

15۔ حاملہ فوت ہو جائے، بچہ زندہ ہو تو:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں کوفے کے فلاں محلے میں رہتا ہوں۔ رات کے پہلے حصے میں میری بہن فوت ہو گئی ہے اور بچہ اس کے پیٹ میں ہے اور وہ پیٹ میں حرکت کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا، فوراً جاؤ اور عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ باہر نکال لو۔ وہ شخص سات سال بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بچہ تھا، اس نے آپ سے پوچھا کہ آپ اسے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس نے بتایا کہ یہ وہی بچہ ہے جو آپ کے فتویٰ پر ماں کے پیٹ سے نکالا گیا تھا۔ یہ ساری زندگی آپ کا خادم رہے گا۔ اس کا نام ہم نے نجار رکھا ہے۔

16۔ ترکہ کی تقسیم اور ایک دینار:

ایک عورت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی ور کہنے لگی، میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور چھ سو دینار ترکہ چھوڑ گیا ہے، اس کی جائیداد میں سے مجھے صرف ایک دینار ملا ہے۔ آپ نے پوچھا، ترکہ کی تقسیم کس نے کی تھی؟ اس نے بتایا، حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ نے۔ آپ نے فرمایا، پھر یہی تمھارا حق بنتا ہے تمھیں اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تیرے بھائی نے دو بیٹیاں، ایک بیوی، بارہ بھائی، والدہ اور ایک بہن (جو تو خود ہے) چھوڑے ہیں۔ اس نے کہا، ہاں وارث تو صرف یہی ہیں۔

آپ نے فرمایا، بیوی کے حصے دو تہائیاں اور وہ چھ سو دینار سے چار سو دینار لے گئی۔ ماں کو چھٹا حصہ ملا وہ ایک سو دینار لے گئی۔ بیوی کو آٹھواں حصہ ملا اور وہ پچھتر دینار

لے گئی۔ باقی پچیس دینار رہ گئے ان میں سے چوبیس دینار بھائیوں کو ملے اور ایک دینار تمھارے حصے میں آئے گا۔

17۔ میں بات نہیں کروں گا:

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا تو اس نے غصہ میں قسم کھا کر کہا، میں تجھ سے اس وقت تک بات نہیں کروں گا جب تک تو مجھ سے بات نہیں کرے گی۔ ادھر غصہ میں بیوی نے بھی قسم اٹھا کر وہی الفاظ کہے جو شوہر نے کہے تھے۔ غصہ دور ہوا تو دونوں کو بہت افسوس ہوا۔ شوہر پہلے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان سے یہ معاملہ عرض کیا۔ انھوں نے فیصلہ دیا کہ تم میں سے جس نے پہلے بات کی اسے کفارہ دینا ہوگا۔ پھر وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، حضور! کوئی حل بتائیے۔ آپ نے فرمایا، تم دونوں آپس میں بات چیت کر سکتے ہو، کسی پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔

جب یہ بات سفیان ثوری رحمہ اللہ کو معلوم ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئے اور اس شخص سے فرمایا، پھر جا کر پوچھو۔ اس نے دوبارہ آ کر پھر یہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ اس پر سفیان ثوری رحمہ اللہ نے پوچھا، آپ نے اس مسئلہ کا یہ جواب کیسے دیا؟ آپ نے فرمایا، مرد کے حلف اٹھانے کے بعد جب عورت نے یہ کہا کہ میں بھی تم سے بات نہیں کروں گی تو اس عورت نے بات تو کر دی لہٰذا اب مرد پر قسم واقع نہیں ہوگی، اس کی قسم تو ساقط ہوگئی اس طرح کسی پر بھی کفارہ نہیں ہوگا۔ امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا، ابو حنیفہ! تم پر وہ علوم منکشف ہوئے ہیں کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

18۔ آٹا ختم ہونے کی خبر پر طلاق:

امام اعمش رحمہ اللہ ایک بار اپنی بیوی کو غصہ میں یہ کہہ بیٹھے، اگر تم نے مجھے یہ خبر دی کہ آٹا ختم ہوگیا تو تمھیں طلاق، اگر آٹے کے ختم ہونے کے بارے میں کچھ لکھا، یا آٹا ختم

ہونے کے متعلق کوئی پیغام دیا تو ان تمام صورتوں میں تمہیں طلاق۔ ان کی بیوی حیران رہ گئی کہ انہوں نے کیا کہہ دیا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کیا جائے۔ اسے کسی نے مشورہ دیا کہ اس مشکل سے صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی نکال سکتے ہیں تم ان کے پاس جا کر سارا واقعہ بیان کرو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آ گئی اور تمام واقعہ سنایا۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں کیا مشکل ہے اس کا حل تو بہت ہی آسان ہے۔ تم رات کے وقت ان کے ازار بند کے ساتھ آٹے کا خالی تھیلا باندھ دینا وہ خود ہی محسوس کریں گے کہ آٹا ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ صبح کے اندھیرے میں جب وہ شلوار پہننے لگے تو انہیں ازار بند کے ساتھ کچھ چیز لپٹی ہوئی محسوس ہوئی جب دیکھا تو وہ آٹے کا خالی تھیلا تھا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ گھر میں آٹا ختم ہو گیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگے، بخدا یہ ترکیب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوجھ سکتی۔ جب تک وہ زندہ ہے ہمیں شرمندہ کرتا رہے گا۔

19۔ قاضی صاحب کی چھ غلطیاں:

کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک دن عدالت سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک پاگل عورت کسی شخص سے جھگڑ رہی ہے اور گفتگو کے دوران اس نے اس شخص کو "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" کہہ دیا۔ قاضی صاحب نے اس عورت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور پھر مجلسِ قضا میں واپس آ کر حکم دیا کہ اس عورت کو مسجد میں کھڑی کر کے درے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔ یہ بات جب امام اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا، ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فتویٰ میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

وہ مجلسِ قضا سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ عدالت لگائی یہ آئینِ عدالت کے خلاف ہے۔ اس شخص کے ماں باپ کو گالیوں پر حدیں جاری کیں حالانکہ مدعی وہ شخص

نہیں بلکہ اس کے والدین ہونے چاہیے تھے۔ ایک ساتھ دو حدیں نافذ کی گئیں حالانکہ ایک ساتھ دو حدیں نافذ نہیں ہو سکتیں۔ عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی گئی حالانکہ عورت کو کھڑا کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ پاگل عورت پر حد قائم نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ مرفوع العقل اور مرفوع العلم ہوتی ہے۔ مسجد میں حد قائم کی حالانکہ مسجد میں حد قائم نہیں کی جا سکتی۔ علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت سے ہم حیران رہ گئے۔

20۔ بیویاں تبدیل ہو گئیں:

کوفہ میں ایک امیر شخص نے بڑی دھوم دھام سے اپنی دو بیٹیوں کا دو سگے بھائیوں سے نکاح کیا۔ رات کو غلطی سے دلہنیں بدل گئیں یعنی ایک بھائی کی منکوحہ دوسرے کے پاس اور دوسرے کی منکوحہ پہلے کے پاس چلی گئی۔ دونوں نے شب باشی کی۔ صبح ہوئی تو یہ راز فاش ہوا اور ہر ایک کو سخت پریشانی ہوئی۔ ولیمہ کی دعوت میں اکابر علماء مدعو تھے۔ میزبان نے یہ مسئلہ علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا، ''ہر شخص نے جس سے وطی کی ہے اسے مہر دے اور پھر اپنی زوجہ واپس لے اور دوسری مرتبہ اسے مہر دے۔ اس سے انکے نکاح میں کچھ فرق نہیں آیا''۔ امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کا حل پوچھا۔

آپ نے ان دونوں بھائیوں کو جن کا نکاح ہوا تھا علیحدہ علیحدہ بلایا اور ان سے پوچھا کہ رات جو لڑکی تمہارے ساتھ رہی، اگر وہی تمہارے نکاح میں رہے تو کیا تمہیں پسند ہے؟ ہر ایک نے کہا، ہاں مجھے پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا، تم دونوں اپنی اپنی بیوی کو یعنی جس سے تمہارا نکاح ہوا، اسے طلاق دیدو اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ شرعاً مسئلہ کا وہ حل بھی ٹھیک تھا جو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بتایا مگر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتیں۔ ایک تو دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا جس سے وطی کی اور دوم

یہ بات غیرت وحمیت کے خلاف ہوتی اور اسطرح ازدواجی رشتہ مستحکم بنیاد پر قائم نہ ہوتا۔امام اعظم نے مصلحت وحکمت پر مبنی حل بتایا جس سے لوگ عش عش کر اُٹھے۔

امام مسعر رحمہ اللہ نے اٹھ کر امام اعظم کی پیشانی چوم لی اور فرمایا، "لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو مگر آج اس شخص نے مجھے اور سفیان ثوری رحمہا اللہ کو بھی مطمئن کر دیا ہے، اللہ اسے خوش رکھے"۔

امام اعظم کی حاضر جوابی:

علامہ ذہبی شافعی، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کے متعلق فرماتے ہیں، کان من اذکیاء بنی آدم۔یعنی "اولادِ آدم میں جو لوگ نہایت عقلمند گذرے ہیں، امام اعظم اُنہیں میں سے ایک ذہین ترین شخص تھے"۔

کسی حاسد کی سازش کو اپنی عقل ودانش سے ناکام بنا دینا یا فوری طور پر کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانا یا اپنی حاضر جوابی ۔ سے کسی کو ہدایت کا راستہ دکھا دینا، یہ سب امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کی عقل ودانش کے جلوے ہیں۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حاضر جوابی سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب "مناقب الامام" اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب "الخیرات الحسان" سے پیشِ خدمت ہیں:-

21۔ حق معلوم ہو جائے تو مان لو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک جگہ بیٹھے تھے، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں ایسی گفتگو شروع کی کہ ابن ابی لیلیٰ کو مزید بات کرنے کی گنجائش نہ ملی، مگر وہ اپنے علم کی گرمی میں کہتے رہے، میں اپنے نظریے سے رجوع نہیں کروں گا۔آپ نے فرمایا، اگر اس مسئلے میں خطا یا غلطی سامنے آئے تو بھی رجوع نہیں کرو گے؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، یہ تو میں نے نہیں

کہتا۔ پھر امام صاحب نے فرمایا، آپ اپنی غلطی تسلیم کریں یا نہ کریں مگر میں نے آپ کی غلطی واضح کر دی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، مجھے پھر سوچنے دو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق وصواب معلوم کر لینے کے بعد مزید سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

22۔ حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟

ابو العباس طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا۔ امام بھی جانتے تھے کہ اس کے خیالات کیا ہیں۔ ایک دن حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عباسی خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے اور بھی بیشمار لوگ موجود تھے۔ طوسی نے کہا کہ آج میں ابوحنیفہ کو قتل کرادوں گا۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا، امیر المومنین کبھی ہم میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے۔ اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں خلیفہ کا حکم ماننا چاہیے یا نہیں؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابو العباس! امیر المومنین حق کا حکم دیتے ہیں یا باطل کا؟ اس نے مجبوراً کہا، حق کا۔ آپ نے فرمایا، پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟ طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جس جال میں پھنسانا چاہ رہا تھا آپ کی حاضر جوابی سے خود اسی جال میں پھنس گیا۔

23۔ آپکے شاگردوں کی حاضر جوابی:

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کوفے کے قاضی تھے۔ کوفہ میں ان کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح کا اثر قائم نہ ہو سکا تو کہا کرتے تھے، ''تعجب ہے کہ کوفہ والے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اشاروں پر کیوں حرکت کرتے ہیں؟''۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد بھیجے جن میں امام زُفر اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما بھی تھے۔ انھوں نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو دو اشخاص کا مشترکہ غلام ہو اور ایک نے اسے آزاد کر دیا ہو۔ قاضی صاحب نے کہا، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے شریک کو نقصان دینا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔

انھوں نے دریافت کیا، اگر دوسرا شریک آزاد کر دے تو؟ قاضی صاحب نے کہا، یہ جائز ہے اب غلام آزاد ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا، آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کردی۔ کیونکہ جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اس کا آزاد کرنا بیکار تھا چنانچہ وہ غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے اس کو بحالت غلامی آزاد کیا تو صرف اس کے آزاد کرنے سے وہ کیونکر آزاد ہو سکتا ہے؟ قاضی صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

24۔ قبر میں کیا کہو گے؟

ایک دن عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کا مجمع تھا اور وہاں امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے ایمان کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تو مومن ہے؟ اس نے کہا، مجھے امید ہے کہ میں مومن ہوں۔ (اُس دور میں بعض لوگ خود کو قطعی طور پر اور یقین سے مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے فرمایا، اگر قبر میں منکر نکیر نے تمھارے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو کیا وہاں بھی یہی کہو گے؟ وہ شخص حیران ہو گیا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کس قدر آسان طریقے سے یہ علمی مسئلہ حل کر دیا ہے۔

25۔ خلیفہ کی بیعت مؤثر نہیں:

ایک دن خلیفہ منصور عباسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دربار میں بلایا۔ منصور کا پرسنل سیکریٹری ربیع آپ کا مخالف تھا اور آپکو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔ اس نے منصور سے کہا، یہی وہ شخص ہے جو آپ کے جدامجد (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کرتا ہے۔ آپ کے دادا فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قسم کھا کر استثناء کرے یعنی ایک یا دو دنوں کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، مگر ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو قسم کا حصہ ہے ورنہ بیکار و بے اثر ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المومنین! ربیع کا یہ خیال ہے کہ آپ کے تمام لشکر کی بیعت آپ کے ساتھ مؤثر نہیں۔ خلیفہ نے کہا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، انکا خیال ہے کہ لوگ آپ کے ہاں بیعت کی قسم تو کھاتے ہیں مگر بعد میں گھروں میں جا کر استثناء کر لیتے ہیں یعنی انشاء اللہ کہہ لیتے ہیں، اس طرح ان کی قسمیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور ان پر شرعاً کچھ مؤاخذہ نہیں رہتا۔ یہ سن کر خلیفہ منصور ہنس پڑا اور ربیع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، تم امام ابوحنیفہ کو نہ چھیڑا کرو، ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا۔ جب دونوں باہر آئے تو ربیع کہنے لگا، آج تو آپ میری جان ہی لے چلے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ تو تمہارا ارادہ تھا، میں نے تو صرف مدافعت کی ہے۔

26۔ طلاق میں شک ہو تو:

ایک شخص کو اپنی بیوی کی طلاق میں شک واقع ہوا تو اس نے قاضی شریک رحمہ اللہ سے مسئلہ دریافت کیا۔ جواب ملا، اُس کو طلاق دے کر رجوع کر لو۔ پھر اس نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، یہ کہہ دو کہ اگر میں نے تجھ کو طلاق دی ہے تو میں نے تجھ سے رجوع کیا، اور پھر امام زُفر رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا، جب تک تمھیں طلاق کا یقین نہ ہو وہ تمھاری بیوی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ان تینوں جوابات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ثوری نے تمھیں ورع اور تقویٰ کی بات بتائی اور زفر نے ٹھیک فقہ کی بات کہی اور شریک، تو ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جس سے کوئی پوچھے کہ مجھے پتہ نہیں کہ میرے کپڑے پر نجاست ہے یا نہیں تو وہ کہہ دے کہ کپڑے پر نجاست ہے آپ دھو لیں۔

27۔ ایک رافضی سے مکالمہ:

کوفہ میں ایک بوڑھا رافضی تھا جو ہر وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دل آزاری اور طعن و تشنیع کرتا تھا۔ وہ "شیطان الطاق" کے نام سے مشہور تھا۔ بڑا باتونی اور بات سے

بات نکالنے والا تھا۔ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ حمام میں داخل ہوئے اور یہ رافضی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا، ابوحنیفہ! تمہارے استاد فوت ہو گئے ہیں، شکر ہے ہم نے اس شخص سے نجات پائی۔ (حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کو فوت ہوئے ایک ماہ گزرا تھا) آپ نے فرمایا، ہمارے استاد تو فوت ہوتے رہیں گے مگر تمہارا استاد ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ کہہ کر مہلت دی ہے، وہ قیامت تک نہیں مرے گا۔ یہ بات سن کر وہ شیطان جس غسل خانے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نہار ہے تھے، ننگا ہو کر داخل ہو گیا۔ امام صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے کہا ابوحنیفہ! تم کب سے اندھے ہوئے ہو؟ فرمایا، جس دن سے اللہ تعالیٰ نے تیری غیرت اور حیا کو ختم کر دیا ہے۔ پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا،

ترجمہ: ''میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور میری نصیحت میں حکمت و دانائی ہے۔ میں ایسی کوئی بات نہیں کہوں گا جس میں برائی ہو۔ اے اللہ کے بندو! اپنے اللہ سے ڈرو، حمام میں ننگے نہ آ جایا کرو بلکہ کپڑا باندھ کر آیا کرو''۔

28۔ قرأت خلف الامام پر مناظرہ:

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر مناظرہ کریں۔ آپ نے فرمایا، میں اتنے آدمیوں سے تو بیک وقت بات نہیں کر سکتا نہ ہی ہر ایک کی بات کا جواب دے سکتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ سب کی طرف سے ایک سمجھ دار عالم مقرر کر لیں جو اکیلا مجھ سے بات کرے۔ انھوں نے ایک بڑا عالم منتخب کیا جو آپ سے بات کرے۔ آپ نے سب سے فرمایا، کیا یہ عالم جو بات کرے گا وہ آپ سب کی طرف سے ہوگی اور کیا اس کی ہار جیت آپ کی ہار جیت ہوگی؟ ان سب نے کہا، ہاں! ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔

آپ نے فرمایا، جب تم نے یہ بات مان لی تو پھر تمہارا مسئلہ حل ہو گیا۔ تم نے میرے

موقف کو تسلیم کرتے ہوئے حجت قائم کر دی ہے۔ کہنے لگے، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، ''تم نے خود اپنی طرف سے ایک آدمی منتخب کیا اور فیصلہ کیا کہ اس کی ہر بات تمہاری بات ہوگی، اس کی ہار جیت تمہاری ہار جیت ہوگی، ہم بھی نماز کے دوران اپنا امام منتخب کرتے ہیں۔ اس کی قرأت ہماری قرأت ہوتی ہے، وہ بارگاہ خداوندی میں ہم سب کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے''۔ انہوں نے آپکی دلیل کو تسلیم کیا اور اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جو مسئلہ عقلی طور پر سمجھایا وہ دراصل اس حدیث کی تشریح ہے، ''جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اسکی قرأت ہے''۔ اس عنوان پر تفصیلی گفتگو نمازِ حنفی کے عنوان کے تحت کی جائے گی۔

29۔ طاقتور ترین صحابی کون؟

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک رافضی مسجد میں آ گیا، جو کوفے میں شیطان طاق (باتونی شیطان) کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے آتے ہی پوچھا! ابوحنیفہ! تمام لوگوں میں طاقتور ترین انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ہمارے عقیدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمہارے عقیدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ رافضی نے کہا، یہ تو آپ نے الٹی بات کہہ دی۔

آپ نے فرمایا، الٹی بات تو نہیں کہی، سچی بات کہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے سخت کہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ خلافت کے بعد انہیں حقدارِ خلافت تسلیم کر کے ان سے برضا ورغبت بیعت کرلی۔ تم شیعہ کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ساتھ ہی یہ کہتے ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا حق چھین لیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنا حق لیتے۔ اس طرح تمہارے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زیادہ طاقتور تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ

پر غالب رہے۔رافضی آپ کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا اور مسجد سے کھسک گیا۔

30۔دہریوں کو وجودِ خدا کا ثبوت دیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاں خارجی، رافضی اور دوسرے بدعقیدہ لوگ موجود تھے وہاں بے دین، دہریے اور ملحد بھی موجود تھے۔وہ چاہتے تھے جب بھی موقعہ ملے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں۔ایک دن آپ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے۔اچانک خارجیوں کا ایک گروہ اندر آ گیا اور آتے ہی آپ کے سامنے تلواروں اور چھریوں کی نمائش کرنے لگا۔آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔آپ نے فرمایا،

مجھے بتاؤ، اس کشتی کے متعلق تم کیا کہو گے جو سامان سے لدی ہوئی دریا میں چل رہی تھی، اس کشتی کو طوفانی ہواؤں اور موجوں نے گھیر لیا مگر وہ اس کے باوجود اپنے راستہ پر چلتی رہی حالانکہ اس کا کوئی ملاح یا چلانے والا نہیں تھا۔اس پر ایسا کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو کشتی کا رخ پھیر کر طوفانوں کی زد سے کسی دوسری طرف لے جائے۔کیا تمہاری عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کے باوجود کشتی طوفانوں کے درمیان سیدھی منزل کی طرف چلتی جائے۔ان سب نے کہا، عقل نہیں مانتی۔آپ نے فرمایا، جب تمہاری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ ایک کشتی کسی چلانے والے یا ملاح کے بغیر طوفانوں میں اپنا راستہ خود نہیں بنا سکتی تو اتنی بڑی کائنات جس میں مختلف اقسام کے تغیرات اور طوفان ہیں، وہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟

آپ کی بات سن کر دہریے جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے، لاجواب ہو گئے اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے سامنے اپنے عقائد سے توبہ کر لی۔

31۔خارجیوں کی توبہ:

ایک وقت آیا کہ خارجیوں نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ان کے ایک دستے نے سب سے

پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کوفہ کے امام الائمہ ہیں۔ اگر آپ قابو آ گئے تو کسی دوسرے کو علمی مزاحمت کی جرأت نہ ہوگی۔ خارجیوں کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ جو ان کے عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں رہتا۔ انہوں نے کہا، تم کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے فرمایا، میں ہر قسم کے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ بعد میں چند لوگوں نے کہا، امام اعظم تمہیں جُل دے کر چھوٹ گئے وہ تو تمہیں کافر سمجھتے ہیں اور انہوں نے تمہارے کفر سے توبہ کی ہے۔

خارجیوں نے آپ کو گھر سے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا، آپ نے تو ان عقائد سے توبہ کی ہے جن پر ہم ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا، یہ بات تم نے لوگوں کے بھڑکانے پر گمان سے کہہ دی ہے یا ایمان اور یقین سے؟ انہوں نے کہا، ہم گمان سے کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تو اِنَّ بعضَ الظنِ اثم فرماتا ہے یعنی بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تم نے تو گناہ کیا ہے کہ مجھ پر بدگمانی کی اور تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے پہلے تم اس کفر سے توبہ کرو۔

خارجیوں کے سردار نے کہا، اے شیخ آپ صحیح کہہ رہے ہیں ہم کفر سے توبہ کرتے ہیں مگر آپ بھی کفر سے توبہ کریں۔ آپ نے اعلان کیا، میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔

اس پر خوارج نے آپ کو پھر چھوڑ دیا۔

آپ کے دوسری بار توبہ کرنے پر خارجی سمجھے کہ آپ نے اپنے کفریہ عقیدہ سے توبہ کا اعلان کیا ہے حالانکہ آپ نے تو دوبارہ بھی اُنہی کے کفریہ عقائد سے توبہ فرمائی تھی۔

32۔ خصی کے تین سوال:

ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کا ایک خادم امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض اور کینہ رکھتا تھا اور جہاں بیٹھتا آپ کے خلاف گفتگو کرتا۔ خلیفہ کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آیا۔ ایک دن اس نے منصور سے کہا کہ میں آپ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے تین سوال

کرنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے صحیح جواب دے دیئے تو آئندہ انکی برائی نہیں کروں گا۔ منصور نے امام صاحب کو بلایا اور خادم کو کہا کہ سوال کرو۔ پہلا سوال یہ تھا کہ دنیا کا درمیان (محور) کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ جگہ یہی ہے جہاں تو بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے دوسرا سوال کیا، دنیا میں سروں والی مخلوق زیادہ ہے یا پاؤں والی؟ آپ نے فرمایا، سروں والی مخلوق زیادہ ہے۔ تیسرا سوال یہ کیا کہ اس کائنات پر مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟ آپ نے فرمایا، دونوں زیادہ ہیں مگر تم بتاؤ کہ تم مرد ہو یا عورت؟ تم کس جنس سے تعلق رکھتے ہو؟ کیونکہ خصی (نامرد) بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر وہ خادم مبہوت ہو کر رہ گیا (کیونکہ اس کا خصی ہونا لوگوں کو معلوم نہ تھا)۔

33۔ سیاہ بال چن لو:

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت ایک حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، سفید بال چن لے۔ حجام نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ جہاں سے سفید بال چنے جاتے ہیں وہاں کئی اور سفید بال اگ آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا پھر سیاہ بال چن لے تاکہ سیاہ بالوں کا غلبہ ہو جائے اور سفید ختم ہو جائیں۔ یہ بات اگرچہ مزاحیہ تھی۔ مگر جب قاضی شریک رحمہ اللہ کو یہ لطیفہ سنایا گیا تو انہوں نے ہنس کر فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تو حجام کو بھی اپنے قیاس سے لاجواب کر دیا۔

امام اعظم کا علمی تبحر:

امام اعظم رضی اللہ عنہ علم کا ایک بہت بڑا خزانہ تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کا ذہن اس تیزی کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا کہ دوسرے لوگ حیران رہ جاتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو مسائل کسی سے حل نہیں ہو سکتے، وہ آپ نہایت آسانی سے حل فرما دیا کرتے۔ آپ مناظرے اور مباحثے میں اپنے مدمقابل پر چھا جاتے اور اسے

لاجواب کر دیتے تھے۔

علامہ موفق مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ اگرچہ دین کے مسائل حل کرنے میں علماء وقت کے سردار تھے مگر بعض نکات اور بعض مشکل سوالات کے فوری اور فی البدیہہ جواب دے کر انہوں نے ذہانت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

ذیل میں امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''مناقب الامام'' اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے چند واقعات تحریر کیے جارہے ہیں جن سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی تبحر کا ہلکا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے:-

34۔ یہ مومن ہے یا کافر:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، میں اللہ سے نہیں ڈرتا، مجھے دوزخ کی کوئی پروا نہیں، مردار کھاتا ہوں، نماز میں رکوع و سجود نہیں کرتا۔ میں اس چیز کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں حق سے نفرت کرتا ہوں اور فتنے سے محبت کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا، اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہے؟ بعض شاگردوں نے کہا، ایسا شخص تو کافر ہوگیا، بعض خاموش رہے۔

آپ نے اس گفتگو کو اس انداز میں سلجھایا اور فرمایا،

یہ شخص جنت کی امید نہیں رکھتا صرف اللہ کی ذات کی امید رکھتا ہے۔ جنت سے اللہ کی محبت اور امید بڑھ کر ہے۔

وہ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کیے بغیر کھاتا ہے اور بغیر رکوع اور سجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔

وہ بلا دیکھے گواہی دیتا ہے، اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے۔

یہ اس قیامت کی بھی گواہی دیتا ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔

وہ حق سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے اور وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔

وہ فتنے سے محبت کرتا ہے، یعنی اسے اپنی اولاد سے محبت ہے، جو ایک فتنہ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر وہ شخص اٹھا اور آپ کے سر کو چوما اور کہا، ”میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ علم کے سمندر ہیں، ذہانت کے دریا ہیں۔ میں آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا، ان سے توبہ کرتا ہوں“۔

35۔ حضرت قتادہ سے مذاکرہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو لوگوں کو جمع کیا اور درس کی ایک مجلس منعقد کی۔ عظیم مجمع ہو گیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھ سے فقہ کا کوئی سوال پوچھیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا، اے ابوالخطاب! جو شخص سفر پر جائے اور پھر اسکی کوئی خبر نہ ملے اسکی بیوی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، وہ عورت چار سال تک انتظار کرے اور اس کا شوہر واپس آ جائے تو بہتر ورنہ عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔ آپ نے پوچھا، اگر اسکا خاوند چار سال کے بعد آ جائے اور اپنی بیوی کو کہے، اے زانیہ تو نے کیوں نکاح کر لیا جب کہ میں ابھی زندہ ہوں؟ پھر اس کا دوسرا شوہر کھڑا ہو کر کہے کہ اے زانیہ تو نے کیوں نکاح کیا جبکہ تیرا شوہر سامنے کھڑا ہے؟ بتائیے یہ عورت کیا کرے گی اور کس کی منکوحہ ٹھہرے گی اور اس کے ساتھ کون لعان کرے گا؟

قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا یہ صورت پیش بھی آئی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں لیکن علماء کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے تاکہ وقت پر تردد نہ ہو۔

یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان مسائل کو چھوڑو اور مجھ سے قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کرو۔ آپ پھر کھڑے ہوئے اور کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

''اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے''۔ اس آیت میں کون شخص مراد ہے؟ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آصف بن برخیا جو اسمِ اعظم جانتے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا سلیمان علیہ السلام اسم اعظم جانتے تھے؟ فرمایا، نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا ایک نبی کے دربار میں ان کا امتی ان سے بڑھ کر کتاب کا علم رکھتا تھا؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور کہا، مجھ سے علم کلام کے بارے میں سوال کریں۔

آپ نے پھر کھڑے ہو کر کہا، کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے فرمایا، انشاء اللہ، میں مومن ہوں۔ (اکثر محدثین احتیاط کے طور پر اپنے آپ کو قطعی مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے پوچھا، آپ نے یہ قید کیوں لگائی؟ (کہ ایمان تو یقین کا نام ہے) انہوں نے جواب میں فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** ۔''مجھ کو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف فرما دے گا''۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا، **اولم تؤمن**۔ ''کیا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے''۔ تو انہوں نے جواب میں بلیٰ کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں۔ آپ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی؟ قتادہ رضی اللہ عنہ اس بات پر لاجواب ہو گئے اور مجلس چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے۔

36۔ خارجیوں سے طویل مناظرہ:

حضرت حماد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی ادراک کی خبر جب خوارج کو پہنچی اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ آپ فسق کی وجہ سے اہلِ قبلہ پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تو ان کے ستر آدمی ایک وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ کے پاس لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا اور آپ کے پاس بیٹھنے کی

کوئی گنجائش نہیں تھی۔ انہوں نے چلا کر کہا، حضرت ہم ایک ملت پر ہیں، آپ اپنے لوگوں کو کہیں کہ وہ ہمیں ملاقات کے لیے قریب آنے کا موقع دیں۔

جب یہ لوگ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے تو سب نے میانوں سے تلواریں نکال لیں اور کہا، تم اس امت کے دشمن ہو، تم اس امت کے شیطان ہو۔ ہمارے نزدیک ستر آدمیوں کے قتل کرنے سے تم جیسے تنہا شخص کو قتل کر دینا بہتر ہے لیکن ہم قتل کرتے وقت ظلم نہیں کریں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے انصاف دینا چاہتے ہو؟ اگر یہ بات درست ہے تو پہلے اپنی تلواریں میانوں میں کرلو۔ وہ کہنے لگے، ہم انہیں میانوں میں کیوں کرلیں ہم تو انہیں آپ کے خون سے رنگین کرنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، چلو تم اپنا سوال کرو۔ وہ کہنے لگے، مسجد کے دروازے پر دو جنازے آئے ہیں، ایک ایسا شخص ہے جس نے شراب کے نشے میں دھت ہوکر جان دی۔ دوسری ایک عورت کی لاش ہے جس نے زنا کروایا اور اس کے پیٹ میں حرام کی اولاد ہے اس نے شرمساری سے بچنے کے لئے خودکشی کرلی۔ کیا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟

آپ نے پوچھا، کیا وہ دونوں مرنے والے یہودی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، کیا وہ نصرانی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، کیا وہ مجوسی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، تو وہ کس دین اور کس مذہب پر تھے؟ کہنے لگے، اس دین پر جس کی تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

امام اعظم نے فرمایا، تم خود گواہی دے رہے ہو کہ وہ ملتِ اسلام پر تھے، اب یہ بتاؤ کہ ان کا ایمان تہائی تھا یا چوتھائی یا پانچواں حصہ تھا؟ وہ کہنے لگے، ایمان کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا، عجیب بات ہے جب تم خود ہی اقراری ہو کہ وہ مومن تھے پھر پوچھتے ہو کہ ان کی نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ انہوں نے جھینپ کر کہا، ہمارا سوال یہ ہے

کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟

آپ نے فرمایا، جب تم انکے مومن ہونے کے اقرار کے بعد بھی سوالات کرنے سے باز نہیں آتے تو سنو، میں ان کے بارے میں وہی کہوں گا جو ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم کے بارے میں کہا تھا جو جرم میں اِن سے بڑھ کر تھی۔

فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔

"تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے"۔ (ابراھیم:۳۶، کنز الایمان)

پھر ان کے بارے میں مجھے یہی کہنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے متعلق کہا تھا جو ان سے جرم میں بڑھ کر تھے۔

ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفر لهم فانک انت العزیز الحکیم۔

"اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا"۔ (المائدۃ:۱۱۸، کنز الایمان)

میں ان سے حضرت نوح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سلوک کروں گا۔ آپ نے فرمایا تھا، "کافر بولے، کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں؟ فرمایا، مجھے کیا خبر انکے کام کیا ہیں، ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو، اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں، میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا"۔ (الشعراء:۱۱۱تا۱۱۵)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ان زبردست دلائل کے سامنے خوارج نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس مجلس میں اعلان کیا کہ آج ہم ان تمام نظریاتِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جس پر اب تک ہم عمل پیرا تھے اور ہم آپ کے نظریات کی روشنی میں دینِ اسلام کو اختیار کرتے ہیں۔

پس جب خوارج کا یہ وفد وہاں سے روانہ ہوا تو اپنے خیالات سے توبہ کر کے روانہ ہوا اور انہوں نے اہلسنت و جماعت کے عقائد اختیار کر لیے۔

37۔ امام اوزاعی سے گفتگو:

امام اوزاعی اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کی مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس کے جواب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاحِ نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔

اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزهری عن سالم عن ابیه۔ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراهیم عن علقمة۔

امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب ہی کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علوِ سند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے اَفقہ ہونے کی بنیاد پر حدیث کی فوقیت بیان کی۔ یہ جواب سن کر امام اوزاعی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

38۔ گانے والی عورتیں:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ہمراہ کوفہ کے باہر سیر کو گئے، واپسی پر راستہ میں قاضی ابن ابی لیلیٰ مل گئے۔ انہوں نے سلام کیا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے لگے۔ جب ایک باغ میں پہنچے تو وہاں کچھ ایسی گانے بجانے والی عورتیں گا رہی تھیں جو کوفہ میں بدنام سمجھی جاتی تھیں۔ ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو خاموش ہو گئیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، احسنتن۔ "تم نے خوش کر دیا"۔ ابن ابی لیلیٰ نے امام صاحب کے یہ الفاظ یاد رکھے تا کہ کسی مجلس میں انھیں شرمسار کرنے کے لیے بیان کیے جائیں۔

ایک دن اس نے عدالت میں کسی گواہی کے لیے آپ کو بلایا، حضرت نے گواہی تحریر کر دی مگر ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ آپ نے گانے بجانے والی عورتوں کو احسنتن کہا تھا اور ان فاحشہ عورتوں کو داد دی تھی۔ آپ نے دریافت کیا، میں نے انہیں کب احسنتن کہا، جب گا رہی تھیں یا جب وہ خاموش ہو گئی تھیں؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، جب وہ خاموش ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! میں نے تو انہیں احسنتن ان کے خاموش ہونے اور گانا بند کرنے پر کہا تھا نہ کہ ان کے گانے بجانے پر۔ یہ سنتے ہی ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی خاموشی سے قبول کر لی۔

39۔ وہ بہت بڑا فقیہ ہے:

جن دنوں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے تھے تو وہاں کا گورنر عیسیٰ بن موسیٰ تھا، اسے ایک فیصلہ میں ایک شرط لکھوانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے وقت کے دو بڑے فقیہ علماء ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کو طلب کیا۔ مگر ابن شبرمہ جو شرط لکھواتے اسے ابن ابی لیلیٰ رد کر دیتے اور جو شرط ابن ابی لیلیٰ پیش کرتے اسے ابن شبرمہ توڑ دیتے۔ اسی دوران امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ کو

گورنر نے شرط لکھوانے کا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کاتب کو بلایئے، میں اسے ابھی لکھوا دیتا ہوں۔

آپ نے کاتب کو جو تحریر لکھوائی اسے توڑنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ یہ تحریر ابن شبرمہ اور ابن لیلیٰ رحمہما اللہ کے سامنے پڑھی گئی تو دونوں انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ جب وہ گورنر کی محفل سے باہر نکلے تو ایک نے دوسرے کو کہا، دیکھا اس جولا ہے (کپڑا بیچنے والے) نے مسئلہ کو کیسے حل کر دیا۔ دوسرے نے کہا، ایک جولا ہے کو ایسی تحریر لکھوانے کی ہمت نہیں ہوتی، بیشک وہ ایک بہت بڑا فقیہ ہے، اس نے سب علماء کو دنگ کر کے رکھ دیا ہے۔

40۔ آیت کی تفسیر:

ایک مرتبہ امام عطاء بن ابن رباح رضی اللہ عنہ کے پاس امام اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس آیت کے بارے میں سوال کیا، و آتینا ہ اھلہ و مثلھم معھم ۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے اہل و عیال واپس کر دیے اور ان کے ساتھ انکی مثل اولاد عنایت فرمائی۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایسی اولاد عطا کرتا ہے جو اس کی پشت سے نہ ہو؟ اس پر انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے، اس بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی بیوی اور اولاد جو ان کی صلبی اولاد ہے واپس کی اور ساتھ ہی ان کی اولاد کے اجر جیسا اجر و ثواب عطا فرمایا۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ بہترین تفسیر ہے۔



باب چہارم (4)

امام اعظم بحیثیت ولی کامل:

سیدُ الاولیاء حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں،

اماموں کے امام، مقتدائے اہلِ سنت، شرفِ فقہاء اور عزتِ علماء امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ مجاہدات وعبادات میں نہایت ثابت قدم اور اصولِ طریقت میں بڑی شان کے مالک تھے۔ آپ اکثر مشائخ کے استاد تھے چنانچہ حضرت ابراھیم بن ادھم، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت داؤد طائی اور حضرت بشر حافی وغیرہ اکابر اولیاء نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ (رحمہم اللہ تعالی)

علماء فرماتے ہیں کہ جسطرح حضرت داؤد طائی طریقت میں حضرت حبیب عجمی کے مجاز اور خلیفہ ہیں اسی طرح وہ امامِ اعظم کے بھی مجاز اور خلیفہ ہیں۔ اور اسی طرح امامِ اعظم بھی طریقت میں امام جعفر صادق کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالی عنہم) سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سلوک وطریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے، **لَوْلَا السَّنَتَانُ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ** ۔
"اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا"۔

مقدمہ درمختار میں ہے کہ شیخ ابوالقاسم قشیری شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ ابوعلی دقاق کا ارشاد ہے، میں نے طریقت کو ابوالقاسم نصر سے حاصل کیا، انہوں نے سری سقطی سے انہوں نے معروف کرخی سے، انہوں نے داؤد طائی سے اور انہوں نے علم اور طریقت کو امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا۔ یہ سب لوگ شریعت وطریقت کے امام تھے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ جب آقا ومولیٰ ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جاتے

اور آپ کے روضۂ اقدس پر عرض کرتے، السلام علیک یا سید المرسلین۔ اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام ہو۔ تو روضۂ اطہر سے جواب آتا، وعلیک السلام یا امام المسلمین۔ اے مسلمانوں کے امام! تم پر بھی سلام ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء)

بلاشبہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ بلند پایہ محدث بھی تھے اور طریقت وتصوف کے عظیم مردِ میدان بھی لیکن آپ نے روایتِ حدیث اور سلوک وطریقت کی ظاہری ترویج کی بجائے صرف فقہ کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی امتِ مسلمہ کی بھلائی کی خاطر وقف کر دی اور فقہ حنفی کی صورت میں امت کو اسلامی قوانین کا مجموعہ عطا کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عارفِ ربانی شیخ نصر اللہ شیرازی مہاجر مکی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو معارف اور حقائق شیخ ابو یزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی کو حاصل تھے وہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کو بھی حاصل تھے، شریعت اور اسکے احکام کا علم اسکے علاوہ تھا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ فقہ کے ائمہ، فقہ اور تصوف دونوں سے متصف اور دونوں کے جامع تھے، انصاف یہ ہے کہ ائمہ تصوف بھی دونوں کے جامع تھے فرق غالب اور مغلوب کا تھا (یعنی ائمہ فقہ پر فقہ کا اور ائمہ تصوف پر تصوف کا غلبہ تھا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ انہوں نے فقہ کی تعریف یوں کی ہے کہ "نفس کا ان اشیاء کو پہچاننا جو اسکے لیے مفید اور مضر ہیں"۔
(تعارف فقہ وتصوف: ۲۰۴)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ فقہ کی تعریف ہی دراصل تصوف وطریقت کی اصل ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے اخلاص، صداقت ودیانت، عبادت وریاضت اور

زہد و تقوی کے باعث رب تعالیٰ نے آپ کو تصوف و طریقت میں بلند درجہ عطا کیا اور امامت و اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا۔ اسی بناء پر امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت، تین چوتھائی حصہ آپ کا مقلد ہے۔

ے این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اسکی تائید حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے خواب میں آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت کی اور دیکھا کہ آپ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں، خواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان پاک لوگوں میں سے تھے جو اوصافِ طبع میں فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ آپ کو اٹھا کر لائے یعنی آپ کے چلانے والے سید عالم ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چل کر آتے تو باقی الصفت ہوتے۔ باقی الصفت لوگ منزل کو پا بھی سکتے ہیں اور منزل سے بھٹک بھی سکتے ہیں۔ چونکہ رسول کریم ﷺ نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا اس لیے یقیناً آپ کی ذاتی صفات فنا ہو چکی تھیں اور وہ آقا کریم ﷺ کی صفات کے ساتھ صاحبِ بقا تھے۔ حبیبِ کبریا ﷺ سہو وخطا سے بالاتر اور معصوم ہیں اس لیے یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو وخطا کا مرتکب ہو سکے۔ (کشف المحجوب:۱۶۵)

حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد تھے۔ مقدمہ درمختار میں ہے کہ کثیر اولیاء کرام آپ کے مذہب حنفی کے پیروکار ہیں اور اولیاء کرام بھی وہ کہ جو کشف و مشاہدات کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس میں ذرا بھی شک وشبہ پاتے تو ہرگز آپ کی پیروی کرتے نہ تقلید کرتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے تعلیم میں مجھے شافعی مذہب اختیار کرنے کا خیال آیا تو میں نے اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے عرض کیا۔

انہوں نے فرمایا، ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ حق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ میں نے پوچھا، آپ یہ بات دلائل کی بنا پر کہتے ہیں یا کشف اور مشاہدہ کی بنا پر؟ تو انہوں نے فرمایا، ''ہم اسی طرح محسوس کرتے ہیں''۔ (تعارف فقہ وتصوف:۲۳۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی دل کی آنکھوں سے پڑھنے کے لائق ہے، ''کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں''۔ (مکتوبات دفتر دوم:۵۵)

امام ابن حجر مکی شافعی کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیے، آپ فرماتے ہیں، ''امام اعظم ان ائمہ اسلام میں سے ہیں جو خدا کے اس فرمان کا مصداق ہیں کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن...... الخ۔ ''سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں''۔ (سورہ یونس:۶۲-۶۴)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ائمہ مجتہدین وعلماءِ عاملین میں سے ہر ایک محیر العقول کمالات رکھتا تھا اور ان سے ایسے احوال وکرامات صادر ہوتے تھے جن کا سوائے جاہل دشمن کے کوئی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ یہ حضرات دراصل شریعت وحقیقت کے جامع تھے''۔ (الخیرات الحسان:۶۰)

امام اعظم اور کشف وفراست:

اولیاء کرام کا ایک روحانی وصف ''کشف ومشاہدہ'' ہے۔ متعدد واقعات شاہد ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر بھی اپنی باطنی فراست سے جو بات ارشاد فرمائی وہ پوری ہوئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انکی والدہ اکثر انہیں درس سے لے جاتی تھیں تاکہ کچھ کما کر لائیں۔ ایک دن امام اعظم نے انکی والدہ سے فرمایا، ''تم اسے علم سیکھنے دو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہ روغن پستہ کے

ساتھ فالودہ کھائے گا"۔ یہ سن کروہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

مدت بعد ایک دن خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا، فالودہ اور روغنِ پستہ۔ یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔ خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو مذکورہ واقعہ بیان فرمایا۔ خلیفہ نے کہا، علم دین ودنیا میں عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ باطن کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴، ۲۴۵)

حدیثِ مبارکہ ہے، "مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ آپ نے ایک بار اپنی فراست سے امام داؤد طائی سے فرمایا، تم عبادت کے ہی ہو رہو گے، امام ابو یوسف سے فرمایا، تم دنیا کی طرف مائل ہو گے (یعنی دنیاوی منصب قبول کرو گے اور مالدار ہو جاؤ گے)، اسی طرح امام زُفر وغیرہ کی نسبت بھی مختلف رائے ظاہر کی۔ آپ نے جس کے متعلق جو فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ (ایضاً: ۲۴۸) رحمہم اللہ تعالیٰ

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کشف ومشاہدہ کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

"عارفِ ربانی امام شعرانی رحمہ اللہ نے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرمایا کہ میں نے سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ (جو اکابر اولیاء میں سے تھے) کو فرماتے سنا ہے کہ "امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف، اولیاء اللہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں"۔

آپ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ جب وضو میں استعمال شدہ پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر وکبائر ومکروہات ہوتے انکو پہچان لیتے تھے۔ اس لیے جس پانی کو مکلف نے استعمال کیا ہو، آپ نے اسکے تین درجات مقرر فرمائے۔

اول: وہ نجاستِ مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مکلف نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

دوم: وہ نجاستِ متوسطہ ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

سوم: وہ طاہر غیر مطہر ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو۔

انکے بعض مقلد یہ سمجھے کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تین اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صفحہ ۶۳)

معروف احادیث میں آیا ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکے اعضاء سے گناہ ڈھل جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اصحابِ مشاہدہ اپنی آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو ڈھلتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ شہود کے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلظہ ہے کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوث دیکھتے تھے، تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے تو وہ لوگوں کے وضو اور غسل کے پانی کو نہایت گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور اسے استعمال نہ کرے گا جیسے وہ اس پانی کو استعمال نہیں کرتا جس میں کتا یا بلی مرگئی ہو۔ میں نے ان سے کہا، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اہلِ کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے۔ تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں! امام ابوحنیفہ اور ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ بڑے اہلِ کشف

تھے۔(ایضاً:٦٤)

مزید فرمایا، ایک مرتبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور پانی کے قطرات اسکے اعضاء سے ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا، اے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک شخص کے وضو کا مستعمل پانی دیکھا تو فرمایا، شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس شخص نے توبہ کی۔ (ایضاً:٦٥)

آپ کا وصال:

خلیفہ منصور نے آپکو چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کے عہدہ کے لیے بغداد بلایا اور یہ لالچ دیا کہ دنیائے اسلام کے تمام قاضی آپکے ماتحت ہوں گے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں آپکو قید کر دیا گیا۔ وہ روز آپ کو پیغام بھیجتا کہ اگر رہائی چاہتے ہو یہ عہدہ قبول کرلو لیکن آپ ہر بار انکار کر دیتے، اُدھر اسکے درباری خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپکی سخت توہین ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آپ کو روزانہ قید سے نکال کر دس کوڑے لگائے جائیں اور اسکا بازاروں میں اعلان کیا جائے، چنانچہ آپ کو دردناک طریقہ سے مارا گیا یہانتک کہ خون بہہ کر آپکی ایڑیوں پر گرنے لگا۔ اس طرح دس دن تک آپکو روزانہ دس کوڑے مارے گئے۔

پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ اس بدترین ظلم و ستم کے باوجود آپکے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی تو خلیفہ کے حکم سے آپ کو جیل میں زہر دیدیا گیا۔ اس طرح ظاہری اور خفیہ طور پر آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ جب آپکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سربسجود ہوگئے اور سجدے کی

حالت میں آپ کی شہادت ہوئی۔ (مناقب للموفق: ۴۲۵، الخیرات الحسان: ۲۲۵)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''محض قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے خلیفہ آپکو اس ظالمانہ طریقے سے شہید نہیں کرا سکتا تھا دراصل آپکے بعض دشمنوں نے خلیفہ سے خفیہ طور پر کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو خلافتِ عباسیہ سے بغاوت پر اکسایا تھا (انہوں نے بصرہ میں عباسی خلیفہ کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا) اور انکی مالی مدد بھی کی تھی۔ اس بات سے خلیفہ منصور بہت ڈرا کیونکہ آپ عزت و وجاہت والے اور مالدار تاجر تھے۔ چنانچہ اس نے آپ سے عہدۂ قضا قبول کرنے کو کہا جبکہ اسے علم تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔ اس نے صرف اس لیے ایسا کہا تا کہ یہ آپ کے قتل کا بہانہ بن جائے۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۶)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ماہ رجب یا شعبان میں ۱۵۰ھ میں ہوا۔

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، حضرت حسن بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کا نام لیکر روتے تھے اور آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔ آپ اہل بیت کی محبت سے سرشار تھے اور خلافتِ عباسیہ کو غلط سمجھتے تھے''۔ (مناقب: ۴۶۰)

عبداللہ بن واقد رحمہ اللہ (اہلِ ہرات کے امام) فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو حسن بن عمارہ رحمہ اللہ نے غسل دیا اور میں نے بدنِ مبارک پر پانی ڈالنے کا شرف حاصل کیا۔'' جب امامِ اعظم رحمہ اللہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو بغداد میں لوگوں کا سمندر موجزن تھا جن میں اکثر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

اعلٰی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں، امام اعظم کے ولی صاحبزادہ جلیل حضرت سیدنا حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ جب انہوں نے آپ کی

نماز جنازہ پڑھی تو پھر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ، الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں، امام اعظم کے غسل سے فارغ ہونے تک بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقالِ امام کی خبر پکار دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا، پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا کہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادۂ امام حضرت حماد رحمہ اللہ نے پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹: ۳۴۱)

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے جنازے پر اس قدر لوگ آئے کہ آپکی نمازِ جنازہ چھ بار پڑھی گئی۔ آخری مرتبہ آپکے بیٹے حضرت حماد بن نعمان رحمہما اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تقریباً 20 دن تک آپکی قبر انور پر نماز ہوتی رہی۔ آپکی وصیت تھی کہ چونکہ خلیفہ کے محلات کے ارد گرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہے اسلیے مجھے مقبرۂ خیزراں کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپکو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساسِ ندامت کم کرنے کے لیے بیس دن گزرنے کے بعد آپکے مزار پر آکر نمازِ جنازہ ادا کی۔ جب اسے بتایا گیا کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کو ان کی اس وصیت کے پیشِ نظر مقبرۂ خیزراں میں دفن کیا گیا ہے تو منصور نے کہا، ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔ (مناقب للموفق: ۴۲۹)

جب آپ کے وصال کی خبر ابنِ جریج رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ مکہ کو پہنچی جو امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ تھے تو انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا، ''کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل وہ کبھی نہ دیکھیں گے''۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۸)

۴۵۹ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپکے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ بنوایا اور ایک مدرسہ بھی۔ (مقدمہ نزھۃ القاری: ۲۱۹)

صدقہ المغابری رحمہ اللہ (جن کی دعا قبول ہوتی تھی) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو مسلسل تین راتوں تک غیب سے یہ آواز آتی رہی،

''فقیہ چلا گیا اب تمہارے لیے فقہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے جانشیں بنو۔ نعمان کا وصال ہو گیا، اب کون ہے جو شب کو بیدار ہو جب وہ پردے پھیلا دے''۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس رات آپ کا وصال ہوا اس رات آپ پر جنات روئے۔

(الخیرات الحسان: ۲۲۹)

جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ آپ کی قبر مبارک پر آئے تو فرمایا، ''اللہ آپ پر رحم کرے، حضرت ابراہیم نخعی اور امام حماد رحمہما اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب چھوڑا مگر آپ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہ چھوڑا''۔ پھر بہت روئے۔ (ایضاً: ۲۲۳)

مزار کی برکتیں:

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''جاننا چاہیے کہ علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس آ کر اپنی حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں ان میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے، میں امام ابوحنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر انکی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے''۔ (الخیرات الحسان: ۲۳۰)

اچھے خواب:

حدیث پاک ہے، ''اچھے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں''۔ کسی کی بزرگی، عظمت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے اچھے خواب بیان کرنا اچھا فعل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری

صورت میں نہیں آ سکتا"۔(بخاری)

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں، "حضور ﷺ نے خواب یا بیداری میں کچھ فرمایا، وہ حق ہے"۔(اوشحۃ الجید)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا دیدار کیا۔ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول رہے ہیں۔اس کی تعبیر امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے یہ دی کہ آپ حضور ﷺ کی احادیث میں سے وہ علوم پھیلائیں گے جو آپ سے قبل کسی نے نہ پھیلائے ہونگے اور آپ کو سنتِ نبوی محفوظ کرنے میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے بعض اصحاب نے خواب میں دیکھا کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہیں اور آپ جو فرماتے ہیں کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ پھر آپ نے بہت سی مٹی لے کر چاروں سمت میں پھینک دی۔امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ یہ شخص فقیہ یا عالم ہے اور یہ احادیث رسول ﷺ سے وہ علوم و معارف ظاہر کرے گا جو لوگوں نے ظاہر نہ کیے اور اس کے نام کی شہرت مشرق و مغرب بلکہ تمام دنیا میں ہوگی۔

ازہر بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں سرکار دو عالم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دیدار کیا تو حضراتِ شیخین سے عرض کی، میں آقا کریم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔انھوں نے فرمایا، پوچھو مگر آواز بلند نہ ہونے پائے۔ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ میں ان کے متعلق اچھا خیال نہ رکھتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "ان کا علم حضرت خضر علیہ السلام کے علم سے ہے"۔

اور میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ آسمان سے تین ستارے پے در پے زمین پر گرے

اور ابو حنیفہ، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری بن گئے۔ (رحمہم اللہ) یہ خواب محمد بن مقاتل رحمہ اللہ سے بیان کیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا، ''واقعی یہ علماءِ دین کے ستارے ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۲۳۴)

فضل بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا، میرے آقا! آپ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا، ''یہ ایسا علم ہے کہ جس کی لوگوں کو ضرورت ہے''۔

مسدد بن عبدالرحمٰن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں مکہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان فجر سے پہلے سو گیا تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں ہے اور جسکا نام نعمان بن ثابت ہے۔ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ تو آپ نے فرمایا، ''ہاں! ان سے علم حاصل کرو۔ وہ بہت اچھے فقیہ ہیں''۔ تو میں خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہوئے بیدار ہوا کیونکہ میں نعمان رحمہ اللہ کو بہت برا سمجھتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے محبوب ہو گئے''۔ (ایضاً: ۲۳۹، مناقب للموفق: ۴۵۴)

یہ تو ان خوابوں کا بیان تھا جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے وصال سے قبل دیکھے گئے۔ اب وہ خواب بیان کیے جاتے ہیں جو آپ کے وصال کے بعد دیکھے گئے۔

حضرت حفص بن غیاث رحمہ اللہ نے فرمایا، ''امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا، فرمایا، مجھے بخش دیا گیا۔ میں نے پوچھا، آپ کے قیاس کا کیا بنا؟ فرمایا، میرا قیاس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا نکلا''۔

مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ تفسیر کے امام تھے۔ انکی مجلس میں ایک شخص نے اٹھ کر پہلے

لوگوں سے اپنے نیک ہونے کی گواہی لی اور پھر یہ خواب بیان کیا، کہ میں نے دیکھا، ''ایک شخص سفید پوشاک پہنے آسمان سے بغداد کے سب سے اونچے مینار پر اتر رہا ہے اور پھر سارے شہر میں اعلان ہوتا ہے لوگو آؤ زیارت کرو''۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آج دنیائے اسلام کا کوئی بہت بڑا عالم رخصت ہو گیا ہوگا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ گذشتہ روز امام اعظم رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مقاتل رحمہ اللہ خوب روئے اور فرمایا، آج وہ رخصت ہو گیا جو امتِ مصطفیٰ ﷺ کی مشکلات آسان کیا کرتا تھا''۔ (مناقب للموفق:۴۵۲)

صالح بن خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں اسی اثناء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپکی تعظیم کی اور حضور ﷺ اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ (ایضاً:۴۵۴)

اسی طرح ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں اور آپ ایک بہت بڑے رجسٹر میں بعض لوگوں کے نام اور انکے لیے انعامات لکھتے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا اور یہ رجسٹر کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے عمل اور مذہب کو قبولیت عطا فرمائی اور مجھے بخش دیا، پھر امت مصطفوی ﷺ کی لیے میری دعائیں اور شفاعت بھی قبول فرمائی۔ پوچھا گیا، آپ کتنے علم والے کے نام لکھ رہے ہیں؟ فرمایا، جسے اتنا بھی علم ہو کہ راکھ سے تیمم ناجائز ہے تو اس کا نام بھی لکھ لیتا ہوں۔ (ایضاً:۴۵۵)

سیدنا علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت معاذ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کا دیدار کیا اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، عند علم ابی حنیفة۔

"ابوحنیفہ کے علم میں"۔

داتا صاحب رحمہ اللہ پھر اپنا واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور ﷺ باب شیبہ سے تشریف لائے اور ایک بوڑھے آدمی کو اس طرح گود میں لیے ہوئے تھے جیسے والدین چھوٹے بچوں کو سینے سے چمٹا لیتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی اور میں حیران تھا کہ یہ خوش نصیب معمر شخص کون ہے جسے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سینۂ مبارک سے لگایا ہوا ہے۔

حضور ﷺ نے میرے دل کی بات سمجھ لی اور فرمایا، "یہ مسلمانوں کا امام ہے اور تیرے دیار کا رہنے والا ابوحنیفہ ہے"۔ (کشف المحجوب:۱٦۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ کوئی بڑا آدمی اگر آگے چل رہا ہو اور بچہ اسکے پیچھے چلے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بچہ گر نہ جائے۔ یونہی کوئی بچہ اگر کسی بڑے کی انگلی پکڑ کر چلے تو بھی گرنے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ داتا صاحب رحمہ اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ آقا و مولیٰ ﷺ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور نہ ہی یہ دیکھا کہ وہ آقا کریم ﷺ کی انگلی پکڑ کر چل رہے ہیں بلکہ یہ دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ خود نہیں چل رہے بلکہ مصطفیٰ کریم ﷺ انہیں گود میں لے کر چلا رہے ہیں اس لیے ان کی فقہ میں خطا نہیں ہے۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں،

"رسول کریم ﷺ سہو و خطا سے بالاتر ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو و خطا کا مرتکب ہو سکے"۔ (ایضاً:۱٦٦) سبحان اللہ!



باب پنجم (5)

وصایا اور نصیحتیں:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیّت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا،

''تم سب میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرا حزن و ملال دور کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے لیے فقہ کی سواری تیار کی، اسکی زین کس دی اور اسکی لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے اور تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضا سے علیحدہ ہو جانا، تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر قضا کے منصب پر قائم رہ کو خلقِ خدا کی امداد کرنا۔

ایسے لوگ جو امورِ دنیا سے علیحدہ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لیے تنخواہ حلال ہے۔ اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا کہ وہ تمہیں مل نہ سکیں۔ ان کے لیے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا، پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا، جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لیے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ عشاء کے بعد تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جا سکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا۔ یاد

رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقب للموفق:۷۷ ملخصاً)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص شاگردوں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ کے نام جو وصایا تحریر فرمائے وہ بلا شبہ نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک مشفق باپ، مہربان استاد، عظیم دانشور اور ماہرِ نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں بلکہ آپ کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی و دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ مزید یہ کہ یہ نصیحتیں خواص و عوام دونوں کے لیے یکساں نصیحت آموز ہیں۔ یہ دونوں وصایا پیشِ خدمت ہیں:-

1۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسنِ سیرت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں سے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب!!!

حاکم کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

سلطانِ وقت کی عزت کرو اور اس کے مقام کا خیال رکھو۔ اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور سے پرہیز کرو۔ اور ہر وقت اس کے پاس حاضر نہ رہو جب تک کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔ کیونکہ جب تم اس سے کثرت سے ملو گے تو وہ تمھیں حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور تمھارا مقام اس کی نظروں سے گر جائے گا۔ بس تم اسکے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اٹھاتے ہو اور دور بھی رہتے ہو، اس کے قریب تک نہیں جاتے کیونکہ اکثر حاکم اپنی

ذات اور اپنے مفادات کے علاوہ کچھ اور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔
تم حاکم کے قریب کثرتِ کلام سے بچو کہ وہ تمہاری گرفت کرے گا تا کہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھلا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور تمھارا محاسبہ کرے گا تا کہ تم اس کے حواریوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ۔ بلکہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جب اس کے دربار میں جاؤ تو وہ دوسروں کے مقابلے میں تمہارے رتبہ کا خیال رکھے۔ اور سلطان کے دربار میں کسی ایسے وقت نہ جاؤ جب وہاں دیگر ایسے اہل علم موجود ہوں جن کو تم جانتے نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تمھارا علمی رتبہ ان سے کم ہوگا تو ممکن ہے کہ تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جذبہ تمھارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحبِ علم ہو تو شاید تم ان کو کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکمِ وقت کی نظروں سے گر جاؤ۔
جب سلطانِ وقت تمھیں کوئی منصب عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے یا تمھارے مسلک سے علم وقضایا کے بارے میں مطمئن ہے تا کہ فیصلوں میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کی حاجت نہ ہو۔ اور سلطان کے مقربین اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا، صرف سلطانِ وقت سے رابطہ رکھنا اور اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تا کہ تمھارا وقار اور عزت برقرار رہے۔

عوام کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

عوام کے پوچھے گئے مسائل کے علاوہ ان سے بلاضرورت بات چیت نہ کیا کرو۔ عوام الناس اور تاجروں سے علمی باتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہ کیا کرو تا کہ ان کو تمھاری محبت و رغبت میں مال کا لالچ نظر نہ آئے ورنہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر لیں گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور

زیادہ مسکرانے سے باز رہو اور بازار میں بکثرت جایا نہ کرو۔ بے ریش لڑکوں سے زیادہ بات چیت نہ کیا کرو کہ وہ فتنہ ہیں البتہ چھوٹے بچوں سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو۔

عام لوگوں اور بوڑھے لوگوں کے ساتھ شاہراہ پر نہ چلو، اس لئے کہ اگر تم ان کو آگے بڑھنے دو گے تو اس سے علم دین کی بے توقیری ظاہر ہوگی اور اگر تم ان سے آگے چلو گے تو یہ بات بھی معیوب ہوگی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں۔ حضور علیہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بزرگوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

کسی راہگذر پر نہ بیٹھا کرو اور اگر بیٹھنے کا دل چاہے تو مسجد میں بیٹھا کرو۔ بازاروں اور مساجد میں کوئی چیز نہ کھایا کرو۔ پانی کی سبیل اور وہاں پانی پلانے والوں کے ہاتھ سے پانی نہ پیو۔ مخمل، زیور اور انواع واقسام کے ریشمی ملبوسات نہ پہنو کہ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے اور رعونت جھلکتی ہے۔

ازدواجی آداب:

اپنی فطری حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت گفتگو کے سوا بستر پر اپنی بیوی سے زیادہ بات نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ کثرت سے لمس ومَس اختیار نہ کرو، اور جب بھی اسکے پاس جاؤ تو اللہ کے ذکر کے ساتھ جاؤ۔ اور اپنی بیوی سے دوسروں کی عورتوں کے بارے میں بات نہ کیا کرو کہ وہ تم سے بے تکلف ہو جائیں گی اور بہت ممکن ہے کہ جب تم دوسری عورتوں کا ذکر کرو گے تو وہ تم سے دوسرے مردوں کے متعلق بات کریں گی۔

اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرو جس کے شوہر نے اس کو طلاق دی ہو اور باپ، ماں یا سابقہ خاوند سے لڑکی موجود ہو۔ لیکن صرف اس شرط پر کہ

تمھارے گھر اس کا کوئی رشتہ دار ہیں آئے گا۔ اس لئے کہ جب عورت مال دار ہو جاتی ہے تو اس کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ اس عورت کے پاس جو بھی مال ہے وہ سب اس کا ہے اور اس عورت کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہے۔ اور دوسری شرط یہ رکھے کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ بھی اپنے والد کے گھر نہیں جائے گی۔

اور نکاح کے بعد تم اس بات پر راضی نہ ہو جانا کہ تم شبِ زفاف سسرال میں گزارو گے ورنہ وہ لوگ تمھارا مال لے لیں گے اور اپنی بیٹی کے سلسلہ میں انتہائی لالچ سے کام لیں گے۔ اور صاحبِ اولاد خاتون سے شادی نہ کرنا کہ وہ تمام مال اپنی اولاد کے لئے جمع کرے گی اور ان پر ہی خرچ کرے گی اس لئے کہ اس کو اپنی اولاد تمھاری اولاد سے زیادہ پیاری ہوگی۔ تم اپنی دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں نہ رکھنا، اور جب تک دو بیویوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو، دوسرا نکاح نہ کرنا۔

امورِ زندگی کی ترتیب:

(امورِ زندگی کی بہترین ترتیب یہ ہے کہ) پہلے علم حاصل کرو پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو اور پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرو۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے کی جدوجہد کرو گے تو تم حصولِ علم سے قاصر رہو گے۔ اور یہ مال تمھیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیلِ علم سے قبل ہی تمھیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا، اس طرح تمھارا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور جب تمھارے اہل وعیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمھیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔

اس لیے علم حاصل کرو آغازِ شباب میں جب کہ تمھارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال کمانے کا مشغلہ اختیار کرو تا کہ شادی سے قبل تمھارے پاس بقدرِ ضرورت مال ہو کہ اسکے بغیر اہل وعیال کی ضروریات دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی

ہیں لہٰذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ہی ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔

سیرت و کردار کی تعمیر:

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی کا خصوصی خیال رکھو اور لوگوں کو عزت دو تا کہ وہ تمھاری عزت کریں۔ ان کی ملنساری سے پہلے ان سے زیادہ میل جول نہ رکھو اور ان سے میل جول میں مسائل کا تذکرہ بھی کرو کہ اگر مخاطب اس کا اہل ہوگا تو جواب دے گا۔ اور عام لوگوں سے دینی امور کے ضمن میں علم کلام (عقائد کے عقلی دلائل) پر گفتگو سے پرہیز کرو کہ وہ لوگ تمھاری تقلید کریں گے اور علم کلام میں مشغول ہو جائیں گے۔

جو شخص تمھارے پاس استفتاء کے لئے آئے اس کو صرف اس کے سوال کا جواب دو اور دوسری کسی بات کا اضافہ نہ کرو ورنہ اس کے سوال کا غیر محتاط جواب تمھیں تشویش میں مبتلا کر سکتا ہے۔ علم سکھانے سے کسی حالت میں اعراض نہ کرنا اگر چہ تم دس سال تک اس طرح رہو کہ تمھارا نہ کوئی ذریعۂ معاش ہو، نہ کوئی اکتسابی طاقت، کیونکہ اگر تم علم سے اعراض کرو گے تو تمھاری معیشت (گزر بسر) تنگ ہو جائے گی۔

تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اولاد بنا لیا ہے تا کہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔ اگر کوئی عام شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا نہ کرنا ورنہ تمھاری عزت چلی جائے گی۔ اور اظہارِ حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو اگر چہ وہ سلطانِ وقت ہو۔

جتنی عبادت دوسرے لوگ کرتے ہیں اس سے زیادہ عبادت کرو، ان سے کمتر عبادت کو اپنے لئے پسند نہ کرو بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرو۔ کیونکہ عوام جب کسی عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں اور پھر وہ دیکھیں کہ تمھاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمھارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ

تمھارے علم نے تمھیں کوئی نفع نہیں پہنچایا سوائے اسی نفع کے جو اُن کو انکی جہالت نے بخشا ہے جس میں وہ مبتلا ہیں۔

معاشرتی آداب:

جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہلِ علم بھی ہوں تو وہاں اپنی ذات کے لئے کسی امتیازی حیثیت کو اختیار نہ کرو، بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی ایک عام سے شہری ہو، تاکہ ان کو یقین ہو جائے کہ تمھیں ان کی جاہ و منزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے ورنہ اگر اُنہوں نے تم سے اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کیا تو وہ سب تمھارے خلاف کام کریں گے اور تمھارے مسلک پر کیچڑ اُچھالیں گے اور (ان کی شہ پر) عوام بھی تمھارے خلاف ہو جائیں گے اور تمھیں بُری نظر سے دیکھیں گے جس کی وجہ سے تم ان کی نظروں میں کسی قصور کے بغیر مجرم بن جاؤ گے۔

اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث و تکرار سے باز رہو اور جوبات ان سے کرو، واضح دلیل کے ساتھ کرو۔ اور ان کے اساتذہ کو طعنہ نہ دو، ورنہ تمھارے اندر بھی کیڑے نکالیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے ہوشیار رہو اور اپنے باطنی احوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا خالص بنالو جیسا کہ تمھارے ظاہری احوال ہیں۔ اور علم کا معاملہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تاوقتیکہ تم اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے مطابق نہ بنالو۔

آدابِ زندگی:

جب سلطانِ وقت تمھیں کوئی ایسا منصب دینا چاہے جو تمھارے لیے مناسب نہیں ہے تو اسے اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک کہ تمھیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے جو منصب تمھیں سونپا ہے وہ محض تمھارے علم کی وجہ سے سونپا ہے۔ اور مجلس فکر و نظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو کیونکہ یہ خوفزدگی کلام میں اثر انداز ہوگی اور زبان کو ناکارہ

بنادے گی۔

زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنادیتا ہے۔ چلنے کے دوران سکون واطمینان سے چلو اور امورِ زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنو اور جو تمھیں پیچھے سے آواز دے اس کی آواز کا جواب مت دو کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کو دی جاتی ہے۔ اور گفتگو کے وقت نہ چیخو اور نہ ہی اپنی آواز کو زیادہ بلند کرو۔ سکون اور قلتِ حرکت کو اپنی عادات میں شامل کرو تاکہ لوگوں کو تمھاری ثابت قدمی کا یقین ہو جائے۔

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں۔ اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کرلو جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور صبر واستقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان پر اس کا شکر ادا کرو اور اپنے لئے ہر ماہ کے چند ایام روزہ کے لئے مقرر کرلو تاکہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمھاری پیروی کریں۔

اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو اور دوسروں کے رویہ پر بھی نظر رکھو تاکہ تم اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا اور آخرت میں نفع اٹھاؤ۔ تمہیں چاہیے کہ بذاتِ خود خرید وفروخت مت کرو بلکہ اس کے لئے ایک ایسا خدمت گار رکھو جو تمھاری ایسی حاجتوں کو بحسن وخوبی پورا کرے اور تم اس پر اپنے دنیاوی معاملات میں اعتماد کرو۔ اپنے دنیاوی معاملات اور خود کو درپیش صورت حال کے بارے میں بے فکر مت رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

سلطانِ وقت سے اپنے خصوصی تعلق کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ تمھیں اس کا قرب حاصل ہو ورنہ لوگ تمھارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اگر تم نے لوگوں کی حاجتوں کو اس کے دربار میں پیش کرنا شروع کردیا تو وہ تمھیں تمھارے مقام

سے گرادے گا اور اگر تم نے ان کی حاجتوں کی تکمیل کے لیے کوشش نہ کی تو حاجت مند تمھیں الزام دیں گے۔

آدابِ وعظ و نصیحت:

غلط باتوں میں لوگوں کی پیروی نہ کرو بلکہ صحیح باتوں میں ان کی پیروی کرو۔ جب تم کسی شخص میں بُرائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس بُرائی کے ساتھ نہ کرو بلکہ اس سے بھلائی کی امید رکھو۔ اور جب وہ بھلائی کرے تو اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو۔ البتہ اگر تمہیں اس کے دین میں خرابی معلوم ہو تو لوگوں کو اس سے ضرور آگاہ کر دو تا کہ لوگ اس کی اتباع نہ کریں اور اس سے دور رہیں۔ حضور علیہ السلام نے ہدایت فرمائی ہے کہ فاسق و فاجر آدمی جس برائی میں مبتلا ہے اسے بیان کرو تا کہ لوگ اس سے بچیں اگرچہ وہ شخص صاحبِ جاہ و منزلت ہو۔

اس طرح جس شخص کے دین میں تم خلل دیکھو اسے بھی بیان کرو، اور اس کے عزت و مرتبہ کی پرواہ نہ کرو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمھارا اور اپنے دین کا معین اور مددگار ہے۔ اگر تم ایک مرتبہ ایسا کر دو گے تو وہ لوگ تم سے ڈریں گے اور کوئی شخص دین میں نئے گمراہ کن افکار و اعمال کے اظہار کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

جب تم سلطانِ وقت سے خلافِ دین کوئی بات دیکھو تو اس کو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے آگاہ کر دو۔ یہ اظہارِ وفاداری اس وجہ سے ہے کہ اس کا ہاتھ تمھارے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ تم اس طرح اظہارِ خیال کرو کہ جہاں تک آپ کے اقتدار اور غلبہ کا تعلق ہے میں آپ کا فرماں بردار ہوں بجز اس کے کہ میں آپ کی فلاں عادت کے سلسلہ میں جو دین کے مطابق نہیں ہے آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ اگر تم نے ایک بار سلطان و حاکم کے ساتھ اس جرأت سے کام لیا تو وہ تمھارے لئے کافی ہوگی، اس لئے کہ تم اگر اس سے بار بار کہو گے تو وہ شاید تم پر سختی

کرے اور اس میں دین کی ذلت ہوگی۔

اگر وہ ایک بار یا دو بار سختی سے پیش آئے اور تمھاری دینی جد و جہد کا اور امر بالمعروف میں تمھاری رغبت کا اندازہ کرے اور اس وجہ سے وہ دوسری مرتبہ خلافِ دین حرکت کرے تو اس سے اس کے گھر پر تنہائی میں ملاقات کرو اور دین کی رُو سے نصیحت کا فریضہ ادا کرو۔ اگر حاکمِ وقت مبتدع ہے تو اس سے دو بدو بحث کرو اگرچہ وہ سلطان ہے اور اس سلسلہ میں کتاب وسنتِ رسول ﷺ میں سے جو تمھیں یاد ہو اسے یاد دلاؤ۔ اگر وہ ان باتوں کو قبول کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس سے تمھاری حفاظت فرمائے۔

تم موت کو یاد رکھو اور اپنے ان اساتذہ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، استغفار کیا کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرو اور عام مسلمانوں کے ان خوابوں کو جو نبی کریم ﷺ اور صالحین سے متعلق تمھیں سنائے جائیں، خواہ مسجد ہو یا قبرستان یعنی ہر جگہ توجہ سے سنو اور نفس پرستوں میں سے کسی کے پاس نہ بیٹھو۔ سوائے اسکے کہ کسی کو دین کی طرف بلانا ہو۔ کھیل کود اور گالم گلوچ سے اجتناب کرو اور جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرو تاکہ عام لوگ اس بات میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

سلطانِ وقت کے قرب جوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔ اگر اپنے ہمسائے میں کوئی بری بات دیکھو تو پوشیدہ رکھو کہ یہ بھی امانت داری ہے اور لوگوں کے بھید ظاہر نہ کرو اور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس کو اپنے علم کے مطابق صحیح مشورہ دو کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے اور میری اس وصیت کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ یہ وصیت تمھیں اِنشاءاللہ، دنیا اور آخرت میں نفع دے گی۔

اخلاقِ حسنہ:

بخل سے اجتناب کرو کہ اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ لالچی اور دروغ گو نہ بنو۔حق و باطل (یا مذاق و سنجیدگی) کو آپس میں خلط ملط نہ کیا کرو بلکہ تمام امور میں اپنی غیرت وحمیّت کی حفاظت کرو۔اور ہر حال میں سفید لباس زیب تن کرو۔اپنی طرف سے حرص سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے دل کا غنی ہونا ظاہر کرو۔اور اپنے آپ کو مال دار ظاہر کرو اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دو اگر چہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔

باہمت بنو اور جس شخص کی ہمت کم ہوگی اس کا درجہ بھی کم ہوگا اور راہ چلتے دائیں بائیں توجہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ زمین کی جانب نظر رکھو اور جب تم حمام میں داخل ہو تو حمام اور نشست گاہ کی اجرت دوسرے لوگوں سے زیادہ دو تا کہ ان پر تمھاری اعلیٰ ہمتی ظاہر ہو اور وہ تمھیں باعظمت انسان خیال کریں۔اور اپنا سامانِ تجارت کاریگروں کے پاس جا کر خود ان کے حوالے نہ کیا کرو بلکہ اسکے لیے ایک بااعتماد ملازم رکھو جو یہ امور انجام دیا کرے اور درہم و دینار کی خرید وفروخت میں ذہانت سے کام لو یعنی لین دین میں چوکس رہو اور اپنے حق کے لئے کوشش کرو۔

نیز درہموں کا وزن خود نہ کیا کرو بلکہ اس معاملہ میں بھی کسی بااعتماد شخص سے کام لو۔اور متاعِ دنیا جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے،اسے حقیر جانو کہ اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ دنیا سے بہتر ہیں۔غرضیکہ اپنے دنیاوی معاملات کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دو تا کہ تمھاری توجہ علم دین پر پوری طرح مرکوز رہے۔ یہ طرزِ عمل تمھاری ضروریات کی تکمیل کا زیادہ محافظ ہے۔

پاگلوں سے اور ان اہل علم سے جو حجت اور مناظرہ کے اسلوب سے بے بہرہ ہیں کلام نہ کرو۔ اور وہ لوگ جو جاہ پرست ہیں اور لوگوں کے معاملات میں عجیب وغریب

مسائل کا ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ تمھیں کسی طرح نیچا دکھانے کے خواہش مند ہوں گے اور اپنی انا کے مقابلہ میں وہ تمھاری کوئی پرواہ نہیں کریں گے اگرچہ وہ سمجھ لیں گے کہ تم حق پر ہو۔

اور جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا جب تک کہ وہ خود تمھیں بلند جگہ نہ عطا کر دیں تا کہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لئے پیش قدمی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تمھیں ازراہِ تعظیم مقدم نہ کریں۔ اور حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت داخل نہ ہو اور سیر گاہوں میں بھی نہ جایا کرو (کہ وہ عوام کی جگہیں ہیں)۔

آدابِ مجلس:

سلاطین کے مظالم کے وقت وہاں حاضر نہ رہا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں یقین ہو کہ اگر تم ان کو ٹوکو گے تو وہ انصاف کریں گے۔ بصورتِ دیگر وہ تمھاری موجودگی میں کوئی ناجائز کام کریں گے اور بسا اوقات انھیں ٹوکنے کی تمھیں قدرت و ہمت نہ ہو گی تو لوگ تمھاری خاموشی کی بناء پر گمان کریں گے کہ سلاطین کا وہ ناجائز کام برحق ہے۔

علمی مجلس میں غصہ سے اجتناب کرو۔ اور عام لوگوں کو قصہ کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو جھوٹ بولے بغیر چارہ نہیں۔ جب تم کسی اہل علم کے ساتھ علمی نشست کا ارادہ کرو اور وہ فقہی مجلس ہے تو اس میں بیٹھو اور وہاں ان باتوں کو بیان کرو جو مخاطب کے لئے تعلیم کا حکم رکھتی ہوں تا کہ تمھاری حاضری سے لوگوں کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ تمھارا ہم نشیں کوئی عالم ہے جب کہ وہ درحقیقت عالم نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص فتویٰ سمجھنے کا اہل ہے تو فتویٰ بیان کرو ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کہیں نہ بیٹھو کہ کوئی دوسرا شخص تمھاری موجودگی میں درس دیا کرے بلکہ اس کے پاس اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بٹھا دو تا کہ وہ تمھیں اس کی گفتگو کی کیفیت اور اور اس کے علم

کے بارے میں بتادے۔

ذکر کی مجالس میں یا اس شخص کی مجلسِ وعظ میں حاضری نہ دو جو تمھاری جاہ ومنزلت یا تمھاری جانب سے اپنے تزکیہ نفس کی نسبت سے مجلس قائم کرے بلکہ ان کی جانب اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شخص کی معیت میں اپنے اہل محلّہ اور اپنے عوام کو جن پر تمھیں اعتماد ہے متوجہ کرو (کہ وہ وہاں جایا کریں)۔ اور نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالے کردو اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالے کردو۔

(آخری بات یہ کہ) ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کرنا اور ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ تمھارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدے کے لئے ہیں۔

2۔ یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ کے نام:

یوسف بن خالد سمتی رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر جب علم حاصل کرلیا تو اپنے شہر بصرہ کو واپس ہونے کا ارادہ کیا اور آپ سے اجازت چاہی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں یہ باتیں تمھیں ہر جگہ کام دیں گی خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہل علم کے مراتب کا سوال ہو، تادیب نفس کا مرحلہ ہو یا سیاسی امور کا، خواص وعوام کی تربیت کا معاملہ ہو یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو غرض کہ یہ باتیں دینی اور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گی اور لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ ہوں گی۔

تعمیر انسانیت:

اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو برا سمجھو گے تو لوگ تمھارے دشمن بن جائیں گے چاہے وہ تمھارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں اور جب اس معاشرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمھیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمھارے

ماں باپ بن جائیں گے۔

پھر فرمایا، ذرا اطمینان سے مجھے چند باتیں کہنے دو میں تمھارے لئے ایسے امور کی نشان دہی کئے دیتا ہوں جن کا خود بخود شکریہ کے ساتھ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا، دیکھو گویا میں تمھارے ساتھ ہوں اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو اور تم اپنے مخالفوں کی طرف متوجہ ہو گئے اپنے آپ کو ان پر فوقیت دینے لگے۔

تم نے اپنے علم کی وجہ سے خود کو ان پر بڑا ثابت کیا ان کے ساتھ میل جول کو برا سمجھا ان کے معاشرے سے جدا ہوئے اور ان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے نتیجہ میں انھوں نے بھی تمھاری مخالفت کی، تم نے انھیں چھوڑ دیا تو انھوں نے بھی تمھیں منہ نہیں لگایا، تم نے انھیں گالی دی ترکی بہ ترکی جواب ملا۔ تم نے انھیں گمراہ کہا تو انھوں نے بھی تمھیں بدعتی اور گمراہ قرار دیا اور یوں سب کا دامن آلودہ ہو گیا۔ اب تمھیں ضرورت ہوئی کہ تم ان سے کہیں دور بھاگ جاؤ اور یہ کھلی حماقت ہے۔ وہ شخص کبھی اچھی سوجھ بوجھ کا نہیں ہو سکتا کہ اسے کسی سے واسطہ پڑے اور وہ کوئی راہ پیدا ہونے تک نباہ نہ کر سکے۔

معاشرتی حقوق:

جب تم بصرہ پہنچو گے تو لوگ تمھارا خیر مقدم کریں گے، تم سے ملنے کے لئے آئیں گے کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو بزرگوں کو عزت دو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، نیک و بد کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھو۔ بادشاہ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کم تر نہ سمجھو، اپنی مروّت اور شرافت کو پسِ پشت نہ ڈالو۔

اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو، خسیس الطبع اور کمینوں سے میل جول نہ رکھو، اس شخص سے محبت کا اظہار نہ کرو جو تمھیں پسند نہ کرتا ہو۔ سنو کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو اور نہ ہی ان کا ہدیہ

قبول کرو۔

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن اخلاق، کشادہ دلی اور اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لئے لازم رکھو۔ سواریوں میں ہمیشہ اچھی سواری ہی استعمال کرو۔ حوائج ضروریہ کے لئے کوئی وقت مقرر کرلو تاکہ ہر کام آسانی سے کرسکو۔ اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو، ان کی اصلاح کی سب سے پہلے فکر کرو مگر اس میں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو، نرم لہجہ میں گفتگو کرو، عتاب و توبیخ سے بچو کہ اس سے نصیحت کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ انھیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں، ایسا کرنے سے تمھارے حالات درست رہیں گے۔

تعمیر سیرت:

نماز کی پابندی کرو اور سخاوت سے کام لو کیونکہ بخیل آدمی کبھی بھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار رکھ لو جو تمھیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمھیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو اور جب اصلاح پا جائے تو اپنی عنایت اور رغبت کو اور بڑھاؤ۔ جو شخص تم سے ملے تم اس سے ملو اور اس سے بھی ملو جو نہ ملے۔ جو شخص تمھارے ساتھ نیک سلوک کرے تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو کوئی بدخلقی سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو اور عفو و کرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو اور جو تم سے بیزار ہو اس سے ترک تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔

حقوق العباد:

اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو مزاج پرسی کرو اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ جو شخص تمھارے پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمھاری برائی کی تو درگزر کرو۔ جو شخص تمھارے بارے

میں غلط مشہور کرے تم اس کے بارے میں اچھی بات کہو۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق پورے کرو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اسے مبارک دو، اگر کسی پر مصیبت پڑ جائے تو اس کی غمخواری کرو۔

اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شریک ہو اور اگر وہ تم سے کام لینا چاہے تو کام کر دو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو، اگر کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو، جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں کی مدد کرو۔ لوگوں سے محبت و شفقت کا اظہار کرو، سلام کو رواج دو خواہ وہ کمینوں کی جماعت ہی کیوں نہ ہو۔

تعلیم و تربیت:

اگر مسجد میں تمھارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں تو ان سے اختلاف رائے نہ کرو۔ اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے وہ بتاؤ جو لوگوں میں رائج ہو پھر بتاؤ کہ دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ اس طرح ان کے دلوں میں تمھاری قدر و منزلت جاگزیں ہو جائے گی اور جو شخص تمھاری مخالفت کرے تو اسے کوئی ایسی راہ دکھا دو جس پر وہ غور کرے۔ لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو اور مشکل اور گہرے مسائل بیان نہ کیا کرو کہ کہیں وہ غلط مطلب نہ سمجھ لیں۔

لوگوں سے لطف و مہربانی کا سلوک کیا کرو بلکہ کبھی کبھی ان سے مذاق بھی کر لیا کرو کیونکہ تمھارا یہ عمل لوگوں میں تمھاری محبت پیدا کر دے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت سے پیش آؤ، چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے درگزر کر دیا کرو اور ان کی ضروریات کو بھی پورا کیا کرو۔ بہتر یہی ہے کہ لطف و کرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصہ بنا لو۔

نہ تو کسی سے دل تنگ کرو اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ سے پیش آؤ۔ آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو کہ گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند

کرتے ہو اور ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمھیں پسند ہیں۔

تزکیۂ نفس:

نفس کی حفاظت اور احوال کی دیکھ بھال کرو اور فتنہ و جھگڑے سے دور رہو۔ اگر کوئی شخص تم سے بری طرح بات کرتا ہے تو اس سے اچھی طرح بات کرو اور اس کو جھڑکو نہیں۔ اگر کوئی تمھاری باتیں غور سے سن رہا ہو تو تم بھی اس کی طرف کان لگالو۔ لوگوں کو ایسی چیزوں کا مکلف نہ بناؤ جس کی وہ تمھیں تکلیف نہیں دیتے۔ اخلاصِ نیت سے لوگوں کا خیر مقدم کرو اور سچائی کو لازم کرلو۔

غرور و تکبر کو اپنے سے دور رکھو اور دھوکہ بازی سے دور رہو خواہ لوگ تمھارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو خواہ لوگ تمھارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، وفاداری اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اہل کتاب سے وہی تعلق اور معاملہ رکھو جیسا وہ تمھارے ساتھ رکھتے ہوں۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے۔ دیکھو اس وقت میں دو کیفیتوں سے دو چار ہوں۔ تم نظر سے دور ہو جاؤ گے اس کا تو غم ہے اور اس پر مسرت ہے کہ تم نیک و بد کو پہچان لو گے۔

خط و کتابت جاری رکھنا اور اپنی ضرورتوں سے مطلع کرتے رہنا۔ تم میری اولاد ہو اور میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔

وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد النبی الامی وعلیٰ الہ و صحبہ وسلم۔



باب ششم(6)

فقہ کی فضیلت، قرآن میں:

عقل و دانش اور فہم و فراست، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ قرآن وحدیث کے دلائل وبراھین، احکام وتعلیمات اور اسرار ومعارف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مومن ان نعمتوں سے مالا مال ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔

"بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے"۔ (الروم:۲۴، کنزالایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوا، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔

"بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے"۔ (الروم:۲۱، کنزالایمان)

مزید فرمایا گیا، وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔

"اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں"۔ (الحشر:۲۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا، قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ۔

"بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والوں کے لیے"۔ (الانعام:۹۹)

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے بحرِ بیکراں سے تفقہ فی الدین کے انمول موتی حاصل کرنے کے لیے عقل وفہم کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عقلمند وہ نہیں جو وجودِ باری تعالیٰ کا منکر ہو یا منکرِ قرآن وحدیث ہو اور اس پر لغو دلائل قائم کرتا پھرے بلکہ عقل وخرد کا معیار خالقِ کائنات نے یہ بیان فرمایا،

"تم فرماؤ، کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان؟ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں"۔ (الزمر:۹، کنزالایمان)

گویا عقل وفہم والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے احکام اور نصیحتوں کو

مانتے ہیں۔قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ کافر اور منافق، عقل وفہم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ سے محروم رہتے ہیں۔ارشاد ہوا،

فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔

''توان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے''۔(النساء:۷۸)

دوسری جگہ فرمایا، **بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ'' لَّا يَفْقَهُوْنَ۔**

''اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے''۔(الانفال:۶۵، کنزالایمان)

مزید ارشاد ہوا، **لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۔** ''کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی''۔(التوبۃ:۸۱)

ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ تفقہ یعنی دین کی سمجھ سے محروم ہونا عیب اور مذموم ہے اور قرآن میں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی ہے۔اسکے برخلاف احکامِ دین کا علم وفہم حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور رب کریم نے اسے نعمت قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوا، **وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔**

''اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی''۔(البقرۃ:۲۶۸)

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں لفظ حکمت آیا ہے اس سے مرادعلمِ فقہ ہے۔(مناقب للموفق:۳۸۴)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد (شرعی) احکام ہیں۔(نزہۃ القاری:۱۸۹)

دین کا علم وفہم اس قدر اہم ہے کہ رب تعالیٰ نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد ہوا،

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ'' لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ...... والخ۔پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے،

''اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ انکے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر

سنائیں اس امید پر کہ وہ (گناہوں سے) بچیں"۔(التوبۃ:۱۲۲، کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صدرُالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہر شخص کو عالم وفقیہ بننا ضروری نہیں البتہ جو چیزیں بندے پر فرض و واجب ہیں اور جو اسکے لیے ممنوع وحرام ہیں، انکا سیکھنا فرضِ عین ہے اور اس سے زائد علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔حدیث شریف میں ہے، علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔(تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص پر دین کا تمام علم سیکھنا اور فقیہ بننا ضروری نہیں لہٰذا بعض لوگ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے تحت دین کا مکمل علم اور تفقہ فی الدین یعنی دین کی گہری سمجھ حاصل کریں اور جو غیر عالم وغیر فقیہ ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ عالم اور فقیہ کی تقلید کریں۔اس آیت کریمہ سے تقلید شرعی کا فرض ہونا بھی ثابت ہوا۔

فقہ کی فضیلت، حدیث میں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا،

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

"اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے"۔(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم)

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "اس حدیث میں واضح طور پر علماء کی سب لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے"۔(فتح الباری شرح بخاری ج ۱:۱۳۴)

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا۔

"جو دورِ جاہلیت میں بہتر افراد تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ ان میں دین کی فقہ

یعنی دین کی سمجھ ہو"۔(ایضاً)

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کے بہتر و افضل ہونے کی خوبی فقہ کو قرار دیا ہے۔اگر کوئی اور خوبی نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس سے بہتر ہوتی تو آپ اس کا ذکر فرماتے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک مومن کی بہترین خوبی اسکا فقہ کی صفت سے موصوف ہونا ہے۔اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے فقیہ ہونے کی دعا فرمائی۔

۳۔ رسول کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی، اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِي الدِّیْن۔"اے اللہ!اسے دین کا فقیہ بنا دے"۔(بخاری)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، فَقِیۡهٌ وَّاحِد" اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔"ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے"۔(ترمذی،ابن ماجہ،مشکوٰۃ کتاب العلم)

اس حدیث میں فقیہ کی یہ فضیلت بیان ہوئی کہ وہ ہزار عابد و زاہد لوگوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے کیونکہ وہ دین کے علم اور سمجھ بوجھ کی وجہ سے شیطان کے مکر و فریب کو جانتا ہے اور نہ صرف وہ خود اسکے مکر سے بچ جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی شیطان کے مکر و فریب سے بچانے کا سبب بنتا ہے۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تَفَقَّھُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا۔"سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو"۔(بخاری کتاب العلم) سردار اور راہنما ہونے کے لیے دین کا عالم و فقیہ ہونا چاہیے تاکہ علم کی روشنی میں لوگوں کی راہنمائی کی جائے۔

۶۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا،"اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اسکی مثال زوردار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔کچھ زمین عمدہ ہے جس نے پانی جذب کرلیا اور گھاس

اور سبزیاں خوب اگائیں اور کچھ زمین سخت ہے جس نے پانی جمع کرلیا اور اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، لوگوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی سیراب کی، اور کچھ زمین ایسی ہے جو چٹیل ہے نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ سبزہ اگایا۔ یہی مثال اسکی ہے، مَنْ فَقُهَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ وَ نَفَعَهُ یعنی جس نے اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دیکر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہنچایا، اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی۔ اور یہ مثال ہے اسکی جس نے اللہ کی اس ہدایت کی طرف سر ہی نہ اٹھایا اور نہ ہی اسے قبول کیا۔ (بخاری کتاب العلم)

اس حدیث پاک میں تین قسم کے لوگوں کی مثال تین قسم کی زمین سے دی گئی ہے۔

ایک زمین وہ جو نہ پانی جمع کرے اور نہ سبزہ وغیرہ اگائے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے دین پر توجہ نہیں دی۔ دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے مگر اس سے کچھ اگاتی نہیں البتہ اسکا جمع شدہ پانی دوسرے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مراد محدثین کرام ہیں جو فقیہ نہیں۔ وہ احادیث حفظ کر لیتے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام و مسائل کا استنباط نہیں کر سکتے۔ ان سے احادیث سن کر فقہاء کرام مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔

تیسری وہ زمین ہے جو پانی اپنے اندر جذب کر کے خزانے اگل دیتی ہے۔ یہ ان فقہائے کرام کی مثال ہے جو احادیث مبارکہ کو اپنے سینوں میں جذب کر کے ان سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل اخذ کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے ہدایت و رہبری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے میرے کلام کو سنکر اچھی طرح یاد کیا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض فقہ سیکھنے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ

اسے ان تک پہنچادیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہوتے ہیں''۔(مشکوۃ کتاب العلم)

یہ حدیث پاک مختلف الفاظ سے متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔امام سیوطی رحمہ اللہ اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔اس حدیث کو امام احمد، شافعی، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔(رحمہم اللہ تعالی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث روایت کرنے کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل کرنا ہے اسلیے وہ محدثین کرام جو فقیہ نہیں انکے ذمہ احادیث کا بیان کرنا اس لیے بھی زیادہ اہم ہے تا کہ وہ احادیث جن میں فقہ ہے ان حضرات تک پہنچ جائیں جو محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی۔

فقہاء کی فضیلت:

علم الحدیث میں دو چیزیں بنیادی اہمیت کی ہیں۔

اول: حدیث کی سند و روایت، اور دوم: حدیث کے معنی و درایت۔

حدیث کی سند و روایت کی حفاظت اس امت کے محدثین کرام نے کی ہے جبکہ حدیث کے معنی و درایت کا فریضہ امت کے جید فقہائے عظام نے انجام دیا ہے۔یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فقہاء کرام کو علم الحدیث پر کامل دسترس ہوتی ہے۔اگر فقہاء کرام کا عام غیر فقیہ محدثین سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین مواعظ، قصص، فضائل اور ہر قسم کی روایات کا احاطہ کرتے ہیں جبکہ فقہاء کرام زیادہ تر ان احادیث سے غرض رکھتے ہیں جن سے کوئی نہ کوئی شرعی حکم مستنبط ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ محدثین کی نسبت فقہاء کرام کی روایات کی تعداد بہت قلیل دکھائی دیتی ہے۔

خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ محدثین کرام کی ایک جماعت تشریف فرما تھی کہ مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے سوال کیا، ''حیض والی عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟'' امام یحییٰ بن معین، ابو خیثمہ، زہیر بن حرب، خلف

بن سالم وغیرہ دیگر جید محدثین کرام (رحمہم اللہ) ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کسی کو اس کے سوال کا جواب نہ آیا۔ اس دوران امام ابوثور رحمہ اللہ جو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد اور فقیہ بھی تھے، وہاں تشریف لے آئے۔

اس عورت نے اپنا مسئلہ ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے۔ کیونکہ آقا و مولیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں حضور علیہ السلام کے سر مبارک پر پانی ڈال کر مانگ نکالتی تھیں۔ جب اس مخصوص حالت میں زندہ شخص کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو غسل کیوں نہیں دیا جا سکتا؟

امام ابوثور رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ جب محدثین کرام نے سنا تو اس حدیث کی اسناد پر گفتگو شروع کر دی کہ یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے اور یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس سائلہ عورت نے ان محدثین کرام سے مخاطب ہو کر کہا، آپ لوگ اب تک کہاں تھے؟ (تاریخ بغداد ج ٦: ٦٧)

اس سے معلوم ہوا کہ محض حدیث کی اسناد اور طرق جمع کر لینے سے مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل حل نہیں ہو سکتے ورنہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدث اس حدیث کو حفظ کر لینے کے باوجود لاجواب نہ ہو جاتے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کرام بھی احادیث سے مسائل اخذ کرنے میں فقہاء کرام کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں"۔ (جامع ترمذی ج ١: ١١٨)

اسی طرح ایک بار کسی شخص نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ

نے فرمایا، کسی اور سے پوچھ لو، اس نے عرض کی، آپ ہی اسکا جواب ارشاد فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے کسی اور سے پوچھ لو، فقہاء سے پوچھو، امام ابوثور رحمہ اللہ سے پوچھ لو"۔ (تاریخ بغداد، ج ٦:٦٦)

امام احمد بن حنبل ائمہ اربعہ میں سے نامور امام ہیں۔ محدث بھی ہیں، مجتہد بھی۔ مگر ایک پیچیدہ مسئلہ کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ "اسے فقہاء سے پوچھ لو"۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکا اجتہاد بہت قلیل درجہ میں ہے۔ "جس قدر حدیث و روایت میں انکا زیادہ اعتبار ہے اس قدر استنباط اور اجتہاد میں انکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں انکا شمار نہیں کیا۔ قاضی ابن عبدالبر مالکی نے کتاب "الانتقاء فی فضائل الثلثۃ الفقہاء" میں جو مجتہدین کے حالات میں لکھی، اس میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی پر اکتفا کیا (رضی اللہ عنہم)"۔ (سیرۃ النعمان: ١٥٤)

ابوبکر بن عبدان رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، درایت اور حفظ میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا، الدرایۃ فوق الحفظ۔ "درایت حفظ سے اوپر ہے" یعنی حدیث کی سمجھ بوجھ اسے یاد کرنے سے اعلیٰ ہے۔ (تاریخ بغداد، ج ١٤: ٢٣٣)

معروف محدث امام اعمش رحمہ اللہ ایک دن امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مختلف سوالات کرتے جاتے تھے اور آپ ان سوالات کے جوابات دیتے جاتے۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے تعجب سے پوچھا، آپ کو اس قدر علوم کہاں سے حاصل ہوئے؟ آپ نے فرمایا، انہی احادیث سے جو آپ نے روایت کی ہیں، پھر آپ نے ان کی روایت کردہ احادیث سنا دیں۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے برملا فرمایا، اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ (مناقب للموفق: ١٦٣)

یعنی جس طرح کیمسٹ یعنی عطار اور پنساری طرح طرح کی دوائیں اور مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اپنی دوکان میں رکھتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کس بیماری کا علاج

ہیں؟ انکے خواص کیا ہیں؟ خوراک کی مقدار کیا ہے؟ وغیرہ۔ یہ سب باتیں تو ڈاکٹر اور حکیم ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام سینکڑوں ہزاروں حدیثیں جمع کرتے ہیں مگر ان سے مسائل اخذ کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ جبکہ فقہاء کرام کو حدیثوں کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "جان لو کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔ یہ باریکیاں اور پیچیدگیاں کبھی تو انکی روایت ونقل میں ہوتی ہیں اور کبھی انکے معانی کے کشف میں۔" (دفع شبہ التشبیہ :۲۶)

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فقہاء کی اہمیت وفضیلت کو یوں بیان فرمایا، "حلال وحرام کا علم اور انکے مسائل تو فقہاء کرام سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں"۔ (فتح الباری جلد ۹: ۳۱ طبع مصر)

رائے اور قیاس:

سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی سمجھ لیجیے۔ رائے کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ اسکا اصطلاحی مفہوم علامہ ابن اثیر الجزری شافعی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔

"محدثین اصحابِ قیاس کو اصحابِ رائے کہتے ہیں اسکا معنی یہ ہے کہ وہ مشکل احادیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مواقع پر وہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی"۔ (نہایہ ج ۲: ۱۷۹ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام اُن اصحاب کو اہلِ رائے کہتے ہیں جو اپنے دل کی بصیرت اور عقل وفہم سے مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو حل کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دل کی بصیرت اور رائے کے بغیر بھی احادیث کا صحیح فہم ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔ امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

"محققین نے فرمایا ہے کہ رائے کا استعمال کیے بغیر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ رائے (عقل وفہم) ہی سے حدیث کے معانی سمجھ میں آتے ہیں جس پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض محدثین جب رضاعت کی تحریم کی علت کا ادراک نہ کر سکے تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر دو بچے (رضاعت کے ایام میں) ایک بکری کا دودھ پی لیں تو ان میں حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (ان محدثین میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسم گرامی سرِ فہرست ہے)۔ اسی طرح محض رائے پر بھی عمل نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ کچھ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے خواہ بھول کر ہی ہو۔ اسی طرح جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ روزہ معدے میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹنا چاہیے لیکن کسی شئے کے باہر آنے سے نہیں ٹوٹنا چاہیے۔" (الخیرات الحسان: ۲۶۴)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو احادیث سے بے نیاز ہو کر محض رائے اور قیاس پر عمل کرنا درست ہے اور نہ ہی رائے اور فہم کے بغیر احادیث کا صحیح مدعا سمجھا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اصحاب الرائے کی جو تعریف بیان کی اسکا دوسرا حصہ یہ ہے کہ "وہ ایسے مواقع پر اجتہاد سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث نہیں ہوتی"۔

اجتہاد اور قیاس کی تعلیم تو خود آقا و مولیٰ علیہ السلام نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دی اور صحابہ کرام اس پر عمل پیرا رہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ سرکار دو عالم علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا، اے معاذ! اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی، "اجتھد برای" میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ ارشاد فرمایا، "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول کے

قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے"۔

(ترمذی ج۱:۱۵۹، ابوداؤد ج۲:۱۴۹)

شیخ الاسلام علامہ ابن عبدالبر المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ اسکو عادل ائمہ نے روایت کیا اور یہ اجتہاد اور قیاس علی الاصول کی اصل ہے"۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج۲:۷۷ طبع مصر)

2۔ ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض گذار ہوئی، یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ بوڑھا ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ حج کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اسکو ادا کر دے تو کیا تیری ادائیگی کافی ہوگی؟۔ اس نے عرض کی، ہاں۔ فرمایا، پھر اللہ کا قرض (یعنی والد کی طرف سے حج) بھی ادا ہو جائے گا۔ (نسائی جلد دوم باب الحکم بالتشبیہ والتمثیل)

اس حدیث پاک میں سرکار دوعالم ﷺ نے حج کو مالی حقوق پر قیاس کیا ہے۔

3۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے مسائل بیان فرمائے اور پھر فرمایا، اگر تم میں سے کسی شخص کو کسی مسئلہ میں فیصلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن میں نہ ملے تو سنتِ نبوی ﷺ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن وسنت دونوں میں نہ ملے تو نیک لوگوں یعنی صحابہ کرام کے فیصلے کے موافق فیصلہ کرے اور اگر وہ امر نہ قرآن میں ملے نہ سنتِ نبوی ﷺ میں اور نہ صالحین کے فیصلوں میں، تو وہ شخص اپنی عقل سے کام لے اور "فَلْيَجْتَهِدْ رَأْيَهُ" یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کرے"۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن نسائی جلد دوم کتاب ادب القضاۃ، باب الحکم باتفاق اھل العلم)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ میں نہ ملے تو

قیاس کرنا درست ہے۔

4۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اگر قرآن اور سنتِ رسول ﷺ میں ان کو اس مسئلہ کی وضاحت نہ ملتی تو آپ ارشاد فرماتے،

''میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ میری خطا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں''۔ (طبقات ابن سعد ج ۳: ۱۳۶)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ برگزیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور جب وہ حضرات ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔

(مسند دارمی ج ۱: ۵۸، طبع دمشق)

5۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ایسا ہی معمول تھا۔ آپ جب لوگوں کو فتویٰ دیتے تو ارشاد فرماتے، ''یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ میری خطا ہے''۔ (کتاب المیزان للشعرانی ج ۱: ۴۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۶)

6۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

(شرح فقہ اکبر لملا علی قاری: ۷۹ طبع کانپور)

7۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا اور انہوں نے اس کی تعلیم دی۔ (سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۵)

8۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں سے راہنمائی لیتے اور اگر کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیتے۔ (مسند دارمی ج ۱: ۵۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۵)

ان دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو گیا کہ:-

☆ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو قیاس و اجتہاد کی تعلیم دی،

☆ اصولِ دین چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس،

☆ قرآن وسنت اور اجماع کے بعد صحابہ کرام قیاس واجتہاد کو اختیار کرتے تھے۔

فقہاء صحابہ کرام:

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرام اپنے آقا کریم ﷺ کی نگاہِ کرم اور صحبتِ بابرکت کے فیض سے متقی، عادل، ثقہ اور صادق تھے۔ البتہ فہمِ قرآن وحدیث اور تفقہ فی الدین کے لحاظ سے انکے مختلف درجات ومراتب تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کو مختلف قبائل کی طرف دین کی تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ انکے علاوہ خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی کئی صحابہ کرام دین سکھانے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔

''صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے اوران میں سے ہر ایک وہاں کا پیشوا بن گیا۔ مسائل پیش آنے پر لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر صحابی نے اپنے حافظہ یا استنباط سے مسائل کا جواب دیا یا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

عصرِ حاضر کے معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''ایسی متعدد مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ گورنر اور قاضی، جو دور دراز علاقوں میں تھے یا تو خود لکھ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تھے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان گورنروں اور قاضیوں نے اپنی صوابدید اور اپنے فہم کے مطابق فیصلہ کر ڈالا''۔

(خطباتِ بہاولپور:۸۱)

دینی مسائل کی ترویج واشاعت اور فتاویٰ دینے کے لحاظ سے صحابہ کرام کا ایک طبقہ بہت نمایاں ہے جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت

عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

انکے بعد صحابہ کرام کا دوسرا طبقہ ہے جن حضرات نے کثیر فتاوی دیے لیکن اول الذکر کی بہ نسبت یہ تعداد کم رہی۔ ان صاحبِ علم و فضل، نفوسِ قدسیہ کی تعداد بیس شمار کی گئی ہے جن میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت ام سلمہ، معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، ابو موسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، ابو سعید خدری، عبدالرحمٰن بن عوف، امیر معاویہ، عبادہ بن صامت، عمران بن حصین اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

صحابہ کرام براہِ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحبِ علم صحابی کی تقلید کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ''جب تک یہ عالم تمھارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو''۔ (صحیح بخاری) اسی کا نام شخصی تقلید ہے جو دورِ صحابہ میں بھی موجود تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترجیح دی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ انکی تقلید بھی کرتے تھے۔

جید فقہاء صحابہ کرام کے بارے میں جلیل القدر تابعی امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سمٹ کر اِن چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتسابِ فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے علم پر ختم ہو گیا"۔ (طبقاتِ ابن سعد ج ۲:۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱:۲۴)

ابن قیم کہتے ہیں، "اہلِ مدینہ میں دین اور فقہ کا علم زید بن ثابت اور ابن عمر کے اصحاب کے ذریعے، اہلِ مکہ میں ابن عباس کے اصحاب کے ذریعے اور اہلِ عراق میں ابن مسعود کے اصحاب کے ذریعے پھیلا ہے (رضی اللہ عنہم)"۔ (اعلام الموقعین ج ۱:۸)

امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲:۲۹۹)

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، "میں کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں جانتا"۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱:۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب کوفہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد فقہ کا درس دے رہے ہیں اور چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہیں جن سے طلبہ انکا درس لکھ رہے ہیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا، "اللہ، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، وہ ان لوگوں کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑ گئے ہیں"۔ (مناقب للموفق: ۳۸۵)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کرام زیادہ فقیہ اور کثیر الفتاویٰ تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نیز آپ ہی نے فقہ کی درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ جاری کیا اس لیے انکی اور انکے اصحاب کی فقہ دیگر تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم ہے۔

☆☆☆☆

باب ہفتم(7)

امام اعظم اور علم الحدیث:

بعض نام نہاد اہلحدیث سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ "آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں"۔اس اعتراض کی اصل وجہ بھی آپ سے حسد وبغض ہے۔علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

"کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو فقہ کے علاوہ دیگر علوم پر دسترس حاصل نہ تھی۔حاشاللہ، آپ علوم شرعیہ، تفسیر، حدیث اور علوم ادب وحکمت میں بحرِ ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے۔بعض دشمنوں کا اسکے خلاف کہنا محض ان سے حسد کی وجہ سے ہے"۔(الخیرات الحسان:۸۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کتبِ صحاح کے اسانید میں بھی اکثر شیوخ حنفی ہیں۔امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر آپ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔آپ نے امامِ اعظم رحمہ اللہ کی خدمت سے دس سال استفادہ کیا۔(مناقب للموفق:۲۱۷)

امام ابوعبدالرحمن المقری رحمہ اللہ (۲۱۳ھ) نے امامِ اعظم رحمہ اللہ سے نو سو(۹۰۰) حدیثیں سماعت کیں۔(مناقب کردری ج۲:۲۱۶)

انکے شاگرد بشر بن موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔"جب آپ ہم سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی

سند سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے، حدثنا شاھنشاہ۔ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے''۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۴۵)

غور فرمایئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ دس سال امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کریں اور محدثِ کامل امام ابوعبدالرحمٰن رحمہ اللہ نو سو (۹۰۰) حدیثیں سن کر آپکی عظمت کا اقرار یوں کریں کہ آپکو ''حدیث کا شہنشاہ'' کہیں تو پھر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حافظ الحدیث ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ائمہ تابعین وغیرہ چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا ہے اس لیے امام ذہبی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے آپکا شمار حفاظ محدثین کے طبقے میں کیا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے حدیث کو کم اہمیت دی، یہ اُس کی غفلت ہے یا پھر حسد ہے، یہ بات اس شخص کے متعلق کیونکر صحیح ہو سکتی ہے جس نے حدیث سے بے شمار مسائل اخذ کیے ہوں حالانکہ دلائل شرعیہ سے مخصوص طریقہ کے مطابق استنباط کرنے والے آپ پہلے شخص ہین جسکا ذکر آپکے اصحاب کی کتب میں ہے۔ چونکہ آپ (فقہ کے) اس اہم کام میں مشغول رہے اس لیے آپ کی حدیثیں لوگوں میں پھیل نہ سکیں جسطرح حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جب مسلمانوں کی ضروریات میں مشغول ہوئے تو ان سے روایتِ حدیث ظاہر نہ ہوئی جیسا کہ ان کے سوا دوسرے کم عمر صحابہ سے ظاہر ہوئی۔

اس طرح امام مالک اور امام شافعی سے بھی فقہ میں مشغولیت کے باعث اس قدر احادیث ظاہر نہیں ہوئیں جیسا کہ ان حضرات سے مثلاً ابوزرعہ اور ابن معین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ظاہر ہوئیں جو کہ محض روایتِ حدیث کی طرف متوجہ رہے۔ علاوہ ازیں کثرتِ روایات بغیر درایت کے کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے تو اسکی مذمت میں ایک مستقل باب لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ فقہاء وعلماء کا مذہب

یہ ہے کہ ''بغیر تفقہ و تدبر کے کثرت سے روایت کرنا اچھا نہیں اور ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ''کم روایت بھی تفقہ ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ''قابلِ اعتماد چیز حدیث واثر ہے اور صرف وہ رائے قبول کرو جو حدیث کی تفسیر کرے''۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۰)

حافظ الحدیث، اسرائیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے بزرگ تھے۔ انہیں ہر ایسی حدیث جس سے کوئی فقہی مسئلہ اخذ ہو سکتا تھا بہت اچھی طرح یاد تھی۔ وہ ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے تھے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ (تبییض الصحیفہ: ۲۷)

صحاح ستہ کے اہم راوی حافظ الحدیث امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا لیکن وہ ہم پر غالب رہے''۔ (مناقب للذہبی: ۲۷ طبع مصر)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمٰن وغیرہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے۔ کئی بار وہ ان احادیث کے بارے میں سوال کرتے جسکے متعلق انہیں کوئی مشکل پیش آتی تھی۔ (مناقب للموفق: ۳۹۶)

مقامِ غور ہے کہ اگر بالفرض سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوتیں تو ایسے بڑے بڑے محدثین آپکے پاس کیوں حاضری دیتے؟

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''آپ سے جن محدثین نے کثیر روایات حاصل کی ہیں انکو شمار نہیں کیا جاسکتا''۔ (مناقب للذہبی: ۱۲)

علامہ یوسف بن صالح شامی رحمہ اللہ نے آپ سے روایات اخذ کرنے والے نو سو

چوبیس (۹۲۴) محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ (عقود الجمان باب ۴،۵) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے آپکے ۹۵ تلامذہ کے اسمائے گرامی تحریر کیے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ :۱۴)
نامور محدث علی بن خشرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''ہم امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا، اے اصحابِ حدیث! تم حدیث میں تفقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحابُ الرائے تم پر غالب آجائیں۔ یہ خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی نہیں کہی ہے جس پر ہم ایک یا دو حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں''۔ (معرفت علوم الحدیث:۶۹ طبع قاہرہ)
اس ارشاد سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اصحابُ الرائے تفقہ فی الحدیث کے حوالے سے نمایاں مقام کے حامل رہے ہیں اسی لیے امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے انہیں حدیث کا فہم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو کچھ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اس کے بارے میں ایک یا دو حدیثیں ضرور موجود ہیں۔ یعنی کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس احادیث کے عین مطابق ہے۔
امام ابو یوسف رحمہ اللہ جنہیں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، ''صاحبِ حدیث'' اور امام ذہبی رحمہ اللہ ''حافظ الحدیث'' کہتے تھے وہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا اور اسکے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا۔ اور میں نے جب کبھی کسی بات میں انکی مخالفت کی اور پھر اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو آخرت کے لحاظ سے زیادہ موجبِ نجات پایا اور بسا اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے والے ہوتے۔
جب امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کسی قول پر جم جاتے تو میں آپکے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم کرنے کے لیے کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتا۔ بسا اوقات دو دو یا تین تین حدیثیں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتا تو ان میں سے کسی کے بارے میں فرما دیتے

کہ یہ صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں دریافت کرتا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا حالانکہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ ارشاد فرماتے، "میں اہلِ کوفہ کے تمام علم کا عالم ہوں"۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۲، فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۱)

آپ نے صرف کوفہ ہی کے مشائخ سے علم حاصل نہ کیا بلکہ آپ مکہ، مدینہ اور بصرہ بھی حصولِ علم کے لیے کئی بار گئے۔ آپکے بعض اساتذہ کرام کا ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سینۂ اقدس میں احادیث کا کتنا بڑا خزانہ تھا اسکا اندازہ محدث علی قاری رحمہ اللہ کے اس قول سے کیجیے، وہ امام محمد بن سماعہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، "امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے"۔ (مناقب بذیل الجواہر ج ۲: ۴۷۴)

صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ جن کی صحت کی آپ کو پوری تحقیق تھی"۔ (مناقب للموفق: ۱۰۴)

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ اگر ایک حدیث کا متن سو مختلف طریقوں اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں یہ سو حدیثیں ہونگی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں محدث کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور فلاں محدث کو دو لاکھ، اسکا یہی مطلب ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کی اسناد میں راویوں کا اضافہ ہوا اور ایک ایک حدیث کو بکثرت راویوں نے روایت کرنا شروع کر دیا۔ ورنہ محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ "تمام مسند احادیثِ صحیحہ جو بلا تکرار نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہیں انکی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے"۔ (توضیح الافکار: ۶۳ طبع مصر)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف جب چالیس ہزار حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے تو یہ

اسانید وطرق کی کثرت سے مروی روایات کی تعداد ہوتی ہے اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بلاتکرار جو احادیث روایت کرتے ہیں انکی تعداد چار ہزار ہے، دو ہزار احادیث انہوں نے اپنے استاد امام حماد رحمہ اللہ سے اور دو ہزار دوسرے شیوخ سے حاصل کیں''۔ (مناقب للموفق:۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ واقعی علم الحدیث کے شہنشاہ تھے۔ اور اگر نفسِ احادیث کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات امام بخاری رحمہ اللہ سے کہیں زیادہ ہیں اور نسبتاً کم واسطوں سے ہیں۔

مرکزِ علم وفضل......کوفہ:

سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وطن کوفہ ہے۔ اس لیے غیر مقلدین یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا نیز کوفہ میں صرف ایک دو صحابہ رہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ آیئے اس پروپیگنڈہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''عہدِ فاروقی ۱۷ھ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر شہر کوفہ آباد کیا گیا اور اسکے اطراف میں فصحائے عرب آباد کیے گئے۔ سرکاری طور پر یہاں مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس مکتوب سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کو تحریر کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا،

''عبداللہ بن مسعود کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے میں ان کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خلافتِ عثمان کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور دینی مسائل کی تعلیم دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہوگئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو

دیکھ کر فرمایا، ''اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا''۔ (مقدمہ نصب الرایہ)

غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ''اہلِ کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے قبل ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایمان، قرآن، تفسیر، فقہ اور سنت کا علم حاصل کر لیا تھا''۔ (منہاج السنہ ج ۴:۱۴۲)

علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''بیعتِ رضوان والے تین سو صحابہ اور غزوہ بدر میں شریک ہونے والے ستر صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے''۔ (طبقات ابن سعد ج ۶:۹)

ان اکابر صحابہ کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابہ کرام کوفہ میں آباد ہوئے۔ مشہور تابعی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''حضور ﷺ کے ایک ہزار پچاس صحابہ اور چوبیس بدری صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے''۔ (کتاب الکنیٰ والاسماء ج ۱:۱۷۴)

حافظ ابن ہمام اور محدث علی قاری رحمہما اللہ نے کوفہ میں تشریف فرما ہونے والے صحابہ کرام کی تعداد پندرہ سو تحریر فرمائی ہے۔ (فتح القدیر ج ۱:۴۲)

ان روشن دلائل کے باوجود اگر کوئی کوفہ کو ایک یا دو صحابہ کا مسکن کہے تو اسے اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ ''اہلِ کوفہ حدیث نہیں جانتے تھے''، اسکے جواب میں محدثین کی گواہیاں ملاحظہ فرمایئے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ موجود تھے''۔ (تدریب الراوی: ۲۷۵)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے امام عفان بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''جب ہم کوفہ پہنچے تو وہاں چار ماہ قیام کیا۔ احادیث کا وہاں اتنا چرچا تھا کہ اگر ہم چاہتے تو ایک لاکھ سے بھی زیادہ احادیث لکھ سکتے تھے۔ مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثوں پر اکتفا کیا۔ ہم نے کوفہ میں عربی زبان میں غلطی کرنے والا اور اسکو روا سمجھنے والا کوئی نہیں دیکھا''۔ (مقدمہ نصب الرایہ: ۳۵)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے انکے بیٹے نے پوچھا، حصولِ علم کے لیے ایک استاد کی خدمت میں رہوں یا دوسرے شہروں سے بھی علم حاصل کروں؟ فرمایا، سفر اختیار کرو اور کوفیوں، مصریوں، اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ سے علم لکھو۔ (تدریب الراوی: ۱۷۷)

امام احمد رحمہ اللہ نے اہلِ کوفہ کا ذکر سب سے پہلے کر کے علم و فضل کے حصول کے لیے کوفہ کی اہمیت واضح فرمائی۔ حدیث اور رجال کی کتب دیکھیں تو اکثر راوی کوفہ کے نظر آتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد میں کوفے کے تقریباً سو (۱۰۰) حفاظِ حدیث کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن میں سے اکثر صحاح ستہ بلکہ صحیحین کے راوی ہیں۔ کیا اسکے باوجود کوئی یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جو جنگوں کا علم سیکھنا چاہے وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور حج کے مسائل اور مناسک سیکھنا چاہے وہ اہل مکہ سے سیکھے اور جو فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے اسکے لیے کوفہ ہی ہے"۔ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

یہ بات ہم پہلے تحریر کر چکے کہ علم فقہ کی بنیاد حدیث کے علم ہی پر ہے۔ اس لیے کوفہ کو حدیث و فقہ دونوں علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی ہے جنہوں نے طلبِ حدیث کے لیے بہت سے اسلامی شہروں کا سفر کیا لیکن کوفہ اور بغداد تو وہ کثرت سے جاتے رہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "میں دو بار مصر و شام گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا اور میں ہرگز نہیں گن سکتا کہ میں کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا"۔ (مقدمہ فتح الباری)

شارح بخاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، "جب امام اعظم کے وصال کے اسی (۸۰) سال بعد کوفہ کا یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحرِ ناپیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لیے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے محیّر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکتے تو اسی

سال پہلے تابعین کے دور میں کوفے کے علم و فضل کا کیا حال رہا ہوگا؟"۔

(مقدمہ نزھۃ القاری شرح بخاری:۱۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سو اکابر صحابہ کرام کی برکت سے کوفہ علم و فضل کا ایسا مرکز بن گیا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو رُمْحُ اللّٰہ (اللہ کا نیزہ)، کَنْزُ الْاِیْمَانُ (ایمان کا خزانہ) اور جُمْجُمَۃُ الْعَرَبْ (عرب کا سر) کے القاب سے یاد کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو قُبَّۃُ الْاِسْلَام (اسلام کا گھر) قرار دیا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو ایمان کا خزانہ، اسلام کا سر اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کا لقب دیا۔ (طبقات ابن سعد ج۶:۵)

اخذِ حدیث کے اصول:

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، "جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔ (بخاری، مشکوۃ کتاب العلم) ہر دور میں عموماً اور قرونِ اولیٰ میں خصوصاً محدثین کرام حدیث کی روایت میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی روایتِ حدیث میں نہایت محتاط طریقہ اختیار کیا۔ مشہور محدث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم حاصل کرنے میں نہایت محتاط اور حدودِ الٰہی کی بے حرمتی کرنے پر بیحد مدافعت کرنے والے تھے۔ آپ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھیں اور آپ نبی کریم ﷺ کے آخری عمر کے فعل کو لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماءِ کوفہ کو عمل کرتے پایا۔ مگر پھر بھی ایک قوم نے بلاوجہ ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور انکی مغفرت کرے"۔ (الانتقاء لابن عبدالبر:۱۴۲ طبع مصر)

حسن بن صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ "امام اعظم رضی اللہ عنہ ناسخ و منسوخ احادیث کو بکثرت تلاش کرتے تھے اور اہلِ کوفہ کی تمام احادیث کا علم رکھتے تھے۔ لوگوں کا جس

امر پر اتفاق تھا آپ اسکی سختی سے پیروی کرتے تھے اور آپ ان سب حدیثوں کے حافظ تھے جو آپکے شہر والوں کو پہنچی تھیں"۔ (الخیرات الحسان: ۹۷)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے آپ ہی کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ "امام اعظم رضی اللہ عنہ فہم اور علم میں پختہ تھے جب آپ کے نزدیک آقا و مولیٰ ﷺ کی حدیث صحیح ثابت ہوتی تو پھر اس سے غیر کی طرف آپ ہرگز نہ جاتے"۔ (الانتقاء: ۱۲۸)

یہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ کی احادیث سے محبت کی دلیل ہے اور اس محبت کا ہی ایک تقاضا یہ ہے کہ ان تمام راستوں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعے کوئی رسولِ کریم ﷺ کی جانب غلط روایت منسوب کر سکے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خیال سے صحابہ کرام کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابو اسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا، "نہیں ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ درے مارتے"۔ (سیرۃ النعمان: ۱۷۱)

دورِ عثمانی و دورِ حیدری میں احادیث کی اشاعت عام ہوگئی تو اہلِ بدعت نے بیشمار حدیثیں وضع کر لیں۔ حماد بن زید رحمہ اللہ کے بقول چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں۔ ان حالات میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول وضوابط مقرر کیے۔ اسوقت ان شرائط کو نہایت سخت کہا گیا۔ پھر امام مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کے متعلق جو شرائط لگائیں وہ آپ کی شرائط کے قریب تر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو مشددین فی الروایۃ کہا گیا ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایۃ ہونے کا ایک سبب آپ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ "کسی شخص کے لیے حدیث بیان کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ

اس حدیث کو سننے کے دن سے بیان کرنے تک صحیح یاد نہ رکھتا ہو"۔(الخیرات:۲۲۰)

امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ آپکی احتیاط کا ذکر یوں کرتے ہیں،"امام اعظم ابوحنیفہ صرف وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں"۔(تاریخ بغداد، ج۱۳:۴۱۹)

آپ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے۔محدث علی قاری لکھتے ہیں،"امام اعظم روایت بالمعنی کو جائز نہیں کہتے، چاھے وہ مترادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے"۔(شرح مسند الامام ابی حنیفہ:۳)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا وہ یہ تھی کہ انکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظِ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلیے روایت میں تغیر وتبدل کا ہر واسطہ میں احتمال بڑھتا جاتا تھا............علامہ ذہبی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو جھڑک دیتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں۔وہ جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے، اومثلہٗ اونحوہٗ او شبیہ" بہ اما فوق ذلک واما دون ذلک و اما قریب من ذلک۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب قریب فرمایا تھا۔ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایاتِ حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالبًا یہی منشاء تھا۔وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت سے تغیر وتبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔(سیرۃ النعمان:۱۸۰-۱۸۴)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے اکتسابِ علم کیا اس لیے ایسی ہی احتیاط امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں نظر آتی ہے۔امام صاحب نے ضبطِ راوی کو اخذِ حدیث کے لیے بہت اہمیت دی اسکی کیا وجہ ہے؟اگر

"ضبط" کے مفہوم پر غور کیا جائے تو حدیث کے راوی کے لیے اس کی اہمیت وضرورت بنیادی شرط کے طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ فخر الاسلام علامہ بزدوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

"ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو اس طرح اخذ کیا جائے جس طرح اسکے حصول کا حق ہے، پھر اسکے صحیح مفہوم کو سمجھا جائے اور پوری کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اسکی حدود کی حفاظت کر کے اسکی پابندی کی جائے اور روایت بیان کرنے تک اسے بار بار دہرایا جائے تاکہ وہ ذہن سے اتر نہ جائے"۔ (اصول البزدوی، ج ۲: ۱۶۷)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے آپ کی ایک اور شرط یہ تحریر کی ہے کہ "جو حدیث سرکارِ دوعالم ﷺ سے منقول ہو اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس پر عمل سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راوی حدیث سے صحابی راوی تک متقی وعادل لوگوں کی ایک خاص جماعت اسے نقل کرتی ہو"۔ (میزان الکبریٰ ج ۱: ۶۳)

اس حوالے سے دیکھا جائے تو امام اعظم نے وہی روایات لی ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے تابعین اور کبار تبع تابعین کو آپ نے خود ملاحظہ فرمایا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ ارشاد علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے،

یاخذ بما صح عندہ من الاحادیث التی کان یحملها الثقات۔ "امام اعظم ابوحنیفہ احادیث کی وہ روایات لیتے تھے جو آپ کے نزدیک صحیح ہوتی تھیں اور جنہیں ثقہ راویوں کی جماعت روایت کرتی ہو"۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ: ۲۰)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سخت شرائط کے حوالے سے امام سیوطی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "یہ سخت مذہب ہے یعنی انتہائی درجہ کی احتیاط ہے۔ اس سلسلے میں دیگر محدثین اس اصول کو نہیں اپنا سکے۔ بہت ممکن ہے کہ بخاری ومسلم کے ان راویوں کی تعداد جو مذکورہ شرط پر پورے اترتے ہوں، نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو"۔ (تدریب الراوی: ۱۶۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی قبولِ روایت کے لیے شرائط امام بخاری

ومسلم رحمہما اللہ کی شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ علمِ حدیث میں آپکی احتیاط کے بارے میں مشہور محدث وکیع بن جراح رحمہ اللہ یوں گواہی دیتے ہیں،

''میں نے حدیث میں جیسی احتیاط امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے یہاں دیکھی ایسی احتیاط کسی دوسرے میں نہ پائی''۔ (مناقب للموفق عربی ج۱:۱۹۷)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، ''امام اعظم حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج۵:۶۱۲)

امام ترمذی وبیہقی رحمہما اللہ جرح وتعدیل میں امام اعظم کا قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں،

''جامع ترمذی میں امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر جعفی سے زائد جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے افضل نہیں دیکھا۔ بیہقی نے روایت کی کہ آپ سے سفیان ثوری سے علم سیکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، وہ قابلِ اعتماد ہیں، ان سے حدیث لکھو سوائے ان احادیث کے جو جابر جعفی نے ابواسحٰق سے روایت کی ہیں۔...... اس سے امام اعظم کی جلالت فی الحدیث معلوم ہوتی ہے''۔ (الخیرات:۹۰)

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات کے متعلق آزاد خیال مصنف شبلی نعمانی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جس بات نے تمام ہم عصروں میں امتیاز دیا وہ ہے احادیث کی تنقید اور بلحاظِ ثبوت، احکام اور انکے مراتب کی تفریق۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور منتشر حدیثیں یکجا کی گئیں، صحاح کا التزام کیا گیا، اصولِ حدیث کا مستقل فن قائم ہوگیا .... لیکن تنقیدِ احادیث اصولِ درایت اور امتیازِ مراتب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا''۔ (سیرۃ النعمان:۱۶۸)

☆☆☆☆

باب ہشتم (8)

امامِ اعظم کی ثقاہت:

غیر مقلدین امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں اور اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری اور دارقطنی رحمہا اللہ نے آپکو ضعیف کہا ہے۔اس کے جواب میں چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

اول: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کیونکر ضعیف ہو سکتے ہیں جبکہ انکی روایت ضعیف ہونے کا کوئی سبب موجود نہیں۔آپ یا تو صحابہ کرام سے روایات لیتے ہیں اور یا جید تابعین عظام سے اور ان میں کوئی بھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام سے براہ راست اور بلا واسطہ روایت کرنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ اعزاز ہے جو آپکے ہمعصر کئی محدثین کو حاصل نہ ہوا۔علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث روایت کیں۔انکے علاوہ کثیر تابعین کرام ہیں جن سے آپ نے علمِ حدیث میں استفادہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، آپ نے اکابر تابعین میں سے کس کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے۔آپ نے فرمایا، قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم، شعبی، نافع اور ان جیسوں کی"۔رضی اللہ عنہم
(مسند امام اعظم: ۳۱۱، مطبوعہ لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تین مسندوں کا صحیح نسخہ سے مطالعہ کیا ہے جن پر حفاظِ حدیث کے دستخط ہیں۔میں نے دیکھا ہے کہ امام صاحب عادل ثقہ اکابر تابعین سے حدیث روایت کرتے ہیں جو کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق خیرالقرون میں سے

ہیں۔ان میں اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری اور انکے مانند اور ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔پس وہ تمام راوی جو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ علیہ السلام کے درمیان ہیں، سب عادل اور متقی ہیں۔ان میں کوئی جھوٹا نہیں اور نہ ان میں سے کبھی کسی کی طرف سے جھوٹ کی نسبت ہوئی۔(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱:۶۸)

دوم: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے کہ ''نعمان بن ثابت مرجی تھے اس بنا پر لوگوں نے انکی روایت و حدیث لینے میں سکوت کیا ہے''۔(معاذ اللہ) یہ سراسر بہتان ہے۔خود امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں اِرْ جاء کی تردید فرمائی ہے۔علامہ سید محمد مرتضیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارجاء کی نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سب اصحاب مرجئہ کی رائے کے خلاف ہیں .... یہانتک کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مرجیۂ کے پیچھے نماز جائز نہیں''۔(عقود الجواہر المنیفہ ج۱:۱۱ مطبوعہ قسطنطنیہ)

علامہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپکے اصحاب کو مرجیۂ السنۃ کہا جاتا ہے۔بہت سے اصحابِ مقالات نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو مرجیہ میں شمار کیا ہے شاید اسکا سبب یہ ہے کہ چونکہ آپ قائل تھے کہ ایمان قلبی تصدیق کا نام ہے اور وہ کم وبیش نہیں ہوتا اس لیے انہوں نے یہ گمان کیا کہ آپ عمل کو ایمان سے مؤخر رکھتے ہیں حالانکہ آپ عمل میں اپنے مبالغہ واجتہاد کے باوجود کسطرح ترکِ عمل کا فتویٰ دے سکتے تھے''۔(الملل والنحل ج۱:۷۹)

اس عبارت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشہور گمراہ فرقہ مرجیہ خالصہ ہے جبکہ مرجیۂ السنۃ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو اہلسنت ہیں مگر بعض ایسے مسائل کی وجہ سے جو اہلسنت کے نزدیک قابل اعتراض نہیں، لغوی معنی میں ان پر اِرْجاء کا لفظ بولا گیا۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''معتزلہ ہر اس شخص کو مرجئہ کہتے تھے جو کبیرہ

گناہوں کے مرتکب کو دائمی جہنمی خیال نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر داخلِ جنت ہوگا اور خدا تعالیٰ اسکو معاف کردیگا۔ چنانچہ اس اعتبار سے امام ابوحنیفہ، صاحبین و دیگر علماء کو بھی مرجہ کہا گیا ہے"۔ (حیات امام ابوحنیفہ: ۲۴۳)

"محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء و محدثین کے نام لکھے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانے کے بعض کوتاہ بین (غیر مقلد) اس پر خوش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے وہ ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزانُ الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اِرجاء بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس کے قائل پر مؤاخذہ نہیں کرنا چاہیے"۔ (سیرۃ النعمان: ۱۴۲)

اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے۔

سوم: اگر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے "اِرجاء" کی وجہ سے آپ کی روایات ضعیف قرار دی جاسکتی ہیں تو پھر اس الزام سے امام بخاری رحمہ اللہ بھی نہیں بچ سکتے کیونکہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایسے سولہ (۱۶) راویوں سے روایت لی ہے جو مرجئی ہونے میں مشہور تھے۔ انکے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

1 ابراہیم بن طہمان۔ 2 ایوب بن عائذ الطائی۔ 3 شبابہ بن سوار الفرازی۔ 4 عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی۔ 5 عثمان بن غیاث البصری۔ 6 عمر بن ذر الہمدانی۔ 7 محمد بن خازم ابومعاویہ۔ 8 ورقاء بن عمر الیشکری۔ 9 یونس بن بکیر۔ 10 ابراہیم تیمی۔ 11 عبدالعزیز بن ابی رواد۔ 12 سالم بن عجلان۔ 13 قیس بن مسلم الجدلی۔ 14 خلاد بن یحیٰی بن صفوان۔ 15 بشر بن محمد السختیانی۔ 16 شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمن۔ (تہذیب التہذیب)

صرف یہی نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے راویوں میں چار خارجی، چار جہمی، چار ناصبی، اُنیس شیعہ اور پچیس قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے "الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ" از قلم: علامہ پروفیسر نور بخش توکلی رحمہ اللہ ص ۲۴۸ تا ص ۲۶۳)

مذکورہ راویوں میں کئی تو ایسے ہیں جن پر خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضفاء میں جرح بھی کی ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"ایوب بن عائذ کے مرجئی ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج کیا۔ تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اسکی روایت بھی لیتے ہیں"۔

(مقدمہ نزھۃ القاری: ۱۴۶)

چہارم: مولانا عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں، "امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض متعصب متاخرین سے بھی جرح صادر ہوئی ہے جیسے دار قطنی اور ابن عدی وغیرہ۔ اس پر بہت بھاری دلائل شاہد ہیں کہ یہ جرح حسد اور تعصب کی وجہ سے کی گئی ہے اور اس تعصب سے کوئی بشر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور یہ پہلے بیان ہوا کہ اس جیسی جرح مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ جرح کرنے والے پر بھی پڑتی ہے"۔

(مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد: ۳۳)

بعض محدثین جنہوں نے حاسدوں کے پروپیگنڈے کے باعث امام اعظم پر جرح کی تھی، بعد میں اصل حقیقت معلوم ہو جانے پر امام اعظم کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا۔ ان محدثین میں حافظ ابن عدی رحمہ اللہ بھی ہیں جن کا مذکورہ بالا حوالے میں ذکر ہے۔ انہوں نے رجوع کے بعد تلافی کے طور پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بعض روایات ایک مسند میں جمع کر کے مرتب کیں۔

شارح بخاری امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث روایت کریں اور شعبہ اور سعید بھی آپکو روایت کے لیے فرماتے ہیں۔ یحیٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ اور صادق ہیں اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں"۔ عبداللہ بن مبارک، سفیان ابن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبدالرزاق، حماد بن زید اور وکیع جیسے ائمہ کبار اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، احمد بن حنبل اور بہت سے دیگر ائمہ نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس گفتگو سے دار قطنی کا ستم اور تعصب ظاہر ہو گیا۔ پس وہ کون ہے جو امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتا ہے وہ تو خود اس لائق ہے کہ اسے ضعیف کہا جائے، کیونکہ اس نے اپنی مسند میں سقیم و معلول و منکر و غریب و موضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لیے وہ اس کا مصداق ہے کہ "جب لوگ امام صاحب کی عظمت و شان کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے مخالف و دشمن بن گئے"۔

مثل سائر میں ہے کہ سمندر مکھی کے گرنے سے گدلا نہیں ہوتا اور کتوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ و حدیث ابی حنیفة حدیث صحیح۔ "امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، صحیح حدیث ہے"۔ (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱:۷۰۹)

غور فرمایئے کہ امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ کے زمانہ تک تو ایک آدمی بھی امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہنے والا نہ ہوا مگر غیر مقلدین و حاسدین انکو پھر بھی ضعیف قرار دیں، یہ تعصب و حسد نہیں تو پھر کیا ہے؟ غیر مقلدین اپنے امام ابن تیمیہ ہی کا فرمان سن لیں۔

انہوں نے امام مالک و امام شافعی و امام احمد وغیرہ کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر کر کے انہیں بھی ائمة الحدیث و الفقه یعنی "حدیث و فقہ کا امام"

قرار دیا ہے رضی اللہ عنہم۔ (منہاج السنۃ ج ا:۲۳۱)

پنجم: اب آخر میں ایک امام الحدیث، ایک عظیم مورخ اور جرح وتعدیل کے ایک نامور امام کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

علمِ حدیث کے امام ابوداؤد رحمہ اللہ (جن کی کتاب ''سنن ابی داوٗد'' صحاح ستہ کا حصہ ہے) انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فقہ وحدیث کے امام ہونے کی تصریح یوں فرمائی، رحم الله مالكاً كان اماماً رحم الله الشافعي كان اماماً رحم الله اباحنيفة كان اماماً۔

''اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام مالک پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام شافعی پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو امام ابوحنیفہ پر کیونکہ وہ امام تھے''۔ (جامع بیان العلم ج ۲:۱۶۳)

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے بھی امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، ان ابا حنیفة كان اماماً۔ ''بیشک ابوحنیفہ امام تھے''۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ا:۱۶۰)

مؤرخ شہیر علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

ويدل على انه من كبار المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم والتعديل عليه واعتباره رداً وقبولاً۔

''علمِ حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انکے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رد وقبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے''۔ (مقدمہ: ۴۴۵ طبع مصر)

اب ہم متاخر محدثین کے امام، ماہر طبقاتِ رجال، علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی رحمہ اللہ کی رائے لکھتے ہیں جو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے پیروکار تھے اور انہوں نے حفاظِ حدیث کے حالات میں 4 جلدوں پر مشتمل عظیم کتاب لکھی۔ محدثین کی

اصطلاح میں حافظ وہ ہوتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ آپ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی حافظِ حدیث قرار دیتے ہوئے ان القاب سے یاد کرتے ہیں،

"ابو حنیفة الامام الاعظم فقیه العراق الخ"۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۸)

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام اعظم ہیں، کثیر الحدیث اور حافظ الحدیث ہیں، ثقہ اور صادق ہیں نیز آپ کی مرویات صحیح احادیث ہیں۔

جرح کا جواب:

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان" میں ایک پوری فصل ان لوگوں کے رد میں تحریر کی ہے جنہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر جرح کی۔ آپ لکھتے ہیں،

"امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انکی توثیق کی اور انکی تعریف کی، ان لوگوں کی تعداد ان پر جرح کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جن اہل حدیث نے آپ پر جرح کی، انکی اکثر جرح یہی ہوتی ہے کہ آپ رائے اور قیاس میں منہمک تھے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ کوئی عیب نہیں۔ یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ آدمی کی عظمتِ شان کا اندازہ اسکے بارے میں لوگوں کے اختلافات سے ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے۔ ایک حد سے زائد محبت کرنے والے اور دوسرے بغض کرنے والے۔

امام بخاری کے شیخ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سفیان ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام اور جعفر بن عون رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں اور امام شعبہ رحمہ

اللہ انکے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا، ہمارے اصحاب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب کے بارے میں زیادتی کرتے تھے تو ان سے پوچھا گیا، کیا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹ کی نسبت صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں وہ اس عیب سے بلند تر اور پاک ہیں۔

طبقاتِ شیخ الاسلام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ میں ہے کہ محدثین کے اس قاعدہ کو مطلق سمجھنے سے بچو کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس کی عدالت ثابت ہو جائے اور اسکی تعریف کرنے والے بہت ہوں اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور یہ قرینہ بھی موجود ہو کہ اس پر جرح کی وجہ مذہبی تعصب ہے یا اسکے علاوہ کوئی اور وجہ ہے تو ایسے شخص کی جرح لائقِ التفات نہیں ....

پھر طویل گفتگو کے بعد فرمایا، جرح کرنے والے کی جرح اُس شخص کے متعلق قبول نہ کی جائے گی جس کی اطاعت اسکی معصیت پر غالب ہو، اور جس کی تعریف کرنے والے اسکی مذمت کرنے والوں پر غالب ہوں، اور جس کی تعدیل کرنے والے اسکی جرح کرنے والوں پر غالب ہوں، جبکہ وہاں ایسا قرینہ موجود ہو جو یہ ظاہر کرے کہ یہ جرح مذہبی یا دینوی تعصب کی بناء پر ہے یا کوئی اور وجہ ہو تو اسوقت سفیان ثوری وغیرہ کا کلام امام ابوحنیفہ کے متعلق، ابن ابی ذئب وغیرہ کا امام مالک کے متعلق، یحیٰی بن معین کا امام شافعی کے متعلق کلام لائقِ التفات نہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اگر مطلقاً جرح کو تعدیل میں مقدم کریں تو کوئی امام نہ بچے گا کیونکہ ہر امام کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعنہ زنی کی ہے اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک ہوئے ہیں۔ .... بزرگوں سے ایک دوسرے کے حق میں بہت سی باتیں غصہ کی حالت میں صادر ہو گئیں، بعض تو حسد پر محمول ہوئیں اور بعض کی تاویل کی گئی تا کہ جس کے حق میں بات کہی گئی اس پر کچھ حرف نہ آئے۔ (صفحہ ۲۴۸ تا ۲۵۱)

خطیب بغدادی نے اپنی اصولِ حدیث کی کتاب ''الکفایہ فی علم الروایہ'' میں جرح کے قاعدے کے تحت امام مالک، سفیان ثوری سے لیکر یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تک ایک طبقہ قائم کر کے لکھا ہے، ''جو اصحاب بلندیٔ ذکر، استقامتِ حال، صداقت کی شہرت اور بصیرت وفہم میں اصحابِ بالا کی مثل ہوں، اُن کی عدالت کی بابت سوال نہیں کیا جا سکتا''۔ اور یہ روایت بھی لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحٰق بن راہویہ کی بابت سوال کیا گیا تو جواب میں کہا، کیا اسحٰق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جا سکتا ہے؟

مقامِ غور ہے کہ جب اسحٰق بن راہویہ جیسی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہیں کیا جا سکتا تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع اور بدرجہا بالاتر ہے۔ (امام ابوحنیفہ اور انکے ناقدین: ۵۳)

کسی نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا، فلاں شخص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا، لوگوں نے امام اعظم سے اس لیے دشمنی کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ فضیلت عطا کی جس سے آپ شرفاء اور معززین پر فائق ہو گئے۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۳)

شیخ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے محدث ابن الاثیر جزری شافعی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، ''امام ابوحنیفہ کی طرف خلقِ قرآن، قدر، ارجاء جیسے اقوال منسوب کیے گئے جن سے ان کا دامن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کو ایسی شریعت دینا جو سارے آفاق میں پھیل گئی اور جس نے روئے زمین کو ڈھانپ لیا، اور انکے مذہب وفقہ کا مقبولِ عام ہونا، اُن کی پاکدامنی کی دلیل ہے۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا سِرِّ خفی نہ ہوتا تو نصف یا اسکے قریب اسلام اُن کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا''۔ (المغنی: ۴۳۰)

جب کوئی شخص امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کرتا

تو وہ دو اشعار پڑھتے جنکا مفہوم یہ ہے، "لوگوں نے اس نوجوان سے حسد کیا کیونکہ وہ اسکے رتبہ کو نہ پہنچ سکے لہٰذا لوگ اب اسکے مخالف اور دشمن بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح خوبصورت عورت کی سوکنیں حسد اور جلن کی وجہ سے اسکے خاوند سے کہتی ہیں کہ وہ تو بدصورت ہے"۔ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۸)

اسی لیے مبسوط میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عالم کی شہادت دوسرے عالم کے خلاف مقبول نہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ حسد و بغض رکھتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۴)

علماء کرام نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے پانچ اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اول: حسد ورقابت، دوم: قاضی صاحبان کے فیصلوں میں غلطیوں کی نشاندہی اور انکی اصلاح کرنا، سوم: آپ کا عجمی ہونا، چہارم: آپ کے اصولِ اجتہاد، طریقِ استنباط اور دلائل سے ناواقفیت اور پنجم: مفسد اور فتنہ پرور لوگوں کا پروپیگنڈہ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی روایتیں گھڑا کرتے تھے۔

آخر الذکر کے متعلق شارح بخاری لکھتے ہیں، "ایسے لوگوں پر حیرت نہیں، حیرت امام بخاری رحمہ اللہ پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع (مثلاً نعیم بن حماد) کی روایتوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی"۔ حالانکہ نعیم بن حماد کے متعلق محدثین کی جرح موجود ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول، "یہ تقویتِ سنت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا کرتا اور امام ابوحنیفہ کی توہین کے لیے جھوٹے قصے گھڑ کر پیش کرتا تھا"۔

ملاحظہ ہو، تھذیب التھذیب، ج ۱۰: ۴۶۳، میزان الاعتدال، ج ۴: ۲۶۹۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "حدیث درست نہیں رہتی مگر فقہ کے ساتھ، اور فقہ درست نہیں رہتی مگر حدیث کے ساتھ۔ یہانتک کہ جو دونوں میں سے ایک میں لائق ہو اور دوسری میں نہ ہو وہ منصبِ قضاء و فتوی کے لائق نہیں۔ کیونکہ

محدث جو فقیہ نہ ہوا کثر غلطی کرتا ہے"۔

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ ان سے دو بچوں کی بابت فتویٰ طلب کیا گیا جنہوں نے ایک بکری کا دودھ پیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے انکے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اور یہ انکے بخارا سے نکلنے کا سبب ہوا۔ (الاقوال الصحیحہ :۱۵۱ بحوالہ کشف الاسرار شرح منار)

یہ واقعہ امام ابو حفص کبیر حنفی رحمہ اللہ کے زمانے میں ہوا۔ علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اسی واقعہ کے سبب امام بخاری رحمہ اللہ کے دل میں حنفی علمائے کرام کی طرف سے کشیدگی پیدا ہوگئی چنانچہ انہوں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی صحیح میں اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی تاریخ میں توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔ تجاوز اللہ عنا وعنہ۔ (الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علیٰ ابی حنیفہ:۱۵۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے نعیم بن حماد کے علاوہ اپنے شیخ حمیدی کے حوالے سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسی لغو باتیں نقل کیں جو انکے شایانِ شان نہ تھیں۔ انہوں نے حمیدی کے حوالے سے لکھا کہ امام اعظم کو مکہ میں ایک حجام سے تین سنتیں حاصل ہوئیں۔ پھر حمیدی نے کہا، "وہ شخص جس کو مناسکِ حج کی سنتیں معلوم نہ تھیں، احکامِ الٰہی، وراثت، فرائض، زکوٰۃ، نماز اور دوسرے امورِ اسلام میں کس طرح اسکی تقلید کی جاسکتی ہے"۔ (تاریخ صغیر:۱۵۸)

حمیدی کے متعلق امام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ کی رائے بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ فرمایا، "وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت پسند تھے اور انکے خلاف برے کلمات استعمال کرتے تھے"۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ)

حمیدی کے دعوے کے برخلاف جلیل القدر تابعی امام اعمش رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زیادہ حج کے مسائل جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ابن حجر رحمہ

اللہ فرماتے ہیں، ''امام اعمش رضی اللہ عنہ جب حج پر جانے لگے تو انہوں نے حج کے مسائل امام اعظم رضی اللہ عنہ سے لکھوائے اور فرمایا، امام اعظم سے مناسکِ حج لکھ لو، میں حج کے مسائل کا ان سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں جانتا''۔ (الخیرات الحسان: ۹۹)

غیر مقلدوں کے امام ابن تیمیہ نے آزاد خیالی کے باوجود ایسے متعصب حاسدوں کی پُرزور تردید کی اور لکھا، ''امام ابوحنیفہ سے بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود کوئی شخص بھی انکے تفقہ، فہم اور علم میں شک وشبہ نہیں کرسکتا۔ کچھ لوگوں نے انکی توہین وتحقیر کے لیے انکی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیر بری کا مسئلہ اور اس قسم کے دیگر مسائل''۔ (منہاج السنۃ، ج۱: ۲۵۹)

آخر میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا فیصلہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں، ''حافظ ابن حبان نے کتاب السنۃ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں، یا بخاری اور نسائی نے بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا، یہ انکی شانِ علم واتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں انکی پیروی نہ کی جائے، اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکرِ خیر سے کرتے تھے''۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۶)

مقامِ امام اعظم اور امام بخاری:

چودھویں صدی ہجری کے مجددِ برحق، شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلدین کے ایک اعتراض کے جواب میں کثیر دلائل دیکر آخر میں فرماتے ہیں،

''امام الائمہ امام اعلم امام اعظم رضی اللہ عنہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے امام ومتبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ ''تمام مجتہدین امام ابوحنیفہ کے بال

بچے ہیں"۔ حفظِ حدیث ونقدِ رجال وتنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں انکی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق ومتابعات وشواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجیے تو ان میں گنجائشِ کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں۔ رضی اللہ عنہ

اور یہ بھی بحمد للہ حنفیہ وشاگردانِ امام ابوحنیفہ وشاگردانِ شاگردِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مثل امام عبداللہ بن مبارک وامام یحیٰ بن سعید قطان وامام فضیل بن عیاض وامام مسعر بن کدام وامام وکیع بن الجراح وامام لیث بن سعد وامام معلّٰی بن منصور رازی وامام یحیٰ بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ان کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذِ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابوحنیفہ کے، رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین۔ (گویا امام بخاری، امام اعظم کے پانچویں درجے میں شاگرد ہوئے)

مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کارِ اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے۔ اللہ عزوجل نے انہیں خدمتِ الفاظِ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطبیب کی مثل ہے۔ عطار دوا شناس ہے، اسکی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیصِ ومعرفتِ علاج وطریقِ استعمال طبیب کا کام ہے۔ عطارِ کامل اگر طبیبِ حاذق کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے، معذور ہے خصوصاً ملک اطبائے حذاق امام الائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی دقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری رحمہ اللہ تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع

تابعین سے، بلکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کہ اجلہ تابعین و امام ائمہ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ خادمِ رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے۔
اسوقت ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا۔ آپ نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ جواب آپ نے کہاں سے اخذ کیے؟
آپ نے فرمایا، انہی حدیثوں سے جو میں نے آپ سے سنیں۔ اور پھر آپ نے وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتا دیں۔ امام اعمش نے فرمایا، ''بس کیجیے، میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں وہ آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنا دیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث سے اسقدر مسائل اخذ کرتے ہیں۔
یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل بكلا الطرفين۔
اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے گھیر لیے''۔
یہ روایت امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ شافعیہ نے اپنی تصانیف الخیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی۔ یہ تو یہ، خود ان سے بدرجہا اجل و اعظم، ان کے استاذ اکرم و اقدم، امام عامر شعبی رضی اللہ عنہ جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، حضرت مولیٰ علی و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابوہریرہ و انس بن مالک و عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر و عمران بن حصین و جریر بن عبداللہ و مغیرہ بن شعبہ و عدی بن حاتم و امام حسن و امام حسین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاذ جن کا پایۂ رفیع، حدیث میں

ایسا تھا کہ فرماتے ہیں، "بیس سال گزرے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو"۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالتِ شان فرماتے ہیں، "ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کاروائی کریں گے"۔ اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کیا ہے۔

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں، دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ حنفیہ سے فقہ حاصل فرماتے تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوالِ شریفہ کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے آگاہ ہو جاتے، امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی طرح ائمہ محدثین و ائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیمِ ازل جو حصہ دے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل او اندر دلش انداختند

یعنی جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے بلکہ ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتوب و معیوب قرار پاتے۔ فالی اللہ المشتکی وعلیہ التکلان (اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں فریاد ہے اور اسی پر بھروسا ہے)۔

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو حضور پُرنور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا و مولٰنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدستِ حیدرِ کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ فجار۔ جو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں (عیاذاً باللہ) اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے سبقت واولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ونسبتِ بارگاہِ رسالت بھلادے وہ شیعی زیدی۔
یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلِ توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے۔ یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوثِ اعظم اور محدث علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایتِ محمدیہ شیخِ اکبر سے ہے۔ نہ ہم بخاری وابن جوزی وعلی قاری کے اعتراضات سے شانِ رفیع امام اعظم وغوثِ اعظم وشیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے، الجھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انکا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ اُن اکابر محبوبانِ خدا کے مدارکِ عالیہ تک درس ادراک نہ پہنچا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۱ مطبوعہ لاہور)

اَصح کتب الحدیث:

بعض اہل بدعت یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حنفی بخاری کو ''اصح الکتب'' مانتے ہیں تو بخاری پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اسمیں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو، آمین بلند آواز سے کہو، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو وغیرہ، تو پھر حنفی ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟
اسکے جواب میں شارح بخاری لکھتے ہیں کہ اصح کتب بعدَ کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اسکا حاصل صرف یہ ہے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء ان سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں، اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں۔ البتہ دوسری کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ

نسبت اسمیں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔..............

امام بخاری سے (بتقاضائے بشریت) اس کتاب میں کئی جگہ لغزش ہوئی ہے اس لیے اصح الکتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو بلکہ امام بخاری کا قول اور انکی تحقیق ہو سب حق ہے، یہ اصح الکتب کی معنی کی تحریف ہے۔ جس نے بھی بخاری کو اصح الکتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات (اور اقوال) کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجیے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو وہ اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں"۔ (مقدمہ نزھۃ القاری: ۱۴۵)

باقی رہے نماز سے متعلقہ امور تو اس بارے میں عرض ہے کہ کئی امور کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے محض اپنی رائے کو ابواب کے عنوان کے طور پر پیش کیا ہے اور کئی امور کے لیے ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جو منسوخ ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز سے متعلق ہم ایک باب میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

بعض کم علم و کم فہم یہ کہتے ہیں کہ "صرف وہ احادیث معتبر ہیں جو بخاری میں ہیں، انکے سوا کوئی حدیث معتبر نہیں"۔ یہ بات بھی بالکل غلط اور گمراہی ہے۔ کیا یہ نظریہ کسی آیت یا حدیث سے اخذ کیا گیا ہے یا یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ارشاد فرمائی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ "میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے لیکن کثیر تعداد میں صحیح حدیثوں کو روایت نہیں بھی کیا ہے"۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں"۔ جبکہ انکی کتاب صحیح بخاری میں کل سات ہزار دو سو پچھتر (۷،۲۷۵) احادیث ہیں اور اگر تکرار کو حذف کر دیا جائے تو صرف چار ہزار حدیثیں باقی رہ جاتی ہیں۔

(الاکمال فی اسماء الرجال: ۱۴۸)

اگر صحیح بخاری کی کُل احادیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ایک لاکھ صحیح

احادیث سے نکال لیا جائے تب بھی بانوے ہزار سات سو پچیس (۹۲،۷۲۵) صحیح احادیث کا عظیم ذخیرہ باقی رہ جاتا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد تھے اس لیے انہوں نے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صحیح بخاری میں وہی احادیث جمع کیں جو مذہبِ شافعی پر دلیل ہیں۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ:-

''میں نے اس کتاب میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے، وہ ضعیف ہیں''۔

امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ کے ان ارشادات سے ثابت ہوا کہ کسی حدیث کا بخاری یا مسلم میں نہ ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اصول وضوابط کے مطابق اگر وہ حدیث ضعیف ہے تو بخاری و مسلم میں ہونے کے باوجود ضعیف ہے اور اگر راوی قوی ہیں اور وہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب میں مروی ہے تو وہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں ہے۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''یہ دونوں کتابیں اصح کتبُ الحدیث ہیں مگر ان میں تمام احادیثِ صحیحہ کا احاطہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کی اپنی شرائط کے مطابق جو حدیثیں ہیں وہ سب بھی ان کتابوں میں درج نہیں ہیں''۔ (فتح المغیث ج۱:۳۳)

نیز اہلِ علم کے نزدیک یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف روایات بھی ہیں۔ ایسے ضعیف راویوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''جن راویوں سے روایت کرنے میں امام بخاری منفرد ہیں انکی تعداد 435 ہے جن میں سے 80 راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اور جو راوی امام مسلم کے ساتھ مخصوص ہیں انکی تعداد 620 ہے ان میں سے 160 کو ضعیف کہا گیا ہے''۔ (ایضاً:۲۹)



باب نہم(9)

عمل بالحدیث:

بعض لوگوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ بدگمانی کی ہے کہ وہ احادیث صحیحہ کے خلاف بلا کسی دلیل کے عمل کرتے تھے (معاذ اللہ)۔ اس عنوان سے امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں ایک فصل تحریر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ”جن لوگوں نے یہ گمان کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سستی کی اور آپ کے اصول وقواعد کی پرواہ نہ کی اور ان میں غور وفکر نہ کیا کیونکہ ان میں سے جیسا کہ ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے کہ خبرِ واحد جب اجماعی اصولوں کے خلاف ہو تو وہ قابلِ قبول نہیں اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ ایسی خبر پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں“۔ (صفحہ ۲۰۸ ملخصاً)

فقہ حنفی کی معتبر کتب میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خبرِ واحد قیاس پر مقدم ہے جبکہ وہ اجماعی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ حنفیوں کے اصل ”اصحاب الحدیث“ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں، ”کیونکہ حنفی مرسل حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں اور خبر واحد کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں (اسلیے وہ اصل اہلحدیث ہیں)“۔ (ردُالمحتار ج ۲:۴۶۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک خبرِ واحد سے عموم قرآن میں نہ تو تخصیص ہوتی ہے اور نہ ہی نسخ ہوتا ہے کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن یقینی ہے اور جو دلیل زیادہ قوی ہو، اس پر عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی قسم کی حدیث یہ ہے کہ ”سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں“۔ یہ حدیث قرآن کی آیت فاقرء وا ما تیسر منہ (قرآن سے جو چاہو، تلاوت کرو) کے مخالف ہے۔ اس موضوع پر امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی تصنیف الخیرات الحسان کی چالیسویں فصل کا ضرور مطالعہ کیجیے۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ناسخ ومنسوخ احادیث کو تلاش کرتے اور

ناسخ حدیث پر عمل کرتے۔ ظاہر ہے کہ ناسخ حدیث پر عمل بھی تو حدیث پر ہی عمل ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ محض اپنی رائے سے تو حدیث کو منسوخ نہیں کرتے تھے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کی روایت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ برتن میں کتے کے منہ ڈالنے سے تین مرتبہ دھونے پر عمل کیا جاتا ہے جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل ہے حالانکہ انہی سے سات مرتبہ دھونے کی روایت موجود ہے"۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۱)

اس کی ایک اور واضح مثال نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کا مسئلہ ہے جو صحیح احادیث کی رو سے منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر صرف صحاح ستہ کو دیکھا جائے تو ناسخ حدیثیں صحیح مسلم، نسائی، ترمذی، ابو داؤد اور بخاری میں بھی موجود ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب سنۃ الجلوس فی التشھد میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور رفع یدین کا ذکر نہیں کیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔ رفع یدین، آمین بالجھر، قراۃ خلف الامام و دیگر مسائل پر ہم علیحدہ سے ایک باب میں گفتگو کریں گے۔

"مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے مثلاً نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قیاس کے خلاف ہے امام مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ یہ ناقضِ وضو نہیں۔ امام محمد رضی اللہ عنہ اس بارے میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قیاس وہی ہے جو اہلِ مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ "روزے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا"۔ حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ کیونکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم۔ امام نے فرمایا، "اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتی

تو میں روزہ قضا کرنے کا حکم دیتا"۔ (مقدمہ نزہۃ القاری:۲۰۷)

اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ قیاس کی رو سے تو قرعہ اندازی درست معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم قیاس کو حدیث اور سنتِ نبوی کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلے عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حیض کی مدت پندرہ دن ہے مگر جب آپ کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آئی کہ "حیض کی مدت تین دن سے دس دن تک ہے باقی ایام اگر خون آئے تو استحاضہ ہے" تو آپ نے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا اور قیاس ترک کر دیا۔ (مناقب للموفق:۱۰۳)

جب آپ کی امام باقر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، سنا ہے تم قیاس کی بناء پر ہمارے نانا رسول کریم ﷺ کی احادیث کی مخالفت کرتے ہو؟ آپ نے عرض کی، یہ سراسر بہتان ہے۔ دیکھیے! عورت مرد سے کمزور ہے لیکن وراثت میں اس کا حصہ مرد سے نصف ہے۔ اگر میں قیاس کرتا تو فتویٰ دیتا کہ عورت کو مرد سے دوگنا حصہ ملنا چاہیے لیکن میں ایسا نہیں کرتا۔ اسی طرح نماز، روزے سے افضل ہے جبکہ حائضہ عورت پر روزے کی قضا ہے، نماز کی نہیں۔ اگر میں قیاس کرتا تو حیض سے پاک ہونے والی عورت کو نماز کی قضاء کا بھی حکم دیتا مگر میں حدیث کے مطابق روزے ہی کی قضاء کا حکم دیتا ہوں۔ یونہی پیشاب منی سے زیادہ نجس ہے۔ اس لیے اگر میں قیاس کرتا تو پیشاب کرنے والے کو غسل کا حکم دیتا اور احتلام والے کو صرف وضو کے لیے کہتا۔ لیکن میں احادیث کے مقابل قیاس نہیں کرتا۔ یہ سن کر امام باقر رضی اللہ عنہ اسقدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (مناقب للموفق:۱۲۶)

اسی طرح شرعی احکام والی روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری

ہے۔اس لیے عضو خاص کو چھونے سے وضو ٹوٹنے والی حدیث پر عمل نہیں کیا گیا۔جس کو صرف حضرت بسرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا روایت کیا حالانکہ اس کا جاننا عام لوگوں کے لیے ضروری تھا۔(الخیرات الحسان:۲۶۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو کسی فنی سقم کی بنا پر نامقبول ہو اور اسکے مقابل صحیح حدیث موجود ہو۔آپ چھوہاروں کے بدلے میں تازہ کھجور کی تجارت جائز قرار دیتے ہیں۔اہل بغداد نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور علیہ السلام نے تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔آپ نے فرمایا، یہ حدیث زید بن ابی عیاش پر موقوف ہے اور ان کی روایت متروک سمجھی جاتی ہے اسلیے یہ نامقبول اور شاذ ہے۔جبکہ صحیح حدیث کی رو سے یہ تجارت جائز ہے۔(فتح القدیر ج ۵:۲۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے جو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہو اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی صحابی نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔مثال کے طور پر بخاری میں حضور علیہ السلام کے نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے۔شارحین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس وقت نجاشی کا جنازہ نبی کریم علیہ السلام کی نگاہ پاک سے اوجھل نہیں تھا۔(عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۴:۲۵، فتاویٰ رضویہ ج ۹:۳۴۷)

یعنی اس طرح نماز جنازہ ادا کرنا صرف حضور علیہ السلام ہی کی خصوصیت تھا۔آپ کے بعد دور صحابہ میں بیشمار مسلمان فوت ہوئے مگر کبھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی گئی۔

اس بناء پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔اس بارے میں تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کا تحقیقی اور مدلل رسالہ، فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

عمل بالحدیث کے حوالے سے شارح بخاری رقمطراز ہیں، "احناف عمل بالحدیث میں

اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے:-

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعنہ وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:-

۱۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیثِ مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ حدیث کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۔ قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد، تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ قیاس کی ان چاروں قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

۳۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلافِ قیاس بات ہے۔ مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں قہقہہ کو ناقضِ وضو مانتے ہیں۔

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی رحمہ اللہ نے پیش کیے۔ اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے۔

(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۹۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بہت عمدہ بات کہی، وہ فرماتے ہیں، "شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے مذہب حنفی کو بیان کرتے ہوئے اس قدر احادیث پیش کی ہیں کہ قریب ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اہلِ رائے میں سے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اصحابِ ظواہر میں سے ہیں"۔ (تعارف فقہ وتصوف:۲۰۶)

امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "جس شخص نے بھی ان ائمہ کے کسی قول پر طعن کیا ہے محض جہالت کی وجہ سے کیا ہے۔ یا تو وہ آپ کی دلیل نہیں سمجھ سکا اور یا وہ قیاس کی وجوہات کی باریکی کو نہ جان پایا۔ خاص طور پر امام اعظم رحمہ اللہ پر طعن تو التفات کے لائق ہے ہی نہیں کیونکہ سلف وخلف ان کے کثرت علم، ورع وتقویٰ، عبادت، وجوہِ قیاس ومدارک اور استنباطات کی دقت اور باریک بینی پر متفق رہے ہیں"۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱:۵۴)

اب آخر میں علامہ شامی رحمہ اللہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے۔ وہ فرماتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، "جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے"۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا مذہب صحیح احادیث کے مطابق ہے۔ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کے ضعف کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ آپ نے بلاواسطہ صحابہ کرام سے احادیث سنیں یا تابعین سے۔ اس لیے آپ تک پہنچنے والی تمام احادیث صحیح ہیں۔

ضعیف حدیث، قیاس پر مقدم ہے:

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے بہترین انداز میں سمجھایا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں، "غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو بخاری ومسلم نے روایت کی ہے، وہ فرماتی

ہیں کہ میں رسول ﷺ کے کپڑے سے منی دھوتی تھی۔ دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس ﷺ اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور ﷺ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔ اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔ کپڑے پر لگنے والی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔ ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں جبکہ احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاکی کیسے ہوگی قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انمایغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیئ والدم والمنی۔

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابلِ احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال

سے ہیں۔علاوہ ازیں عجلی نے کہا، لا باس بہ۔امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔اسی طرح ایک اور راوی ابراھیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔اور احکام میں یہ بھی حجت ہے۔اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہلحدیث بننے کے مدّعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۸)

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں، ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے انھوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم کیا ہے اور انھوں نے ضعیف حدیث ہی کی وجہ سے دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے سے منع کیا ہے۔اور ایک حدیث کی وجہ سے کہ اس میں ضعف ہے آپ نے اکثر حیض دس دن قرار دیا ہے۔اور جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے شہر کی شرط اسی طرح کی حدیث سے رکھی ہے اور کنوئیں کے مسائل میں آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے قیاس محض کو چھوڑ دیا ہے۔پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ آثارِ صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھتے ہیں''۔(اعلام الموقعین ج ۱: ۷۷)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ ایسے ہی دلائل دے کر فرماتے ہیں، ''جب یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی (کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل قیاس سے بہتر ہے) تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ان چیزوں سے پاکدامنی ثابت ہوگئی جو آپ کی طرف آپ کے دشمنوں اور آپ کے اصول سے ناواقفوں نے منسوب کی تھیں بلکہ ان لوگوں کو تو مواقع اجتہاد تک کی خبر نہیں کہ ان کے اصول کیا ہیں اور انھوں نے یہ کہہ دیا کہ

آپ نے اخبارِ احاد بلا حجت ترک کر دیں حالانکہ آپ نے کوئی خبر بھی ایسی دلیل کے بغیر نہ چھوڑی جو آپ کے نزدیک زیادہ قوی اور واضح نہ ہو۔

ابن حزم ظاہری نے کہا، احناف کا اجماع ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف، رائے پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ تو آپ سوچ لیجیے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو احادیث کا کس درجہ اہتمام تھا اور احادیث کی عظمتِ شان کا کتنا پاس تھا۔ اسلیے آپ نے احادیثِ مرسلہ پر عمل کو قیاس پر مقدم رکھا ہے۔ چنانچہ آپ نے قہقہہ سے وضو کو واجب کر دیا صرف خبرِ مرسل کی بناء پر حالانکہ قیاس کے لحاظ سے یہ حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں ناقضِ وضو نہ کہا، نص پر اقتصار کرتے ہوئے کیونکہ یہ رکوع اور سجود والی نماز کے بارے میں ہے"۔ (الخیرات: ۲۶۳)

ایک صاحب نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی کا یہ قول نقل کیا کہ "نہ ان کے پاس رائے ہے اور نہ حدیث"۔ اس قول کو نقل کر کے امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "اس شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے عقل اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ بحمدہ تعالیٰ جب میں نے کتاب "ادلۃ المذاہب" تالیف کی تو اس وقت میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے دلائل دیکھے۔ میں نے ان کا اور ان کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں دیکھا جو کسی آیت یا حدیث یا اثر یا اس کے مفہوم یا ضعیف حدیث جس کے طرق متعدد ہوں یا کسی ایسے مستند قیاس کی بنیاد پر نہ ہوں جو کسی صحیح اصل پر مبنی ہے"۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱: ۵۵)

احناف صحیح احادیث پر عامل ہیں:

"جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ماءِ قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزا پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزا ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چوہے اور چوہے کے اردگرد کو پھینک دو باقی گھی کھاؤ۔ (بخاری: ۳۷)

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ یہ خود محلِ نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔ نیز چوہے کے اردگرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا اردگرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے اردگرد ناپاک ہوگیا۔ لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزے کا گھی میں آ جانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آ جائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آ سکتا ہے مگر پھر اردگرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک اثر پہنچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہیئے۔

اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزے کا سرایت کرنا ضروری نہیں محض نجاست کے گرنے سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے لہٰذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو مٹکے ہے تو پاک ہے اس

سے کم ہے تو ناپاک۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے:۔

اذا کان الماء قلتین لا یحمل الخبث۔ جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔(مشکوۃ:۵۱)

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر مٹکے کا تعین بھی مشکل ہے۔مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟

دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لا یبولن احد کم فی الماء الراکد الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ۔اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب نہ کرو۔پھر اسی میں غسل کرو۔(بخاری ج۱:۳۷)

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری رحمہ اللہ قیاس پر۔ پھر بھی احناف تارکِ حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟؟؟(مقدمہ نزہۃ القاری:۱۹۹)

اگر صحیح احادیث متعارض ہوں تو:

"اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی۔امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔
اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے اور وہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاحِ نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزھری عن سالم عن ابیہ۔ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراھیم عن علقمۃ۔
حضرت امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراھیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔
اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)
امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔
اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ غیر مقلدیت کے معلمِ اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی میں اس کو زندہ کر رہا ہوں۔ اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو خاموش رہے مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو، سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ (مقدمہ نزھۃ القاری: ۲۰۰)

باب دہم (10)

مخالفتِ حدیث کا الزام:

بعض غیر مقلد یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسائل صحیح احادیث کے مخالف ہیں۔ اس الزام کے جواب میں آزاد خیال ہونے کے باوجود شبلی نعمانی اپنی تحقیق یوں لکھتے ہیں،

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی، بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانے تک احادیث کا استقصاء نہیں کیا گیا تھا اس لیے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال لغو اور بے سروپا ہے۔ امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئیں تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں، اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے۔

وکیع بن الجراح رحمہ اللہ جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جن کی نسبت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ ''میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا''، وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے متعلق لکھا ہے، كان يفتي بقول ابی حنيفة۔ (وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے) یحیٰی بن سعید بن القطان رحمہ اللہ جو فنِ جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیرو تھے۔ خود ان کا قول ہے، قد اخذنا باكثر اقواله۔ (ہم نے امام اعظم کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے) امام طحاوی رحمہ اللہ حافظ الحدیث تھے جو مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسائل اختیار کیے اور کہا کرتے تھے، میں ابوحنیفہ کا مقلد

نہیں ہوں بلکہ مجھ کو ان سے توارد ہے۔امام طحاوی،امام بخاری اور مسلم کے ہمعصر تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔متاخرین میں علامہ ماردینی، حافظ زیلعی ،ابن الہمام، قاسم بن قطلو بغا وغیرہم کی نسبت قلتِ نظر کا کون گمان کرسکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اس کے علاوہ جو لوگ حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدّث امام احمد بن حنبل ہیں جن کی شاگردی پر امام بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جن کی نسبت محدّثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد بن حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ۔امام احمد بن حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔

خوارزمی نے لکھا ہے کہ ''فروع و جزئیات چھوڑ کر امہاتِ فقہ کے متعلق ۱۲۵ مسئلوں میں ان کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف''۔ ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے،ان کے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں ۔قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعة منی لا بی حنیفة ۔''خدا کی قسم! سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں''۔ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں جو زیادہ تر امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اس خیال کے پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدّثین مثلاً امام بخاری، ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں۔ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے ردّ میں ایک مستقل باب لکھا ہے۔لیکن یہ خیال کرنے والوں کی کوتاہ نظری ہے۔اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح اور اعتراض

کیا ہے۔امام شافعی، امام مالک کے مخلص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے "آسمان کے نیچے موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں"۔ باوجود اس کے انہوں نے امام مالک کے ردّ میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہیں۔امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گزرا ہے۔رحمہم اللہ تعالی

لیث بن سعد رحمہ اللہ جو مشہور محدث ہیں، کہا کرتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں ان کو اس امر کی نسبت خط لکھوں۔امام شافعی رحمہ اللہ بھی اس اعتراض سے نہیں بچ سکے اور کیونکر بچ سکتے تھے، جهر بسم الله وقنوت في الفجر و ترک توريث ذوي الارحام وغیرہ میں ان کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور ان کی بناء پر ہم کسی کو مخالفِ حدیث نہیں کہہ سکتے۔جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو۔پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جس میں مجتہدین بہت کم متفق الآراء ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہیں"۔(سیرۃ النعمان:۲۹۷ تا ۳۰۰)

جب کسی مسئلہ میں متعدد متعارض روایات آ جائیں تو ایسی صورت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان روایات میں تطبیق دی جائے تاکہ تمام روایات پر عمل ہو سکے۔اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر آپ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو دین اور اصولِ روایت کے قریب ترین ہو۔ایسی صورت میں امام مالک رضی اللہ عنہ اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس پر اہلِ مدینہ کا عمل ہو اور امام شافعی رضی اللہ عنہ قوتِ سند کے اعتبار سے کسی ایک روایت کو لیتے ہیں اور دیگر روایات کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ امام احمد بن

حنبل رضی اللہ عنہ متقدمین کی اکثریت کا لحاظ رکھتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں۔

مخالفتِ حدیث کی حقیقت:

سابقہ عنوانات کے تحت ہم نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہرگز حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ آپ تو سرکار دو عالم ﷺ کی احادیث کے سچے عاشق تھے۔ بعض کم فہم لوگوں کی ہدایت کے لیے اس عنوان پر قلم اٹھانا ضروری خیال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی حدیث کے ظاہری الفاظ کی تو مخالفت کرتا ہے لیکن درحقیقت اس حدیث سے جو معنی مستنبط ہوتے ہیں، ان کی اطاعت کرتا ہے تو کیا اس شخص کو کوئی الزام دینا صحیح ہے؟ اگر حضور ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا ہے تو کیا ہر موقع پر اس منع سے حرمت اور کراہت تحریمی مراد ہوگی یا اس سے کراہت تنزیہی اور ترکِ اولیٰ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص حدیث کے ظاہری حکم کو کسی علت کی بناء پر یا کسی اور حدیث کی وجہ سے قبول نہ کرے تو کیا اسے کوئی الزام دینا جائز ہے؟

(۱) صحیح بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام کو یہ حکم دیا کہ ''تم بنو قریظہ کے پاس پہنچو اور تم عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس جا کر ہی پڑھنا''۔ چنانچہ راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم تو بنو قریظہ میں جا کر ہی نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا کہ ہم تو نماز یہیں پڑھیں گے کیونکہ ہمیں یہ تو نہیں کہا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں۔ انہوں نے نماز پڑھ لی۔ جب اس کا ذکر آقا و مولیٰ ﷺ کے سامنے ہوا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ فرمائی۔ (بخاری ج ۲، ابواب المغازی)

اب غور کیجیے کہ ایک جماعت نے تو مرادی معنی ملحوظ رکھتے ہوئے نماز عصر اس کے وقت پر پڑھ لی اور دوسری جماعت نے ظاہری الفاظ پر عمل کیا اور نماز عصر عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر ادا کی۔ اولی الذکر گروہ زیادہ فقیہ تھا وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوا اور دوسرا

گروہ بھی مجتہد تھا مگر وہ ایک اجر کا مستحق ہوا۔

اسکی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''اس حدیث سے جو فقہ حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی حدیث یا آیت کے ظاہر پر عمل کیا تو ان پر کوئی عیب و الزام نہیں اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں جنھوں نے نص سے کوئی معنی استنباط کیا جو اسکو مخصوص کرتا ہو''۔ (فتح الباری پ ۱۶: ۶۷)

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ظاہری الفاظ کے بجائے مستنبط شدہ معانی پر عمل کرنے والا بھی عامل بالحدیث ہی ہوتا ہے۔

(۲) صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا تو حضور ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ جا کر اسے کوڑے مارو۔ جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اسکو سزا دی تو کہیں یہ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں بغیر سزا دیے واپس بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور سارا معاملہ عرض کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اَحْسَنْتَ ''تو نے اچھا کیا''۔

(صحیح مسلم جلد دوم، کتاب الحدود)

اس حدیث میں غور کیجیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ظاہری حکم مشروط اور مقید نہ تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہادی رائے سے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ کا حکم درحقیقت مشروط و مقید ہے۔ زچگی کی حالت میں سزا دینا اس لونڈی کی ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے اسلیے انہوں نے حضور ﷺ کے ظاہری حکم کی تعمیل نہ کی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اَحْسَنْتَ فرما کر آپ کے اس اجتہاد کی تائید و تحسین فرمائی۔

(۳) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عہد نامہ پر یہ تحریر کیا: ''یہ وہ عہد نامہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فریق ثانی سے طے کیا ہے''۔ اس پر کافروں نے اعتراض کیا اور ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا کر محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھنے کا مطالبہ کیا۔

"تو رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ الفاظ مٹا دیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، "خدا کی قسم میں انکو نہیں مٹاؤں گا"۔ (صحیح مسلم ج ۲: ۱۰۵)

غور فرمایئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صریح حکم کے جواب میں حلفیہ فرماتے ہیں کہ میں یہ ہرگز نہ کروں گا۔ ظاہری الفاظ سے تو نہ جانے ان پر کیا الزام عائد ہو مگر اہلِ عقل و فہم اور دیدہ بصیرت رکھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جو دل عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے معمور ہو اور جو زمین پر دشمنانِ رسول ﷺ کے وجود کو مٹانے کا عزم کیے ہوئے ہو، وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا مقدس نام کاغذ سے مٹانا کیونکر گوارا کر سکتا ہے؟

امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ انکار کرنا ادب مستحب کے باب سے ہے کیونکہ وہ آقا کریم ﷺ کے ارشاد سے یہی سمجھے تھے کہ اس تحریر کا مٹانا خود اُن پر لازم نہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی گرفت نہیں کی"۔ (شرح مسلم ج ۲: ۱۰۴)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقیہانہ بصیرت تھی جس کے باعث انہوں نے یہ حقیقت سمجھ لی کہ سرکار کا یہ حکم مستحب ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضور ﷺ کے اس حکم کا ترک ہرگز جائز نہ ہوتا۔

(۴) حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم عورتوں کو جنازے میں شریک ہونے سے منع کیا گیا ہے لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔

(بخاری ج ۱: ۱۷۰، مسلم ج ۱: ۳۰۴)

اسکی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "انکے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے جنازوں میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے لیکن یہ ممانعت تنزیہی کے درجہ کی ہے یہ ممانعت تاکیدی اور تحریمی کے درجہ کی نہیں ہے"۔ (شرح مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی فقہی بصیرت اور اجتہاد سے

اس ممانعت کا درجہ متعین کیا کہ یہ ممانعت تحریم کے درجہ کی نہیں بلکہ تنزیہی ہے حالانکہ حدیث میں صرف ممانعت کا حکم ہے اور تحریم و تنزیہہ کی تقسیم مذکور نہیں ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے فرمائے ہوئے اوامر و نواہی کی حقیقت اور ان کا درجہ سمجھنا نہایت اہم ہے اور اسی حقیقت کو پالینے کا نام تفقہ فی الدین ہے۔

"خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے انہوں نے کیا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آغازِ خلافت تک امہاتِ اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے تبوک کے سفر میں غیر مذہبوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران میں ۴۸، ۱۲، ۶ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت ﷺ جب مال غنیمت تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا حصہ لگاتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہاشمیوں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرادی کہ تین طلاقیں تین سمجھی جائیں گی۔ (اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "خواتین اور دینی مسائل" ملاحظہ فرمائیں) آنحضرت ﷺ کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی حد ۴۰ درّے مقرر کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بسبب اس کے کہ انکے دور میں شراب نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا، ۴۰ سے ۸۰ درّے کر دئے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت

ﷺ کا تشریعی حکم سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے؟ (ہرگز نہیں)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رات دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیضِ صحبت کی وجہ سے شریعت کے ادا شناس ہو گئے تھے۔.................امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر صحابہ ہی کو دلیلِ راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں ان کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بلکہ صحابہ کو بھی موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔

طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں بے چارے عمر کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول ﷺ کے مقابلے میں ان کی کوئی حقیقت نہیں"۔ (سیرۃ النعمان: ۲۴۳)

اگر محض ظاہر بینوں کے اعتراضات کو دیکھا جائے تو یہ محسوس ہوگا کہ فلاں نے حدیث کی مخالفت کی، فلاں نے حدیث کا انکار کیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن انصاف پسند قارئین کے لیے مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ کی مثالوں سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس میں کچھ اسرار و رموز بھی ہوتے ہیں، کہیں کوئی علت پوشیدہ ہوتی ہے تو کہیں قیود و شرائط پنہاں ہوتی ہیں، کہیں امر وجوب کے لیے ہوتا ہے تو کہیں استحباب و اباحت کے لیے، کہیں نہی تحریم کے لیے ہوتی ہے تو کہیں تنزیہہ و احتیاط کے لیے۔ چنانچہ حق یہی ہے کہ احادیث کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اور ان سے مسائل کا استنباط کرنے کے لیے فقہی بصیرت اور عقل و فراست و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اہلِ رائے یا اہلِ حدیث:

جب احادیث میں تعارض ہوتا تو فقیہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنے اجتہاد کی بناء پر ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لیے رحمت ہے۔ (الخیرات الحسان : ۳۴) یعنی اگر صحابہ کرام کسی فروعی مسئلے میں اختلاف نہ کرتے تو لوگوں کے لیے رخصت نہ ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ میری امت کا اختلاف باعثِ رحمت ہے۔

اسکے باوجود بعض جہلاء خود کو اہلِ حدیث اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اہلِ رائے قرار دیتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ احادیث کے بجائے اپنی رائے پر عمل پیرا تھے۔ حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ اس بارے میں تفصیلی گفتگو پہلے بھی ہو چکی لیکن مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے "الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی" میں اور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے اپنی شرح بخاری کے مقدمے میں جو مدلل اور تحقیقی گفتگو کی ہے اس سے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔

امامِ اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرات عالیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے لے کر پچھلے ائمہ مجتہدین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں کہ جس نے بعض احادیثِ صحیحہ کو ماؤل یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔

(۱) امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ در بارۂ تیمم جب پر عمل نہ کیا اور فرمایا، اے عمار! اللہ سے ڈرو۔ (مسلم)

(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث در بارۂ رکعاتِ وتر پر عمل نہ کیا اور فرمایا، لیس شئ من البیت محجورا۔ (بخاری)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

الوضوء مما مست النار۔ جسے آگ نے چھوا ہو، اس سے وضو ہے۔

یعنی آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بناء پر بعض ائمہ اس کے

قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا:

انتو ضأ من الدھن انتوضأ من الحمیم۔ کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (ترمذی)

اس کے جواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے بھتیجے! جب حدیثِ رسول ﷺ بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قیاس کی بناء پر حدیث کو ترک کر دیا؟

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اُٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **ھل یلزمنا الوضوء من حمل عیدان یابسة**۔ کیا سوکھی لکڑیاں اُٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اُٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اُٹھائے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہئے تھا کہ میری مراد یہ ہے، اپنی بیان کردہ حدیث کو وہ زیادہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مؤاخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اُٹھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ معاندینِ احناف، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کیا کہیں گے؟۔

(۵) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح

کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا، پھر مر گیا۔ اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مہینہ تک غور و خوض کیا پھر یہ فتویٰ دیا، میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا، میں اپنی رائے بتاتا ہوں۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔

اسی مجمع میں معقل بن سنان رضی اللہ عنہ موجود تھے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بروع بنتِ واشق کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے یہی حکم دیا تھا یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہ دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معقل رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تسلیم نہیں کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

ما نصغي بقول اعرابي بو ال علي عقبيه و حسبها الميراث ولا مهر لها۔ اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے، اس عورت کو صرف میراث ملے گی۔ مہر اس کے لئے نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی۔ اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہی حضرت زید بن ثابت، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی مذہب ہے۔ اب بتایئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟۔

(۶) ترمذی میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ

حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انھوں نے کہا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا:
لا ندع کتاب اللہ و سنة نبینا ﷺ بقول امرأة لا ندری احفظت ام نسیت فکان عمر جعل لها السکنیٰ و النفقة۔ ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۃ طلاق کی یہ دو آیتیں ہیں:
ولا تخرجوھن من بیوتھن۔ انھیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اسکنوھن من حیث سکنتم۔ جہاں خود رہتے ہو وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔
لیکن گذارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ طلاق والی کے لئے ہیں۔ اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قیاس تھا کہ انھوں نے آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔

بولئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا تحقیق ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا سب نے سکوت کیا۔ کیا سب صحابہ کرام قیاسی تھے؟۔

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے وہ ترمذی میں مذکور نہیں البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو اور اسی پر مطلقہ ثلثہ کو قیاس فرمایا جیسا کہ

کتابُ اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلثہ کے بارے میں ہی ہو تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افقہ ہونا ہے۔ اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہو گی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں لیکن اب ہمیں یہ بتایئے کہ حضرت امام مالک، امام شافعی، لیث بن سعد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا۔

ترمذی میں ہے: "بعض اہل علم نے کہا، اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے"۔

ان تینوں ائمہ کو کس زمرہ میں داخل مانتے ہو؟ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، علماء کا عمل حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے۔ اور انکے اتباع نے فرمایا، ایسی جگہ حدیث سنانا پوچ بات ہے۔ ائمہ تابعین کی ایک جماعت کو جب دوسروں سے انکے خلاف حدیثیں پہنچتیں تو وہ فرماتے، ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اسکے خلاف پر گذر چکا۔

امام محمد بن ابی بکر بن جریر سے بارہا انکے بھائی کہتے، تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم کیا؟ وہ فرماتے، میں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہ پایا۔ امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے، اہلِ مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے۔ ان اقوال کو امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں روایت کیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اب ان ائمہ تابعین کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو علماء و فقہاء کرام کے عمل کو احادیث پر ترجیح دے رہے ہیں؟ بلکہ غیر مقلدوں کے پیشوا میاں نذیر حسین دہلوی اپنی کتاب معیار الحق میں لکھتے ہیں کہ "بعض ائمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرع تحقیق انکی ہے کیونکہ انہوں نے ان احادیث کو قابلِ عمل نہیں سمجھا، بدعوے نسخ یا

بدعوے ضعف اور امثال اسکے...... الخ"۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "اس امثال کے بڑھانے نے کھول دیا کہ بے دعوے نسخ یا ضعف بھی ائمہ بعض احادیث کو قابلِ عمل نہیں سمجھتے۔ اور بیشک ایسا ہی ہے خود اسی "معیار" میں حدیثِ جلیل صحیح بخاری شریف حتیٰ ساوی الظل التلول کو بعض مقلدین شافعیہ کی ٹھیٹھ تقلید کر کے بحیلۂ تاویلات باردہ کاسدہ ساقطہ فاسدہ متروک العمل کر دیا اور عذرِ گناہ کے لیے بولے کہ جمعاً بین الادلۃ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ اور اسکے سوا اور بہت سی احادیثِ صحاح کو محض اپنا مذہب بنانے کے لیے بدعاویٰ باطلہ عاطلہ ذاہلہ زائلہ بیدھڑک واہیات ومردود بتادیا۔ جس کی تفصیلِ جلیل، فقیر کے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین میں مذکور ہے"۔

اِشعار کا مسئلہ:

احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اِشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور قربانی کے لئے مکہ معظّمہ لے کر جائے جاتے ہیں جنھیں ہَدی کہتے ہیں انھیں شناخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے یا ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے اسے اِشعار کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اِشعار کیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اِشعار کو منع فرمایا۔ اس پر قیامت سر پر اٹھالی گئی حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی۔ مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا: **لا تمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ**۔ اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں داخل ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا: **ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین**۔

بھلائی اور مسلمانوں کی دعاء میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آج عورتوں نے جو حال بنا رکھا ہے اگر نبی ﷺ دیکھتے تو انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔

بولیے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کیا؟ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

اِشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگادیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتے۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذا بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے اِشعار کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادائیگی میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اِشعار میں بھی ہونے لگا تھا۔

اس لئے فتنہ کے سدباب کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ بتایا۔ جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکنا حدیث کے منافی نہیں، اسی طرح اِشعار میں تعدی کی بناء پر اِشعار کو مکروہ کہنا، حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔ (مقدمہ نزہۃ القاری:۲۰۶)

معانیٔ حدیث کا فہم:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اجل سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ جو امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ

کے استاذ الاستاذ ہیں فرماتے ہیں، الحدیث مضلة الا للفقہاء۔ "حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے سوائے مجتہدوں کے"۔

اسکی شرح میں امام ابن الحاج مکی رحمہ اللہ مدخل میں فرماتے ہیں، "انکی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنے سمجھ میں آتے ہیں ان پر جم جاتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے۔ یا وہاں کوئی اور دلیل ہے جس پر اس شخص کو اطلاع نہیں، یا متعدد اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ان سب باتوں پر قدرت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو علم کا دریا بنا اور منصب اجتہاد تک پہنچا (یعنی فقیہ ہوا)"۔

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، "اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے"۔ (بخاری، مسلم)

اور یہ حدیث پاک بھی پہلے مذکور ہوئی کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث سن کر اچھی طرح یاد کی اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔ کیونکہ اکثر کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر وہ اسکے فہم وفقہ کی قابلیت نہیں رکھتے یعنی وہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ اسے ان تک پہنچا دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہوتے ہیں"۔

اس حدیث کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر فقط حدیث معلوم ہو جانا فہمِ حکم کے لیے کافی ہوتا تو اس ارشادِ اقدس کے کیا معنی تھے؟ (الفضل الموہبی: ۱۴)

ایک بار مشہور محدث وامام اعمش نے امام ابو یوسف سے ایک مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے جواب بتا دیا۔ آپ نے کہا، اسکی دلیل؟ امام ابو یوسف نے کہا، فلاں حدیث جو آپ سے روایت کی ہے۔ امام اعمش نے ہنس کر فرمایا، یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والد کی شادی بھی نہ ہوئی تھی مگر اس کے معنی مجھے آج معلوم ہوئے ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۴: ۲۴۶)

پس معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ ایک چیز ے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے۔ دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:۔

(۱) حضور اقدس ﷺ نے اخیر عمر مبارک، دورانِ خطبہ فرمایا: ''اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوریٔ بارگاہ، اس بندے نے حضوریٔ بارگاہ کو پسند کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راویٔ حدیث کہتے ہیں، ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا کہ آپ روکیوں رہے ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندۂ مختار خود حضور اقدس ﷺ تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (بخاری ج۱: ۵۱۶)

(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کے صاحبزادوں کو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بلایا اور دریافت کیا کہ سورۃ النصر سے کیا سمجھتے ہو، کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے۔ کچھ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح اور تحمید کریں، استغفار کریں، یعنی اس کا شکر کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو انہوں نے عرض کیا۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جارہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے

کی ایسی قوت وصلاحیت عطا فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نکتہ رس نظریں فہم معانی کے دقیق سے دقیق، ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ ان میں جسے اللہ چاہتا وہ امام کی جلالت کو تسلیم کر لیتا ورنہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکّی شافعی رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا، حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں، ان کا جاننے والا میں نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔

ایک بار حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، امام سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کیے۔ انھوں نے امام اعظم رحمہ اللہ سے پوچھا، آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا، کہاں سے یہ کہتے ہو؟ فرمایا، آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے۔ اور پھر آپ نے اُن احادیث کو مع اسناد کے بیان کر دیا۔

امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا، بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کی آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين۔ اے گروہِ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں یعنی دوائیں ہمارے پاس ہیں مگر انکا طریق استعمال تم جانتے ہو اور اے مردِ کامل! تم نے تو فقہ و حدیث دونوں کو حاصل کر لیا۔ (الفضل الموہبی: ۱۵، مقدمہ نزھۃ القاری: ۲۱۰)

اللہ تعالیٰ امام اعمش رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے محدثین اور فقہاء کے مراتب کے متعلق تمام مباحث کو ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض:

"حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جلالتِ شان گھٹانے کے لیے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آجکل کے غیر مقلدین اسے بطورِ وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے باآں جلالتِ شان کہیں کہیں لغوی، صرفی لغزشِ ہوگئی ہے، جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں لکڑی چلی گئی!!!

ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاقِ رکھ کر امام اعظم رضی اللہ عنہ پر لعن طعن سب وشتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہو نہ سکا، کیا یہ کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک قول ڈھونڈ نکالا جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ابو عمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قتل بالمثقل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔ اس پر ابو عمرو نے کہا اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں؟ فرمایا،

لو قتلہ بابا قبیس۔ اگر چہ (پہاڑ) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابو قبیس پر 'با' حرف جار داخل ہے اس لیے اس کو یاء کے ساتھ "بابی قبیس" ہونا چاہیے تھا۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔

بخاری قتل ابی جہل میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا، انت اباجھل۔ جو روایت بطریق محمد بن مثنیٰ ہے اس میں معتمد روایت یہی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے، حالانکہ ہونا چاہیے ابو جہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ ''بابا قبیس'' غلط ہے اور نہ ''انت ابا جھل'' غلط۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ ''جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا''۔

چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے،

ان اباھا و ابا اباھا | قد بلغا فی المجد غایتاھا

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں ''یا'' کے ساتھ اور حالت رفع میں ''واؤ'' کے ساتھ اس لئے ''انت ابا جھل'' اور ''ولو قتلہ بابا قبیس'' غلط ہے''۔ (مقدمہ نزھۃ القاری:۲۱۱)



باب یازدہم (11)

امام اعظم کے اساتذہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے علمِ فقہ کے حصول کے لیے حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس سے وابستگی اختیار کی۔ اس دوران آپ علمِ حدیث کے حصول کے لیے دنیائے اسلام کے نامور محدثین کرام کی خدمت میں حاضری دیتے رہے کیونکہ فقہی مسائل کی مجتہدانہ تحقیق کے لیے علمِ حدیث کی تحصیل و تکمیل از حد ضروری تھی۔

امام ابو حفص کبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے زمانے میں یہ اختلاف ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی میں سے کون افضل ہے؟ (رضی اللہ عنہما) یہ طے ہوا کہ دونوں کے مشائخ و اساتذہ شمار کر لیے جائیں، جس کے مشائخ زیادہ ہوں وہ افضل ہے۔ چنانچہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اَسّی (۸۰) شمار ہوئے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ (مناقب للموفق: ۶۴)

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ چار ہزار شیوخ تابعین میں سے تھے۔ اب آپ خود سوچے کہ انکے سوا اور کتنے ہونگے۔ (الخیرات الحسان: ۸۳)

علامہ موفق رحمہ اللہ نے اسی باب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے 244 اساتذہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں جبکہ علامہ محمد بن یوسف شافعی رحمہ اللہ نے عقود الجمان میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے 324 مشائخ کے نام لکھے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ نے آپکے مشائخ میں تابعین و تبع تابعین سے 74 حضرات کے نام لکھے ہیں جن سے آپ نے احادیث روایت کی ہیں جبکہ سات صحابہ کرام کے نام تحریر کیے ہیں۔ (تبییض الصحیفہ: ۱۳)

آپ کے معروف اساتذہ حضرت ابراھیم نخعی اور حضرت حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہما کا ذکر ہم اگلے عنوان "فقہ حنفی کا سلسلہ" کے تحت کریں گے۔ یہاں ہم آپ کے بعض

نامور اساتذہ کرام کا مختصر ذکر کرتے ہیں:۔

امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہما:

آپ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے پوتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد امام زین العابدین، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے حدیث سماعت فرمائی۔ آپ کو وسیع العلم اور کثیر الحدیث ہونے کی وجہ سے باقر العلوم کہا جاتا تھا۔ آپ کے فقیہ اور محدث ہونے پر امام نسائی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر محدثین نے گواہی دی۔ آپ کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے، ''میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں اور اہلبیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے اہلبیت میں سے ہر کسی کو ان سے محبت کرتے ہوئے پایا ہے''۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہم سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ نے فرمایا، ابوحنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا، ''ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی وروحانی علوم کے ذخائر ہیں''۔ (مناقب للموفق:۱۹۲)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''ان (ابوحنیفہ) کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے''۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے کہ امام باقر محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس گئے۔ اور جنازے پر چادر

پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا، کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں اسکا نامہ اعمال لیکر اللہ کے پاس جاؤں سوائے اِس چادر پوش کے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخر تھا)''۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۹۵)

۱۱۸ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی آپ سے پہلی ملاقات کے وقت کی گفتگو بہت مشہور ہے جو کہ پہلے مذکور ہو چکی۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

آپ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں امام اعظم کے علاوہ امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم کئی اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ بیحد متقی اور مستجاب الدعوات تھے۔ بلا وضو کبھی حدیث روایت نہ کرتے۔ ایک بار امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے چند مسائل پر گفتگو ہوئی تو فرمایا، ''یہ شخص بڑا عالم و فاضل اور فقیہ ہے''۔

۱۴۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے بالکل قریب بٹھا لیا۔ میں نے عرض کی، آپ کا حضراتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا نظریہ ہے؟ کیونکہ بعض لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اے ابوحنیفہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی اُمِ کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سید الانبیاء اور انکی نانی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اُمّ المومنین ہیں اور انکے بھائی حسن و حسین رضی اللہ عنہما

جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کے اہل نہ ہوتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کبھی اس پر راضی نہ ہوتے۔ (ایضاً:۲۱۶)

علماء نے فرمایا ہے کہ جسطرح حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ طریقت میں حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اسی طرح آپ امامِ اعظم کے بھی مجاز اور خلیفہ ہیں۔ اور اسی طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی طریقت میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے سلوک وطریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں پھر فرمایا ہے، لَوْلاَ السَّنَتَانُ لَهَلَکَ النُّعْمَانُ ۔ ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا''۔ (مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم:۴۱)

امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک ہیں۔ علم وعمل میں تمام اہلِ مدینہ سے افضل مانے جاتے تھے۔ یحیٰی بن سعید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قاسم بن محمد سے زیادہ ہم نے کسی کو افضل نہ پایا۔ آپ حدیث میں اپنے والد محمد بن ابوبکر، اپنی پھوپھی حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، امیر معاویہ وغیرہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام شعبی، سالم بن عبداللہ، امام زہری، امام اعظم اور دیگر سینکڑوں تابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ زیادہ وقت خاموش رہتے اور احادیث کی روایت کم کرتے۔ اکثر وقت عبادتِ الٰہی میں گزارتے۔ آپ کا وصال ۱۰۱ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہ:

امام شعبی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے پانچ سو صحابہ کرام کا دیدار کیا۔ یہی وہ بزرگ ہستی ہیں جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو علمِ دین کے حصول کی

طرف راغب کیا تھا۔

علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار آپ کو مغازی کا درس دیتے سنا تو فرمایا، ''واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے''۔

امام زہری فرماتے تھے، ''عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں سعید بن میتب، بصرہ میں حسن بصری، شام میں مکحول اور کوفہ میں شعبی''۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور مفتی تھے۔ امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امام شعبی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے سامنے فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''بیس سال ہو چکے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰: ۲۰۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام شعبی رضی اللہ عنہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے استاد تھے۔ آپ کا وصال ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوا۔

حضرت ابواسحاق سبیعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، براء بن عازب، زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ بعض کے بقول اٹھائیس (۲۸) صحابہ کرام سے آپ کو بالمشافہ روایت کا شرف حاصل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ابواسحٰق رضی اللہ عنہ کے شیوخ شمار کیے تو تین سو (۳۰۰) شمار ہوئے جن میں اسی (۸۰) صحابہ کرام شامل ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۹ھ میں ہوا۔

امام شعبہ بن الحجاج رضی اللہ عنہ:

علم حدیث میں آپ کا لقب ''امیر المومنین فی الحدیث'' ہے۔ آپ کو دو ہزار حدیثیں

یاد تھیں۔امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے،''اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا پہچاننے والا نہ ہوتا''۔

آپ کو اپنے شاگردِ رشید امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔آپ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے۔ایک بار انکے ذکر پر فرمایا،''جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یقین ہے کہ علم اور ابوحنیفہ ساتھی اور ہم نشین ہیں''۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا،

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہیں امام شعبہ رحمہ اللہ نے حدیث وروایت کی اجازت دی ہے اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں''۔

عراق میں یہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کیے۔۱۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ:

آپ نہایت مشہور تابعی ہیں۔مکہ مکرمہ میں سب سے وسیع حلقۂ درس آپ ہی کا تھا۔آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے دوسو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔علمِ حدیث میں آپ کو ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔مجتہدین صحابہ نے آپ کے علم وفضل کی تعریف کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔

امام اوزاعی، امام زہری وغیرہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔امام اعظم رضی اللہ عنہ جب بھی مکہ مکرمہ جاتے، انکے درس میں ضرور شریک ہوتے۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت کی وجہ سے آپ دوسروں کو ہٹا کر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو سب سے آگے اپنے پہلو میں جگہ

دیئے۔۱۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے۔ انکے علاوہ آپ حضرت علی، ابوہریرہ، ابن عمر اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپکی تعلیم و تربیت کر کے اپنی حیات میں ہی آپ کو اجتہاد اور فتویٰ کی اجازت دی۔ تقریباً ستر (۷۰) مشہور تابعین تفسیر وحدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ فرمایا، ہاں، عکرمہ رحمہ اللہ۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، قرآن جاننے والا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر میں نے نہیں دیکھا۔ ۱۰۷ھ میں آپکا وصال ہوا۔

حضرت سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور محدث اور تابعی ہیں۔ حضرت جندب بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی اوفی، ابوالطفیل اور بہت سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے تھے، "سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ ارکان میں سے ایک رکن ہیں"۔ ابنِ سعد نے انہیں "کثیر الحدیث" تحریر کیا ہے۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ "کوفہ میں چار لوگ سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے۔ منصور بن معتمر، عمرو بن مرہ، ابوحصین اور سلمہ بن کہیل"۔ رضی اللہ عنہم

حضرت محارب بن دثار رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت جابر، عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی، ابوحاتم اور امام نسائی وغیرہ نے آپ کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں۔

آپ نہایت متقی پرہیز گار تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں نے محارب بن وثار رحمہ اللہ سے زیادہ عابد وزاہد کوئی نہ دیکھا۔ آپ کوفہ میں منصبِ قضا پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ:

آپ عظیم محدث اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک تھے اس لیے احادیث من وعن سنانے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوالطفیل اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ فرماتے تھے، ''جو بات میرے کان میں پڑتی ہے اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے''۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ ۱۰۷ھ میں وصال ہوا۔

حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ:

آپ جلیل القدر تابعی اور محدث ہیں اور حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ ''مجھے اسی (۸۰) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہے''۔

آپ سے دوسو (۲۰۰) حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی''۔ آپ جابر بن سمرہ، نعمان بن بشیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۲۳ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ:

آپ معروف محدث اور تابعی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ نے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ، ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

محدث ابوحاتم رحمہ اللہ نے آپ کو امام الحدیث قرار دیا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً

امام مالک، امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت سلیمان بن مہران رضی اللہ عنہ:

آپ امام اعمش کے نام سے مشہور ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔ آپ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔
حضرت امام اعظم، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، فضیل بن عیاض وغیرہ رضی اللہ عنہم آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ نے عمر بھر کسی امیر یا بادشاہ کا نذرانہ قبول نہ کیا۔ ۱۴۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ بھی مشہور تابعی اور عظیم محدث ہیں۔ آپکے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ آپ حدیث میں ثقہ مانے جاتے ہیں۔ زہد وتقوی کا پیکر تھے۔ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ:

آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں علم وفضل کے اعتبار سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ آپ تابعین کرام کی جماعت میں نہایت عابد وزاہد اور کامل فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ۱۰۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں اور مدینہ منورہ کے نامور فقہاء میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد گرامی اور حضرت ابوہریرہ وابورافع وغیرہ رضی اللہ عنہم سے

دینی علم حاصل کیا۔ تابعین کی جماعت میں علم و فضل کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ اپنے زمانے کے صلحاء و عابدین میں بے مثال اور زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں بے نظیر تھے۔ ۱۰۶ھ میں وصال ہوا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں فقہائے مدینہ سے اکتساب علم کیا اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

فقہ حنفی کا سلسلہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جب پہلی بار عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں آئے تو مشہور عابد و زاہد عیسیٰ بن موسیٰ رحمہ اللہ نے خلیفہ سے کہا، یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا، آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟

آپ نے فرمایا، ''میں نے حضرت عمر کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا عمر سے، اور میں نے حضرت علی کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا علی سے، نیز میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اصحاب سے اور انہوں نے سیدنا ابن مسعود سے''۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) خلیفہ نے کہا، علم تو بہت پختہ حاصل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان:۱۸)

مشہور فقیہ و محدث امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سمٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء، اور حضرت زید بن ثابت۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتسابِ فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم پر ختم ہو گیا''۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

(طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۴)

گویا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کے علم کا خزینہ دار اور محافظ کہا جا

سکتا ہے۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ جو کوفے کے عظیم محدث وفقیہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں، حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ کے خاص شاگردوں میں حضرت علقمہ، حضرت اسود، قاضی شریح، امام مسروق اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہوئے۔

پس فقہ حنفی کا سلسلہ یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے امام حماد سے، انہوں نے حضرت ابراھیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ واسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اور انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام سے علم حاصل کیا۔

اب ہم اس سلسلے کے جلیل القدر ائمہ کرام کے بارے میں مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام قبول کرنے والے چھٹے شخص ہیں۔ بارگاہِ نبوی میں آپ کے خصوصی مقام کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آقا ومولیٰ علیہ السلام نے آپ سے یہ فرمایا، "تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، پردہ اٹھا کر اندر آ جاؤ اور ہماری خاص باتیں سنو جب تک کہ میں تم کو روکوں"۔

آپ رسول کریم علیہ السلام کے خاص خادم اور رازدار صحابی تھے۔ آپ صحابہ کرام میں "صاحب النعلین والسواک والسواد" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے ذمہ یہ خدمتیں تھیں مثلاً آقا کریم علیہ السلام کی نعلین پاک اٹھانا، مسواک ساتھ رکھنا، آپکے آگے چلنا، وضو کے لیے پانی فراہم کرنا، سفر میں بستر مبارک اٹھانا، خواب سے بیدار کرنا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۴)

حضرت ابووائل بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ علیہ السلام کے صحابہ کے حلقوں میں بیٹھا ہوں، میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سے انکار کرتے کسی کو نہیں

دیکھا اور نہ ہی کسی صحابی نے آپ کا رد کیا۔ (ایضاً: ۱۰۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں"۔ آپ کے اس دعویٰ کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم اپنے دنیوی امور کے لیے اس ہستی کو پسند کرتے ہیں جسکو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ہمارے دینی کام کے لیے پسند کیا۔ یعنی حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں نماز پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا (اس لیے وہی ہمارے خلیفہ ہونگے)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کو صحابہ نے تسلیم کیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلا اجتہاد تھا۔ (ایضاً: ۱۰۶)

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ "تم ابن مسعود کے حکم کو مضبوط پکڑے رہو"۔ (ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں آقا و مولیٰ ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا، ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (مشکوٰۃ)

یہ وہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، "یہ ایک تھیلا ہیں علم سے بھرا ہوا"۔ اور نہایت یہ کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا، "میں نے اپنی امت کے لیے وہ پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لیے پسند کریں"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۳۱۱ بحوالہ مستدرک للحاکم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، ایسے شخص کے بارے میں بتایئے جو صورت و

سیرت میں نبی کریم ﷺ سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں۔ فرمایا، میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے قریب ہو۔ (بخاری کتاب المناقب، باب عبداللہ بن مسعود)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، "ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھ کر جو اس میں حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اس کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ ہیں اور سنت کے عالم"۔ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے، رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہمارے استاذ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا"۔ (امام ابوحنیفہ اور انکے ناقدین:٦٦)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علوم مصطفیٰ ﷺ کے مرجعِ اخیر اور فقہ کے مرجعِ کل ہیں اور آپ پہلے صحابی ہیں جو باقاعدہ طور پر فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ سے کثیر صحابہ اور تابعین احادیث روایت کرتے ہیں جن میں ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ۲۰ھ تا ۳۰ھ کوفہ میں مقیم رہے۔ ۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ، محدث علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اسی لیے ہمارے امام اعظم ان کی روایت و قول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج۵: ۳۱۲ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، "علقمہ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے"۔

امام یافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا علم و فضل اسقدر تھا کہ ان سے

صحابہ کرام بھی فتوے لیا کرتے تھے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آئینے کہلائے۔ یہ دونوں حضرات کامل طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال سے متصف تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۲ھ میں ہوا۔ آپکے وصال کی خبر سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''آج علم کا سرپرست فوت ہوگیا''۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۲)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ جب میں ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو ان کی سیرت و عادات دیکھنے والا ہر کوئی یہ کہتا کہ ان کی خصلت و سیرت عین حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا وہ کہتا، انکی عادات و سیرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت دیکھتا تو وہ یہ کہتا، یہ تو بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کی عادات و سیرت ہے۔ (مسندِ امام اعظم: ۳۱۰)

خوش نصیبی دیکھیے کہ یہ خود تابعی وفقیہ ومحدث، ان کے دو بھتیجے اسود اور عبدالرحمٰن بلند پایہ تابعی فقیہ ومحدث، اور ایک نواسہ ابراھیم نخعی تابعی فقیہ ومحدث۔ یعنی ایک گھر میں چار تابعی اور عالی قدر محدث وفقیہ۔ سبحان اللہ! آپ کا وصال ۶۲ھ یا ۷۴ھ میں ہوا۔

حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ صاحب علم وفضل اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کثرت سے نوافل پڑھتے اور سارا سال روزے رکھتے۔ آپ نے اسّی حج اور عمرے کیے۔ کوفہ میں آپ کی عبادات وکرامات اسقدر مشہور ہوئیں کہ لوگ آپ کو ''اسود جنتی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ۷۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خشک سالی ہوئی تو انہوں نے حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑ کر کہا، الٰہی! ہم اپنے میں سب سے اچھے افضل شخص اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔ اور پھر آپ سے بھی دعا کا کہا۔ چنانچہ آپ نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اسی وقت بارش ہوگئی۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔ مجھ سے زیادہ رونے کا حقدار اور کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے مجھے بخش دے تو بھی مجھے اپنے مولیٰ سے شرمندگی رہے گی۔ دیکھو کوئی شخص معمولی خطا کرتا ہے اور جس کی خطا کی ہو وہ اسکو معاف بھی کر دیتا ہے پھر بھی وہ ہمیشہ اس شخص سے شرمندہ رہتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہ میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ”خدا کی قسم! میری کیا بساط ہے جو دونوں کا موازنہ کروں، میرا کام یہ ہے کہ انکے لیے دعا کروں“۔

(اولیاء رجال الحدیث: ۴۷، سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۳)

امام ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابراھیم بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ عراق کے نامور فقیہ اور علم الحدیث کے امام ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ اکثر صحابہ کرام سے بطریق ارسال اور تابعین میں سے حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت علقمہ بن قیس آپکے ماموں جبکہ حضرت اسود بن یزید آپکے ماموں زاد بھائی تھے اور یہ دونوں حضرات ابن مسعود کے خصوصی اصحاب میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ کا لقب ”صیرفی الحدیث“ تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ امام اعمش

رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ''محدثین تو بہت ہیں مگر حدیث کو پرکھنے والا ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں''۔ آپ کا وصال ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوا۔

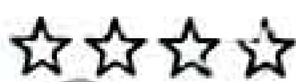
جب آپ کا وصال ہوا تو امام شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حدیث وفقہ کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چلا گیا۔ کسی نے کہا، کیا وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ عالم تھے؟ فرمایا، صرف حسن بصری رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں بلکہ وہ پورے عراق وشام وحجاز میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۴۰، سوانح امام اعظم: ۱۰۰)

امام حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ:

آپ کوفے کے عظیم فقیہ، جلیل القدر محدث اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے ابراھیم نخعی، سعید بن میتب، سعید بن جبیر، زید بن وہب، ابووائل اور امام شعبی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء ومحدثین کے مایہ ناز شاگرد ہیں خصوصاً حضرت ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ کے تمام علوم کے وارث اور جانشین ہیں۔

امام مسلم اور اصحابِ سنن نے آپکی مرویات لکھی ہیں۔ حدیث شریف روایت کرتے وقت آپ پر حال طاری ہو جاتا، بعض اوقات آپ پر بیخودی کا غلبہ ہو جاتا۔ امام یحیٰ بن معین، امام نسائی، امام بخاری اور ابن حبان وغیرہ بڑے بڑے نقادِ حدیث اماموں نے آپ کو کثیر الحدیث، ثقہ اور فقیہ تحریر کیا ہے۔

آپ کے شاگردوں میں امام ابوحنیفہ، امام اعمش، سفیان ثوری، امام شعبہ، امام عاصم احول وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ وحدیث ہیں۔ ۱۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۹۷)



باب دوازدہم (12)

فقہ کی ضرورت:

"انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادت کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ احکامِ شریعت کی ضرورت ہے۔

آپ صرف عبادات ہی کو لیجئے اسکے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معنی و مطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے، تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو۔ جس کا صریح حکم سورۃ التوبہ کی آیت ۱۲۲ میں موجود ہے، کہ فرمایا:

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ۔ "ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے"۔

رہ گئے عوام تو انھیں یہ حکم ہے: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

"علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں"۔ (النحل:۴۲)

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عز و جل اور رسول ﷺ کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس

سے یہ حکم نکلتا ہے۔اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے۔اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے وہ ظاہر ہے۔علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت اور استطاعت دی ہے کہ وہ قرآن واحادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی اور مطالب سے کماحقہٗ واقف ہیں اور ان کے ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں، جن میں اجتہاد واستنباط کی پوری قوت ہے، وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے امام الائمہ، سراج الامۃ ،امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔اور آپ نے اپنی پوری خداداد صلاحیت کو قرآن واحادیث واقوالِ صحابہ سے مسائل کے استخراج واستنباط میں صرف فرما دیا جسکے احسان سے امتِ مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔خصوصاً جب کہ وہ دور شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔بد مذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں''۔(مقدمہ نزھۃ القاری:۱۹۰)

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کے قسم عبادات کے مقدمہ میں لکھا ہے،''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام حماد رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا،انہوں نے ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علم سیکھا۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا میلان رائے سے اجتہاد کی طرف تھا

اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو کوفہ بھیجا تو وہاں انکے خیال کو تقویت ملی اور انکے میلانِ رائے میں اضافہ ہوا کیونکہ عراق میں بہت سے ایسے مسائل پیش آئے جن سے مدینہ منورہ کے قیام میں سابقہ نہیں پڑا تھا۔ روز روز نئی جزئیات پیش آتی تھیں للہذا ضروری ہوا کہ ان پیش آمدہ مسائل کو قواعدِ شرعیہ پر پیش کیا جائے اور اسکے حکم کے مطابق ان کا جو حکم ہو، استنباط کیا جائے"۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۹)

فقہ کی ابتدا:

"شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ فرض وواجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت ﷺ سے استفتاء کرتے اور آنحضرت ﷺ جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا اس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتوے عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت ﷺ کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد واستنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل

ترک کردیا۔ اب بحث پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض وواجب ہیں؟ کتنے مسنون اور مستحب؟ اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جاسکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی آراء کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلافِ آراء ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کرام کی مختلف آراء قائم ہوئیں۔

بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انکا عین واثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصولوں کے طریقے یکساں نہ تھے اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے"۔ (سیرۃ النعمان:۲۱۹)

مجتہد صحابہ کرام اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر تابعین کے دور میں علماء وفقہاء نے احادیثِ نبوی اور فقہ وفتاویٰ کی تدوین کا کام شروع کیا۔ شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

"مدینہ کے فقہاء حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن عباس اور انکے بعد کے تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے، وہ انکو دوسرے مسائل کے لیے مبنیٰ قرار دیتے تھے۔ عراق کے فقہاء ابن مسعود اور حضرت علی کے فتاویٰ اور قاضی شریح وغیرہ دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراھیم نخعی نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے استاد امام حماد کا بھی ایک مجموعہ تھا تاہم یہ مجموعے کتابوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ انکی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد ضرورت کے وقت اسکی طرف رجوع کرتا تھا"۔ (حیات امام ابوحنیفہ:۳۳۸) رضی اللہ عنہم اجمعین

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسائل کے استنباط کے قواعد وضع کیے جس کی وجہ سے فقہ، جو ابتدا میں جزئیاتِ مسائل کا نام تھا، ایک مستقل فن بن گیا۔ بعد میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے مرتب، منظم اور کتابی شکل میں علمِ فقہ کی اشاعت کی۔

فقہی احکام کی اقسام:

مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

''رواۃ کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، خبر واحد۔ اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی وقطعی ہے کہ اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیثِ متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط و متیقظ سہی مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگر چہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔

اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجہ کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجہ کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔ ماموربہ، منہی عنہ، مباح۔ پھر ماموربہ کی سات قسمیں ہیں۔ فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب۔ منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لئے کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن واحادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔

مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن۔ جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورۃ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ:

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبارِ معنی حدِ شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے نماز نہیں ہوگی۔ فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض اور خاص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ واجب۔

اگر (معاذ اللہ) احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہیں لہذا متروک العمل ہیں، اسی لئے احناف

کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہورہ ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبرآحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے؟ نہیں لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں"۔ (مقدمہ نزہۃ القاری:۱۹۴)

فقہ حنفی کی بنیاد:

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اسلامی قانون کے دو مستقل، غیر تبدل پذیر ماخذ یعنی قرآن وحدیث مکمل ہو جاتے ہیں۔ قانونی نکتۂ نظر سے جب کوئی نئی گتھی پیدا ہوتی تو اسے سلجھانے کے لیے مسلمان سب سے پہلے قرآن اور پھر حدیث سے رجوع کرتے اور اگر ان دونوں میں کوئی حل نہ ملتا تو پیغمبر کے عطا کردہ عظیم الشان اصول یعنی اجتہاد پر عمل کرتے۔ یہ اصول بعد میں مسلمانوں کے بہت کام آیا ورنہ اسلامی قانون منجمد ہو جاتا اور مسلمان اسے ناکافی پاکر شاید غیر اسلامی قوانین اختیار کر لینے پر مجبور ہو جاتے۔ اجتہاد کے ذریعے سے ہر نئی چیز کے بارے میں قانون بنانے کا موقع مل گیا"۔ (خطباتِ بہاولپور:۸۱)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ کوفہ میں گزارا اور درس وتدریس کے ذریعہ اپنے کئی شاگردوں کو حدیث وفقہ کا ماہر بنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مدتِ خلافت میں کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپ نے بھی کئی طالبانِ علم کو فیضیاب کیا۔ ان دونوں صحابہ کی وجہ سے ہی کوفہ کو "فقہ کا دارالعلوم" کہا گیا۔

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قانون میں خاص ملکہ حاصل تھا اس لیے انکے درس میں قانونی مباحث اور فقیہانہ عناصر ہمیشہ زیادہ ہوتے تھے۔ (خطباتِ بہاولپور:۸۳)

چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اجتہاد و فتوے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقِ کار سے متاثر تھے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوفہ میں فقہ کی اساس حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے منقول فتاویٰ تھے جو آگے چل کر فقہ حنفی کی بنیاد بنے۔ان فقہاء صحابہ کی تعلیمات کو حضرت علقمہ، حضرت اسود اور قاضی شریح وغیرہ نے کوفہ میں خوب پھیلایا پھر ان سے حضرت ابراہیم نخعی نے اکتسابِ علم و فضل کر کے تمام علم حضرت حماد کو منتقل کیا جو امام اعظم ابوحنیفہ کے استاد تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے ان تین اکابر صحابہ کی فقہ نقل کر کے حضرت حماد رضی اللہ عنہ تک پہنچائی پھر یہ فقہی ورثہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تو کوئی وجہ نہیں کہ امام نخعی رضی اللہ عنہ نے نقدِ حدیث میں انکے طرزِ فکر اور نقلِ روایت میں انکی شدید احتیاط کو امام حماد رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچایا ہو۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث روایت کرتے وقت ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی مبادا وہ ایسی چیز بیان کر دیں جو حضور علیہ السلام نے نہ فرمائی ہو مگر اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں انھیں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو قلتِ روایت کی تلقین کرتے تھے مبادا وہ حدیثِ رسول علیہ السلام میں دروغ گوئی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ثقہ راوی بھی حدیث بیان کرتا تو اسے حلف دلاتے اور اس طرح انکی روایت کا تزکیہ کرتے“۔ (حیاتِ امام ابوحنیفہ: ۵۰۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت میں ارسال کے عادی تھے اس کے باوجود رسول اللہ علیہ السلام سے روایت کرنے سے ڈرتے تھے۔ قال رسول اللہ علیہ السلام کہنے پر قال الصحابی کہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ سے کہا جاتا، کیا آپ کوئی حدیثِ نبوی بیان نہیں کر سکتے؟ تو فرماتے، ”حدیث تو بیان کر سکتا ہوں مگر میں قال عمر، قال

عبداللہ، قال علقمہ، قال اسود کہنے کو آسان تر اور پسندیدہ خیال کرتا ہوں"۔

بعض دفعہ آپ الفاظِ حدیث روایت کرنے کے بجائے حدیث کا مفہوم خود اپنی طرف سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ (ایضاً:۳۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ سے شریعت اخذ کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے رائج تھے۔

اول: ظاہری طریقہ یعنی اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنا (متواتر ہو یا غیر متواتر)۔ (بطریقِ ظاہر)

دوم: حضور ﷺ کے اقوال و افعال و تقریر سے جو مسئلہ سمجھنا، اسے آپ ﷺ کی طرف انتساب کیے بغیر بیان کرنا۔ (بطریقِ دلالت)

اول الذکر طریقے سے احادیث بیان کرنے میں صحابہ بیحد احتیاط کرتے بلکہ دوسروں کو بھی منع فرماتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کثرتِ روایت سے منع فرمایا۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا روایات میں احتیاط کرنا اوپر مذکور ہوا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے"۔ (سیرۃ النعمان:۱۷۸ بحوالہ مناقب الشافعی)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ظاہری طریقے سے احادیث بیان کرنے کے بجائے مسائل کے استنباط کے لیے اجتہاد کرتے تھے چنانچہ آپ عہدِ نبوی ہی میں فقیہ اور مفتی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

"ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تمہیں کوئی چیز معلوم کرنا ہو تو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک ماہرِ قانون تھے اور

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو ہر چھوٹی چیز کے متعلق زحمت دینے کے بجائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھ لیتے۔ انہیں ایک طرح اجازت تھی کہ وہ چھوٹے موٹے مسائل میں فتویٰ دیں۔ (خطباتِ بہاولپور:۷۹)

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (فقہ الفقیہ :۳۴ بحوالہ ترمذی)

یہ اکابر صحابہ کرام حدیث کی روایت موخر الذکر طریقے سے کیا کرتے یعنی جو کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو اس پر قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات جو فقہ حنفی کے نام سے جانی جاتی ہیں، دراصل مذکورہ جید صحابہ کرام کی فقہ یا بالفاظِ دیگر محمدی فقہ ہے۔

مذہب حنفی کے اصول:

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ علماء کی اس بات سے کہ ”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور انکے اصحاب اہلِ رائے ہیں“ کوئی یہ نہ سمجھے کہ علماء نے انکی توہین کی ہے اور نہ ہی یہ سمجھے کہ یہ حضرات اپنی رائے کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات متعدد طریقوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سب سے پہلے قرآن مجید سے راہنمائی لیتے ہیں اگر قرآن میں حکم نہیں ملے تو سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر سنت میں نہ ملے تو صحابہ کرام کا قول لیتے ہیں اور اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور اگر صحابہ کا قول نہیں ملتا تو پھر آپ تابعین کے قول کے پابند نہیں رہتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے تابعین اجتہاد کرتے ہیں“۔ (الخیرات الحسان ص ۹۴)

محدث علی قاری رحمہ اللہ نے بھی آپکے اصحابِ رائے ہونے کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ ”ان کو اصحابِ رائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انکی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے“۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد دوم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب کو اصحاب الرائے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ انہیں اس لیے اہلِ رائے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل و دانائی سے حدیث کے مشکل معانی سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۶ھ) جو ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور تھے، انکی وجہ تسمیہ کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،
''وہ امام، حافظ الحدیث، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے ماہر تھے، اسی وجہ سے انہیں ربیعۃ الرائے کہا گیا ہے''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱: ۱۴۸)

اسی طرح امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری و دیگر مجتہدین حضرات بھی صاحب الرائے ہیں لیکن فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے میں جو بلند مقام امام اعظم اور آپکے اصحاب کو ملا، وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''اگر حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ ان سب میں فقہ کی تہ تک پہنچنے والے ہیں اور ان تینوں میں بڑے فقیہ ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۴)

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث سے فتویٰ دیتا ہوں۔''

آپ نے ان سے یہ بھی روایت کیا کہ ''کتاب اللہ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو بھی اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور سنت رسول ﷺ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام کے اجماع کے ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے البتہ جس مسئلے میں صحابہ کا اختلاف

ہوا ہے تو ہم ان کے اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور جو انکے علاوہ ہے اس میں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اپنی رائے سے اجتہاد وہ شخص کر سکتا ہے جس کو اختلاف کا صحیح علم ہو اور وہ قیاس کے اصول وضوابط جانتا ہو"۔(الخیرات الحسان:۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب حنفی کی بنیاد واساس دین کے چار معروف اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع و قیاس ہیں۔ ان چاروں اصولوں کے حجت ہونے پر احادیث پہلے ہی پیش کی جا چکی ہیں۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی سے قیاس کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ کر کہا، قیاس کو چھوڑ دو کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا، تم نے ٹھیک بات نہیں کی کیونکہ ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا۔ اس لیے وہ کافر ہوا جبکہ ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کے لیے ہے کیونکہ ہم قیاس کے ذریعے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب، اسکے رسول علیہ السلام کی سنت اور صحابہ و تابعین کرام کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں اور اتباع کے ارد گرد ہی رہتے ہیں تو ہم کس طرح ابلیس ملعون کے مساوی ہو سکتے ہیں؟

یہ سن کر اس شخص نے کہا، "مجھ سے غلطی ہوئی میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکے دل کو منور کرے جسطرح آپ نے میرے دل کو منور کیا"۔(الخیرات الحسان:۹۷)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "امام اعظم رضی اللہ عنہ اور انکے تلامذہ قرآن وسنت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ اگر قرآن وسنت میں حکم نہ ملے تو وہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کو مشعلِ راہ بناتے ہیں اور اگر ان ذرائع سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر قرآن وسنت کی روشنی میں قیاس کرتے ہیں"۔(مناقب للموفق:۱۱۸)

ولی کامل حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی گواہی بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کا ارشاد ہے، "اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جاتی تو امام اعظم رحمہ اللہ اسکی اتباع کرتے اور اگر

صحابہ کرام وتابعین عظام سے اسکا حکم ملتا تو انکی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور بہترین قیاس کرتے"۔(الخیرات الحسان:۹۵)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے،"تم یہ نہ کہا کرو کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے"۔(ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۰) آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے،"حدیث واثر کا سیکھنا بیشک ضروری ہے مگر اسکی تشریح اور وضاحت کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل وفہم کی ضرورت ہے تاکہ حدیث کی تفسیر اور اسکا مفہوم سمجھا جاسکے"۔(مناقب للموفق:۳۶۳)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث اور صحابہ کرام کے اقوال وآثار کے ہوتے ہوئے ہرگز قیاس ورائے کو اختیار نہ کرتے تھے۔اور جب آپ قیاس واجتہاد کرتے تو اسکی بنیاد قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہ پر قائم ہوتی،اس لیے امت کی اکثریت اسکی تعریف اور پیروی کرتی۔اسکے باوجود آپکی انکساری اور وسعت نظری کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے ہیں،

"یہ ہمارا قیاس واجتہاد ہے۔ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ لے آئے ہم اسکو قبول کرنے کو تیار ہیں"۔(الخیرات الحسان:۹۸)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ابتدا میں یہ گمان تھا کہ آپ قیاس کو احادیث پر مقدم رکھتے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،"ایک دن جامع مسجد کوفہ میں سفیان ثوری،مقاتل بن حیان،حماد بن سلمہ،امام جعفر صادق اور دوسرے علماء رضی اللہ عنہم آئے اور انہوں نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا،ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بکثرت قیاس کرتے ہیں۔آپ نے ان علماء سے گفتگو شروع کی اور ظہر تک یہ گفتگو جاری رہی۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا مذہب یہ بیان کیا، "میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنتِ نبوی پر اور پھر صحابہ کرام کے فیصلوں پر۔ اگر ان سب میں مجھے کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر قیاس کرتا ہوں"۔ یہ سن کر علماء کرام کھڑے ہوئے اور آپکے سر اور گھٹنوں کو چوما اور فرمایا، "آپ علماء کے سردار ہیں۔ ماضی میں جو کچھ ہم نے آپ کے متعلق ناروا کہا وہ لاعلمی میں تھا۔ آپ اسے معاف کر دیں"۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپکی مغفرت فرمائے۔ (المیزان:٦٦)

قرآن وحدیث میں تطبیق:

"احناف کے اصولِ فقہ کا مشہور کلیہ ہے کہ جب قرآن وحدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے تو بہتر ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔

بات یہ ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

ان المیت یعذب ببکاء الحی۔ زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ عزوجل ابوعبدالرحمن رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا۔ فرمایا، یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"۔ کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن واحادیث دونوں پر احناف بھی بھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیانت دار اور ذی فہم داد دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قرأت خلف امام ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرأت نہیں کرے گا، خاموش رہے گا، خواہ نماز سرّی ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب او کما قال۔ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (الاعراف:۲۰۴)

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندینِ احناف کی ضد ہے تو بھی اذا قرئ القرآن کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلا شبہ شامل ہے۔ اس لئے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بنصِ قرآنی ثابت ہے۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے اور خود بولے جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے، اور کچھ میں آہستہ۔ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا۔ جن نمازوں

میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوگا۔ اس لئے نماز خواہ سرّی ہو خواہ جہری، امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہرحال ضروری ہے، کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القراۃ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے، اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس کے متعلق وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے۔ ان کے برخلاف امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا، اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہی رہتا ہے۔

جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرأت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی کہ آنے والا قرأت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لاینحل ہے۔ لہٰذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ فاستمعوا له' کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے''۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۳ تا ۱۹۶)



باب سیزدہم (13)

فقہ حنفی کی تدوین:

فقہ اپنی وسعت و جامعیت کے اعتبار سے زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اگرچہ فقہ کے بعض مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اسے باقاعدہ ایک کامل دستور اور جامع قانون کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اسوقت تک نہ تو استدلال و استنباطِ مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول وضوابط طے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا، یہ بھی تدوینِ فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ اطراف و بلاد سے آنے والے سینکڑوں استفتاء امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنے لگے تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ احکام و مسائل کے وسیع وکثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دیکر ایک جامع فن کی شکل دیدی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی دستور مشعلِ راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوینِ فقہ کے عظیم کام کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور افراد جو اپنے فن کے ماہر تھے، انکا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان اراکین کمیٹی میں امام ابو یوسف، امام داؤد طائی، حضرت یحیٰی بن ابی زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت عبداللہ بن مبارک کو روایت اور حدیث و آثار میں خاص کمال حاصل تھا۔ حضرت قاسم بن معن اور امام محمد عربیت اور ادب میں مہارت رکھتے تھے جبکہ امام زفر قوتِ استنباط میں مشہور تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "امام اعظم ابو حنیفہ نے ایک

کارنامہ انجام دیا جو اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس زمانے میں امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ انہوں نے کتابیں بھی لکھیں لیکن ان کی کوششیں انفرادی تھیں۔ امام ابوحنیفہ نے سوچا کہ انفرادی کوشش کی جگہ، اسلامی قانون کی تدوین اگر اجتماعی طور پر کی جائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں میں سے چالیس ماہرینِ قانون منتخب کر کے ایک اکیڈمی قائم کی۔

انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا کہ جو لوگ قانون کے علاوہ دیگر علوم اور معاملات کے ماہر ہوں، انہیں بھی اکیڈمی کا رکن بنایا جائے غرض مختلف صلاحیتوں کے ماہرین کو اس اکیڈمی میں جمع کیا گیا''۔ (خطباتِ بہاولپور:۸۵)

چونکہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل پر مبنی ہے اس لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو جمع کیا اور پھر انکی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپکے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر اس مسئلہ پر آپکے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث و تمحیص میں انکی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نہایت خاموشی سے انکی گفتگو سنتے رہتے پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور یہ سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا، ''پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابوحنیفہ کے لیے ان حضرات کو خاموش کرایا''۔ (مناقب للموفق:۴۱۲)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے۔ کبھی تو آپ

کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش رحمہ اللہ آپ کے طریقۂ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں، ''جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اسکے اراکین اس مسئلے کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اسکے ہر پہلو کا اس قدر غور سے جائزہ لیتے ہیں کہ بالآخر اس حل روشن ہو جاتا ہے''۔ (مناقب للکردری، ج ۲:۳)

صدر الائمہ علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی۔ اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا اور رسول ﷺ سے پرخلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے اور پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے۔ ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ بحث ہوتی۔ حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر آکر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لیے۔ (حیاتِ امام ابوحنیفہ:۳۴۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بحث شروع ہو جاتی اور امام عافیہ رحمہ اللہ اسوقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اس بحث کو عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آجاتے اور وہ سب کی رائے سے متفق ہو جاتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۱۰۸)

ان چالیس میں سے دس یا بارہ ائمہ کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظبیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

دستورِ اسلامی کی تدوین کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا

حتیٰ کہ آپکی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہوجاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کردیا جاتا۔ یہ مجموعہ "کتب فقہ ابی حنفیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

"امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تراسی ہزار (۸۳،۰۰۰) مسائل طے کیے، ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸،۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۴۵،۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے"۔ (ذیل الجواہر ج ۲:۴۷۲)

آزاد خیال عالم شبلی نعمانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ "امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدوّن کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ انکی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں، ان سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے"۔ (سیرۃ النعمان:۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تدوینِ فقہ کا اس قدر ماہر بنادیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا، "امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی"۔ تو امام وکیع الجراح رحمہ اللہ نے فرمایا، جولوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ انکے ساتھ امام ابویوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ انکو حق کی طرف لوٹا دیتے"۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (الخیرات الحسان:۱۰۰)

امام وکیع رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ تدوینِ فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم و فضل کے اعتبار سے استاذِ زمانہ اور رہبر و راہنما کی حیثیت کے حامل تھے۔ ان اکابرینِ امت نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ راہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کر کے اسے مذاہبِ ثلاثہ (مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب) کے لیے نشانِ راہ اور سنگِ میل بنا دیا۔

فقہاء نے کیا خوب فرمایا ہے، "فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹا، حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے اسکا اناج جدا کیا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اسے گوندھا اور امام محمد رضی اللہ عنہ نے اسکی روٹیاں پکائیں جبکہ باقی لوگ اسکے کھانے والے ہیں"۔ (درمختار)

کتبِ فقہ کی تدوین:

امتِ مسلمہ کی سہولت اور علماء کی آسانی کے لیے سب سے پہلے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوینِ کتب کی ضرورت محسوس کی اور علمِ شریعت کی تدوین فرمائی۔

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

"امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علمِ شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب میں تقسیم فرمایا پھر اسکی پیروی امام مالک نے "موطا" کی ترتیب میں کی۔ امام صاحب سے پہلے کسی نے ایسا نہ کیا کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین نے علمِ شریعت کو نہ تو ابواب میں تقسیم کیا اور نہ ہی کوئی کتاب مرتب کی بلکہ وہ اپنے حافظہ کی قوت پر اعتماد کرتے تھے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ علم منتشر ہوتا جا رہا ہے تو انہیں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو آپ نے اسے مدون کر کے ابواب میں تقسیم کیا۔ آپ نے علمِ الفقہ کو باب الطہارۃ سے

شروع کیا، پھر باب الصلوۃ، پھر تمام عبادات پھر معاملات اور آخر میں وراثت کا باب مرتب کیا"۔ (تبییض الصحیفہ: ۴۵)

"امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام صاحب نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے"۔ (مناقب للموفق: ۲۷۹)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علمِ فقہ کی تدوین کی اور اسکو ابواب میں مدون کیا اور اسکی کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "موطا" میں انہیں کی پیروی کی۔ اس سے قبل لوگ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی"۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۱)

"تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی (امام اعظم کی) اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیشِ نظر رکھتے تھے۔ زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو وہ امام ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا، کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں؟، بولے، "کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں"۔ یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ اسوقت بڑے بڑے مدعیانِ فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابوحنیفہ کی مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی ردوقدح کی جرأت نہیں ہوئی۔ (سیرۃ النعمان: ۲۲۸)

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ انکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں، دنیائے اسلام کا بہت بڑا مجموعۂ قوانین تھا۔ اگرچہ بعد میں علمائے حنفیہ نے اس میں بہت سا اضافہ کیا، لیکن امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ اور آپکے دیگر شاگرد

آپکے طریقہ اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے اور آپکے مرتب کردہ فقہی قواعد و اصول کے مطابق ہی قرآن وحدیث سے مسائل اخذ کرتے رہے۔ اسی بناء پر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ "مجتہد فی الشرع" ہیں اور آپکے ان شاگردوں کو "مجتہد فی المذہب" کا درجہ حاصل ہے اور وہ اصول میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کئی مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگ اس وجہ سے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حقیقت کو خود امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد رحمہم اللہ نے بیان کیا۔ انکے بقول، ہم نے جو اقوال بظاہر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہے وہ بھی دراصل امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے اقوال ہیں کیونکہ بعض مسائل میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف اور متعدد آراء ظاہر کی تھیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا، "میں نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی قول کی سوائے ایک قول کے مخالفت نہیں کی"۔ (شامی ج ۱:۴۹)

اس طرح امام زفر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے،

ما خالفت ابا حنیفة فی قول الا وقد کان ابو حنیفة یقول به۔

"میں نے کسی قول میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا"۔ (الجواہر المضیئۃ، ج ۱:۲۴۴)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا فقہی مجموعہ جو کتب فقہ ابی حنفیہ کے نام سے موسوم ہے، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے، اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔

1۔ کتب ظاہر الروایۃ: اس میں چھ کتابیں ہیں۔ جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات، السیر الصغیر، السیر الکبیر۔

امام ابوالفضل محمد بن احمد مروزی رحمہ اللہ نے ظاہر الروایۃ کی تمام کتب کے مسائل پر

مشتمل ایک کتاب ''کافی'' لکھی۔امام سرخسی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تیس (۳۰) جلدوں میں شرح لکھی جو ''مبسوط'' کے نام سے مشہور ہے۔

2۔کتب نوادر:

کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ جو دیگر کتب امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائیں انہیں نوادرات کہتے ہیں۔اسمیں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد، نوادر ابن رستم وغیرہ شامل ہیں۔انکے علاوہ حدیث وفقہ میں امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی دوسری کتب مثلاً کتاب الحج، کتاب الآثار، کتاب الخراج، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیر الاوزاعی اور موطا امام محمد وغیرہ پر بھی کتب نوادر کا اطلاق ہوتا ہے۔

تصانیفِ امامِ اعظم:

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں کتابیں لکھنے کا باقاعدہ رواج نہیں تھا۔لوگ اپنے حافظے اور یادداشت پر اعتماد کرتے۔دوسری صدی ہجری میں تصنیف وتالیف کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوینِ فقہ کے لیے کوفہ میں مجلسِ فقہ قائم کی جس میں آپ اپنے شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کراتے تھے۔

اس علمی ذخیرہ کو آپکے تلامذہ نے اپنے اپنے حلقوں میں بیان کیا اس طرح یہ روایات انہی کی طرف منسوب ہوگئیں۔گویا آپ کے تلامذہ کی طرف منسوب تصانیف درحقیقت امام اعظم ہی کی تصانیف ہیں۔

انکے علاوہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصانیف کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:-

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہایت معروف تصنیف ''فقہ اکبر'' ہے جو کہ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔اسکی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں محدث علی قاری رحمہ اللہ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہے۔اسکے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

کتاب السیر۔ الکتاب الاوسط۔ الفقہ الابسط۔ کتاب الرد علی القدریہ۔ العالم والمتعلم۔ کتاب الرائ۔ رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء۔ کتاب اختلاف الصحابہ۔ کتاب الجامع۔ مکتوب وصایا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث پر مشتمل کئی کتب تھیں جنہیں امام محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا، کہ بعض جاہلوں نے شام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جو علماء نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی احادیث سے جمع کیے تھے، اکٹھا کر دیا۔ انکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری۔

۲۔ مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

۳۔ مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

۴۔ مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی۔

۵۔ مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری۔

۶۔ مسند امام ابواحمد عبداللہ بن بن عدی الجرجانی۔

۷۔ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔

۸۔ مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

۹۔ مسند امام قاضی ابویوسف یعقوب۔

۱۰۔ مسند امام محمد بن حسن الشیبانی۔

۱۱۔ مسند امام حماد بن امام ابوحنیفہ۔

۱۲۔ آثار امام محمد بن حسن۔

۱۳۔ مسند امام عبداللہ بن ابی العوام۔

امام خوارزمی رحمہ اللہ نے اپنی جامع المسانید میں ان مسانید کو جمع کیا ہے اور انکی اکابر

محدثین تک اسناد بھی بیان کر دی ہیں۔

انکے علاوہ اور بھی مسانید ہیں مثلاً:-

۱۴۔ مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو بلخی۔

۱۵۔ مسند امام حصکفی، محدث علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۱۶۔ مسند امام ماوردی۔

۱۷۔ مسند ابن البزازی، ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے "تانیب الخطیب" میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔ حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمہ اللہ نے "عقود الجمان" میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سترہ مسانید کا سلسلۂ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں کہا، "امام اعظم رضی اللہ عنہ سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں"۔ علامہ مزنی رحمہ اللہ نے تہذیب الاکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں تو سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور انکے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ واساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔

ان مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۸۵)



باب چہاردہم (14)

امام اعظم ﷺ کے تلامذہ:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے امام اعظم ﷺ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ان کا شمار ناممکن ہے۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جتنے کہ امام اعظم ﷺ کے ہوئے اور علماء اور عوام کو کسی سے اسقدر فیض نہ پہنچا جتنا کہ امامِ اعظم اور انکے اصحاب سے مشتبہ احادیث کی تفسیر، اخذ کردہ مسائل، جدید پیش آنے والے مسائل اور قضا واحکام میں فائدہ پہنچا۔ خدا ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ بعض متاخر محدثین نے امام ابو حنیفہ ﷺ کے تذکرہ میں انکے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو لکھی ہے اور انکے نام ونسب بھی لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم اسے حذف کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان:۸۴)

حافظ ابوالمحاسن شافعی رحمہ اللہ نے ۹۱۸ لوگوں کے نام بقید نام ونسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقۂ درس سے مستفید ہوئے۔ (سیرۃ النعمان:۳۱۹)

اب امام اعظم ﷺ کے چند مشہور شاگردوں کے مختصر احوال تحریر کیے جارہے ہیں، بعد ازاں آپ کے اُن چالیس مشہور شاگردوں کی فہرست تحریر کی جائے گی جنہوں نے تدوینِ فقہ کے کام میں حصہ لیا تھا۔

1۔ امام ابو یوسف:

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف ﷺ ہے۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ امام اعظم ﷺ نے اپنی بصیرت وفراست سے آپ کی پیشانی پر علم وفضل کے آثار دیکھے اور پھر آپکے علم حاصل کرنے کا شوق ملاحظہ کیا تو آپ کے اخراجات اپنے ذمے لے لیے۔ آپ نے علم فقہ وحدیث امامِ اعظم ﷺ سے حاصل کیا نیز اس زمانے میں کئی اکابر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام ابو یوسف ﷫ قاضی، فقیہ، عالم اور حدیث کے حافظ تھے۔ حدیث حفظ کرنے میں مشہور تھے۔ آپ پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسروں کو لکھوا دیتے تھے۔ آپ کثیر الحدیث تھے۔ آپ تین عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کے عہدے پر فائض رہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم :۱۵۱)

امامِ اعظم ﷫ کا ارشاد ہے ''میرے شاگردوں میں جس نے سب سے زیادہ علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں''۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بیس کتابوں کے نام علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ نے تحریر کیے ہیں۔ (ایضاً:۱۵۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے جبکہ جرح وتعدیل کے نامور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے آپ کو ''صاحبِ حدیث وصاحبِ سُنۃ'' فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ) شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ کے بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ آپ نے چالیس گرانقدر کتب تصنیف کیں۔ (حیات ابوحنیفہ:۳۵۱)

ایک موقع پر امام اعظم ﷫ نے اپنے خاص شاگردوں کے متعلق فرمایا،

''یہ میرے ۳۶ اصحاب ہیں جن میں سے ۲۸ میں قاضی بننے کی پوری اہلیت ہے اور چھ افراد میں فتویٰ دینے کی صلاحیت ہے جبکہ میرے دو شاگرد امام ابو یوسف ﷫ اور امام زُفر ﷫ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو مہذب اور مؤدب بنائیں''۔ (حیات امام ابوحنیفہ:۳۵۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، جب کسی مسئلہ میں یہ تین حضرات متفق ہوں تو انکی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ پوچھا گیا، وہ تین حضرات کون ہیں؟ فرمایا، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد ابن الحسن۔ امام ابوحنیفہ قیاس میں بہت بصیرت رکھتے ہیں، امام

ابو یوسف آثار پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور امام محمد عربیت میں تمام لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں (رضی اللہ عنہم)"۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۲۸)

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد کے اساتذہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نیز امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی یہ تینوں امام ابو یوسف ہی کے مشہور شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (مناقب للموفق: ۵۰۴) آپ کا وصال ۱۸۲ھ میں ہوا۔

2۔امام محمد بن حسن:

امام محمد بن حسن رضی اللہ عنہ ۱۳۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق اس قدر تھا کہ والد کی میراث سے آپکو تیس ہزار درہم ملے۔ نصف رقم علم نحو، لغت اور ادب وغیرہ کی تحصیل پر خرچ کی اور بقایا نصف حدیث وفقہ کا علم حاصل کرنے میں خرچ کیے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو خاص صلاحیتوں سے نوازا تھا اسی بناء پر آپ نے صرف ایک ہفتہ میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۱۷)

گمان یہ ہے کہ علم نحو اور عربی زبان وادب میں مہارت کے باعث آپ کو امام اعظم نے کم عمری ہی میں اپنی مجلس کا رکن بنالیا تھا۔ بعدازاں آپ نے دوسال تک امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے درس لیا پھر ان کے وصال کے بعد امام ابو یوسف، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس طرح آپ کم عمری ہی میں عالم وفقیہ بن گئے۔ امام اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد کی روایت کے مطابق، امام محمد کا حلقۂ درس کوفہ میں قائم ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت وہ صرف بیس برس کے تھے۔ (مناقب للکردری، ج ۲: ۱۵۰)

آپ کے تلامذہ بیشمار ہیں جن میں امام شافعی، ابوحفص کبیر، محمد بن سماعہ، خلف بن ایوب، قاسم بن سلام، عیسیٰ بن ابان رحمہم اللہ تعالیٰ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے نو سو سے زیادہ دینی کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ نے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی والدہ سے نکاح کرلیا

تھا۔(اولیاء رجال الحدیث:۲۲۱)

آپ ہی نے امام شافعی ؒ کی دینی تربیت فرمائی جس کے باعث امام شافعی ؒ کا ارشاد ہے کہ "علمِ فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان امام محمد رحمہ اللہ کا ہے"۔

ایک اور ارشاد ہے، "میں نے ان سے زیادہ فصیح کوئی نہیں پایا، وہ جب گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا قرآن انہی کی لغت میں نازل ہوا ہے"۔ (تاریخ بغداد ج۲:۱۷۵)

امام شافعی ؒ کا مشہور قول ہے کہ "میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی قرآن مجید کا عالم نہیں دیکھا"۔ (الجواہر المضیۃ) ابراھیم حربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل ؒ سے پوچھا، کہ آپ ایسے دقیق مسائل کہاں سے بیان فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، یہ سب امام محمد ؒ کی کتابوں کا فیض ہے۔ (تاریخ بغداد، ج۲:۱۷۷)

خلیفہ ہارون رشید نے آپکو "رَقہ" کا قاضی مقرر کیا۔ آپ قاضی مقرر ہوئے اور کچھ مدت بعد بغداد چلے گئے۔ ۱۸۹ھ میں وصال ہوا۔

ایک بار خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ کی آمد ہوئی سب لوگ کھڑے ہوگئے، لیکن آپ کھڑے نہ ہوئے۔ خلیفہ نے آپ کو خلوت میں بلا کر سبب پوچھا، تو آپ نے فرمایا، آپ نے مجھے علماء کی صف میں شامل کیا ہے اسلیے میں نے آپ کے خادموں کی صف میں شامل ہونا پسند نہ کیا۔ (سوانح:۱۶۶)

3۔ امام زفر بن ہذیل:

آپ ۱۱۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ امامِ اعظم ؒ کے بہت محبوب و معتمد شاگرد ہیں۔ امام صاحب کی مجلس میں سب سے آگے بیٹھتے اور امامِ اعظم ؒ ہر موقع پر آپکی تعظیم اور مدح و ثنا فرماتے۔ آپ کو حدیث میں امامت اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ امام اعظم ؒ کے شاگردوں میں چار لوگ فقہ کے ایسے حافظ تھے جیسے قرآن کے

حافظ ہوا کرتے ہیں۔زفر، ابو یوسف، اسد بن عمرو، علی بن مسہر۔رحمہم اللہ تعالیٰ

(اخبار ابی حنیفہ:٦٦)

جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے، زفو صاحب الرای ثقة مامون۔امام زفر نے فقہ کی تحصیل سے پہلے اپنے دور کے نامور تابعین سے علم حدیث حاصل کیا اور اس میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ لوگ آپ کو "صاحبُ الحدیث" کہتے اور آپکے پاس اکتسابِ علم کے لیے آتے۔بعدازاں آپ نے امام اعظم سے فقہ کا علم حاصل کیا۔امام زفر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کا ہر تربیت یافتہ شاگرد امت کا فقیہ ہے۔(مناقب للموفق:۳۹۵)

ایک شخص امام مزنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق آپکی کیا رائے ہے؟ فرمایا، اہلِ عراق کے سردار، پھر پوچھا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے متعلق کیا رائے ہے؟ فرمایا، وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔

اس نے پھر پوچھا، امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، وہ تعریفات میں سب پر فائق ہیں۔وہ بولا، امام زفر رحمہ اللہ کے متعلق فرمائیے۔فرمایا، وہ قیاس و اجتہاد میں سب سے زیادہ تیز ہیں"۔(حیاتِ امام ابوحنیفہ:۴۸۴)

امامِ اعظم رحمہ اللہ نے ان کا نکاح پڑھایا تو خطبہ کے دوران فرمایا، "اے حاضرین! یہ زفر ہیں جو مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام اور شرافت و علمیت کے لحاظ سے مسلمانوں کی عظمت کا ایک نشان ہیں"۔

امام زفر رحمہ اللہ زہد و تقویٰ میں بھی بے مثال تھے۔دو مرتبہ حکومت نے آپکو قاضی بننے پر مجبور کیا مگر دونوں مرتبہ آپ نے اپنے استاد امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرح انکار کر دیا اور گھر چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔غصہ کے باعث دونوں بار حکومت نے آپ کا

مکان گرادیا۔ چنانچہ آپ کو دو مرتبہ اپنا مکان تعمیر کرنا پڑا۔

علوم القرآن، معرفتِ حدیث اور فنِ رجال کے علاوہ قیاس و استنباط میں آپ کی حد درجہ مہارت کے باعث امام اعظم ؓ آپ کو امام ابو یوسف ؓ اور امام محمد ؓ پر ترجیح دیتے تھے۔ دیگر اصحاب کے مقابلے میں کم عمری میں آپ کا انتقال ہو گیا اس لیے آپ تصنیف و تالیف کا کام نہیں کر سکے۔ آپ امام اعظم ؓ کے وصال کے بعد انکی جگہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(اولیاء رجال الحدیث: ۱۲۷)

4۔ امام مالک بن انس:

چالیس اراکینِ شوریٰ کے علاوہ امامِ اعظم ؓ کے دیگر اصحاب میں امام مالک ؓ سرِ فہرست ہیں۔ آپ ۹۵ ھ میں پیدا ہوئے۔ جب بھی امامِ اعظم ؓ مدینہ منورہ میں حاضری دیتے تو امام مالک ؓ آپ سے استفادہ کرتے۔ یہ بھی پہلے بیان کیا گیا کہ امام مالک ؓ نے موطا کی تصنیف میں امامِ اعظم کی کتب سے استفادہ کیا۔ امام مالک ؓ اکثر امام ابو حنیفہ ؓ کے اقوال کو بیان فرمایا کرتے تھے اور آپکے اقوال کی تلاش میں رہتے تھے۔ اسحاق بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسائلِ دینیہ میں امام مالک ؓ، امام اعظم ؓ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۴)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ دینی مسائل میں امامِ اعظم ؓ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام مالک ؓ کے نزدیک بھی نماز میں رفع یدین منسوخ ہے۔ آپ امامِ اعظم ؓ کا بہت ادب کیا کرتے۔

محمد بن اسمٰعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ امام مالک ؓ امامِ اعظم ؓ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے جب مسجد کے دروازے پر پہنچ تو امام مالک ؓ نے امام ابو حنیفہ ؓ کو آگے کر دیا۔ (ایضاً: ۳۲۵)

ایک مرتبہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کی علمی گفتگو شروع ہوئی۔ راوی کہتے ہیں کہ امامِ اعظمؒ بات کرتے تو امام مالکؒ ادب اور خاموشی سے سنتے اور اس پر اعتراض نہ کرتے اور جب امام مالکؒ بات کرتے تو امامِ اعظمؒ خاموشی سے سنتے۔ اس طرح یہ سلسلہ فجر کی اذان تک جاری رہا۔ (ایضاً:۴۱۵)

امام شافعیؒ کا قول ہے، اگر امام مالکؒ اور ابن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجازیوں کا علم نیست ونابود ہو جاتا۔

بعض لوگ امام مالکؒ کو امام اعظمؒ کا شاگرد ماننے کی بجائے ان کا استاد قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظمؒ سے امام مالکؒ کی روایتِ حدیث ثابت ہے مگر امام مالکؒ سے امام اعظمؒ کی روایت ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کی روایت امام مالکؒ سے ثابت نہیں اور دار قطنی نے جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ محلِ نظر ہیں کیونکہ وہ بطور مذاکرہ تھیں نہ کہ تحدیث بالقصدِ روایت۔ (انوار الباری ج۱:۵۴)

آقا و مولیٰ ﷺ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ آپ ایک بار حج کے ایام کے سوا ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر زمانۂ بیماری کے سوا کبھی شہر مدینہ میں قضائے حاجت نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ حرم سے باہر تشریف لے جاتے۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ "مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری کے جانور کے سُموں سے اس زمین کو روندوں جس کے چپے چپے کو میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے"۔

5۔ امام مسعر بن کدام:

امامِ اعظمؒ کے اصحاب میں ایک اہم نام امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کا آتا ہے جو عظیم

محدث تھے۔ آپ پہلے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے حسد کرتے اور آپکی غیبت بھی کرتے۔ ایک بار امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو آپکا زہد وتقویٰ دیکھ کرسخت نادم ہوئے۔ (یہ واقعہ ''عبادت وریاضت'' کے عنوان کے تحت مذکور ہو چکا ہے) چنانچہ توبہ کرکے آپکی صحبت اختیار کرلی یہانتک کہ آپ ہی کی مسجد میں حالتِ سجدہ میں انتقال کیا۔ (ایضاً:۲۶۳)

سلیم بن سالم رحمہ اللہ نے فرمایا، ہم امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کے درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ان سے سوال کرتے تو وہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اقوال سے بات شروع کرتے۔ ایک شخص نے کہا، ہم آپ سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوچھتے ہیں تو آپ بدعتیوں کی باتیں شروع کردیتے ہیں۔ امام مسعر رحمہ اللہ اس شخص سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، تمہاری اس بیہودہ بات کا جواب صرف یہ ہے کہ تم میری مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ امامِ اعظم رحمہ اللہ کا چھوٹا سا شاگرد حج کے ایام میں خانۂ کعبہ کے پاس کھڑا ہوجائے تو ساری دنیا کے علماء اسے سنتے رہیں۔ اسکے بعد آپ نے یہ دعا مانگی، ''اے اللہ میں تیرا قرب چاہتا ہوں اور اس کے لیے امام ابوحنیفہ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔'' (ایضاً:۴۱۸)

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تو امام مسعر رحمہ اللہ تعظیم میں کھڑے ہوجاتے اور جب انکے سامنے بیٹھتے تو دوزانو بیٹھتے اور آپ کی رائے رد نہ کرتے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے مسند میں کئی احادیث ان سے روایت کی ہیں۔ (ایضاً:۳۳۰)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب کسی حدیث میں ہمارا اختلاف ہوجاتا تو ہم امام مسعر بن کدام سے پوچھتے تھے۔ وہ آپ کو حدیث کا ''میزان'' کہا کرتے تھے۔ (الجواھر المضیۃ ج۲:۱۶۷)

امام مسعر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، آپ اصحابِ ابی حنیفہ کی رائے چھوڑ کر امام اعظم رحمہ اللہ

کی رائے کی طرف کیوں مائل ہوئے؟ فرمایا، اس کی صحت کی بنا پر۔ تو اب تم اس سے بھی زیادہ صحیح لاؤ تا کہ میں اسے اپناؤں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا، ''میں نے امام مسعر رحمہ اللہ کو امام اعظم سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے ہوئے دیکھا ہے''۔ (الخیرات: ۱۱۰) آپکا وصال ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ میں ہوا۔

6۔ امام عبداللہ بن مبارک:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام اعظم کے نہایت مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں آپ کو ''زاہدوں کا سردار، اوتاد کا پیش رو اور اہلِ طریقت و شریعت کا امام'' فرمایا ہے۔ آپ علمِ حدیث میں اس قدر بلند مقام کے حامل تھے کہ محدثین آپ کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں آپ کا ذکر یوں کیا ہے، ''وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے، جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے''۔

ایک موقع پر انہیں کسی نے ''عالمِ مشرق'' کہہ دیا تو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا، ''صرف مشرق کے عالم نہیں، وہ تو مشرق و مغرب کے عالم ہیں''۔ آپ کا ارشاد ہے، میں نے چار ہزار مشائخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور ایک ہزار شیوخ سے احادیث روایت کیں۔ آپ نے فقہ و حدیث میں کئی کتب تصنیف فرمائیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث کے حصول کی کوشش نہیں کی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔

آپ امام اعظم کی مجلسِ فقہ اور اس کی ذیلی بارہ رکنی خصوصی کمیٹی کے بھی رکن

تھے۔آپ نے امام اعظم سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔امام اعظم کی شاگردی پر آپ کو اس قدر فخر تھا کہ آپ علانیہ فرماتے، "اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں جیسا ہوتا"۔ (تبییض الصحیفہ:۱۹) آپ ہی کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، "کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے"۔(ایضاً:۲۰)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے تھے، "میں نے کسی کو امام ابوحنیفہ کے اوصاف اسطرح بیان کرتے ہوئے نہ پایا جیسا کہ ابن مبارک انکے اوصاف بیان کرتے اور انکو بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تھے"۔(الخیرات الحسان:۱۴۷)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا، امام اعظم ابوحنیفہ ﷜ اللہ کی آیات (نشانیوں) میں سے ایک آیت (نشانی) ہیں۔کسی نے سوال کیا، آیت خیر ہیں یا آیت شر؟ فرمایا، تم قرآن کی روشنی میں آیت کا لفظ تلاش کرو۔ **وجعلنا ابن مریم وامه آیة**۔ ترجمہ: "اور ہم نے مریم اور اسکے بیٹے کو آیت کیا"۔ (المومنون:۵۰) کیا آیت شر سے بھی بن سکتی ہے؟ (مناقب للموفق:۳۱۷)

سیدنا امام اعظم ﷜ کے علم و فضل کے متعلق آپ کا ارشاد ہے، اگر امام ابوحنیفہ تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے جب صحابۂ کرام کی کثرت تھی تو کئی تابعین بھی آپ کے علوم سے بہرہ ور ہوتے۔امام اعظم ﷜ کا قیاس دراصل حدیث کی تفسیر و تشریح تھا۔ (ایضاً:۳۴۸) آپ کا وصال ۱۸۱ھ میں ہوا۔

7۔امام وکیع بن الجراح:

آپ امام اعظم ﷜ کے خاص شاگرد اور تدوینِ فقہ کی مجلس کے رکن تھے۔فنِ حدیث و رجال کے متعلق آپ کی روایات اور آراء معتمد و مستند سمجھی جاتی ہیں۔امام بخاری اور

امام مسلم نے آپ کی روایت سے کئی حدیثیں صحیحین میں درج کی ہیں۔ بلکہ امام بخاری نے تو امام عبداللہ بن مبارک ،امام وکیع اور امام اعظم کے دیگر شاگردوں کی کتابیں حفظ کر رکھی تھیں۔ (طبقات الکبریٰ ج ۲:۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام وکیع کا تعارف ان القابات سے کرایا ہے،

الامام الحافظ الثبت محدث العراق احد الائمه الاعلام وکیع بن الجراح۔ آپ کے علم وفضل کے متعلق امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ کا ارشاد ہے،'' میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسے امام وکیع پر ترجیح دوں''۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے ممتاز شاگرد تھے۔ انہیں آپ کی شاگردی پر اس قدر ناز تھا کہ جب وہ آپ کی روایت سے کوئی حدیث سناتے تو سننے والوں سے فرماتے، ''یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا ہوگا''۔ (تہذیب الاسماء واللغات)

امام وکیع رحمہ اللہ اکثر مسائل میں امام اعظم کی تقلید کیا کرتے اور انہی کے فتوے کے موافق فتویٰ دیا کرتے۔

امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، **ویفتی بقول ابی حنیفة**۔ یعنی امام وکیع امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق فتوے دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱:۲۸۰) امام وکیع رحمہ اللہ نے امام اعظم سے کثیر حدیثیں سنیں اور روایت کیں۔ (ایضاً ج ۱:۱۵۱، تبییض الصحیفہ :۱۵) خطیب بغدادی نے بھی تاریخِ بغداد میں اس کی تصدیق کی ہے۔

یہ مشہور واقعہ پہلے تحریر ہو چکا کہ ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا،'' امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی''۔ تو آپ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ انکے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحیٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن

غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت وعربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ انکو حق کی طرف لوٹا دیتے''۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (الخیرات الحسان:۱۰۰)

8۔ امام یحییٰ بن سعید قطان:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلسِ فقہ کے رکن، امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ وہ جلیل القدر محدث ہیں جن کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ فنِ رجال میں جس محدث نے سب سے پہلے لکھنے کا آغاز کیا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں، پھر آپ کے بعد آپ کے شاگردوں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس فن میں گفتگو کی اور انکے بعد انکے شاگردوں امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے فنِ رجال میں کام کیا۔
امام احمد بن حنبل کا معروف قول ہے کہ ''میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا''۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (میزان الاعتدال، دیباچہ)
حدیث کے راویوں کی تحقیق وتنقید میں آپ کو اس قدر بلند مقام حاصل تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے، ''یحییٰ جس راوی کو چھوڑ دیں گے ہم بھی اسے چھوڑ دیں گے''۔ علم وفضل کے اس قدر بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ امام اعظم کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے، ان کی شاگردی پر فخر کرتے اور انکے مخالفین کے پروپیگنڈے کا جواب دیتے۔
علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان امام اعظم ہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج۱:۲۸۰)
امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن سعید کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ''ہم اللہ تعالیٰ سے جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابوحنیفہ کے اجتہاد سے بہتر کسی سے نہیں

سنا، اور ہم نے آپ کے اکثر اقوال اختیار کیے ہیں''۔ رحمہ اللہ تعالیٰ
(تہذیب التہذیب، جزء عاشر: ۴۵۰)
آپ کا یہ ارشاد بھی خاص توجہ کے لائق ہے۔ فرمایا، ''میں عمر بھر فقہی مسائل میں تمام لوگوں پر چھایا رہا مگر جب میں امام اعظم کے پاس پہنچا تو یوں محسوس ہوا کہ میں انکے سامنے کچھ بھی نہیں۔ جو مقام امام اعظم کو حاصل تھا کوئی دوسرا اس تک نہ پہنچ سکا''۔
(مناقب للموفق: ۳۴۰)
زُہیر بن نعیم کا بیان ہے کہ آپکے وصال کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ یحییٰ بن سعید قطان کے بدن پر ایک کرتا ہے جس پہ لکھا ہے، ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تحریر ہے کہ یحییٰ بن سعید کے لیے جہنم سے نجات ہے''۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۶۲)

9۔ امام یحییٰ بن زکریا:

حافظِ حدیث، امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کو امام المحدثین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین، قتیبہ اور علی بن المدینی کے بھی استاد ہیں۔ آپ کے متعلق امام بخاری کے استاد، امام علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے، ''یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہوگیا''۔ (میزان الاعتدال ترجمہ یحییٰ)
یہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ خود اتنے بڑے عالم تھے کہ انکے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے تھے، ''میں نے علی بن المدینی کے سوا کسی کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھا''۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲: ۱۶)
گویا امام بخاری جن کے سامنے خود کو چھوٹا سمجھتے تھے وہ امام اعظم کے ایک شاگرد امام یحییٰ بن زکریا کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ ان پر علم کا خاتمہ ہوگیا۔ اب آپ فیصلہ کیجیے کہ جس کے شاگرد کا یہ مقام ہے اس امام اعظم کا کس قدر اعلیٰ مقام و مرتبہ ہوگا؟
امام یحییٰ بن زکریا رحمہ اللہ، امام اعظم کے ایسے خاص شاگردوں میں سے ہیں کہ علامہ

ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے آپ کو "صاحبِ ابی حنیفہ" قرار دیتے ہوئے آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے، **الحافظ الثبت المتقن الفقیه ابو سعید الهمدانی الوداعی مولاهم الکوفی صاحب ابی حنیفة۔** (تذکرۃ الحفاظ ج۱:۲۴۳)

آپ امام اعظم کے محبوب شاگردوں میں سے ہیں اور مجلسِ فقہ کے علاوہ بارہ رکنی ذیلی مجلس کے بھی رکن ہیں۔ آپ کو طویل عرصہ تک مجلسِ فقہ کے کاتب یعنی تحریر و تصنیف کی خدمت انجام دینے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ صحاح ستہ خصوصاً صحیح بخاری میں آپ کی روایت سے کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں۔ آپ مدائن میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۸۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

10۔ امام یزید بن ہارون:

آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور تدوینِ فقہ کی مجلس کے اہم رکن تھے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین جیسے بڑے بڑے ائمۂ حدیث آپ کے شاگرد تھے۔ امام جلال الدین سیوطی نے امام یزید بن ہارون کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (تبییض الصحیفہ: ۱۵، تذکرۃ الحفاظ ج۱:۱۵۱)

آپ کے متعلق امام بخاری کے نامور استاد امام علی بن المدینی کا ارشاد ہے، "میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو احادیث کا حافظ نہیں دیکھا"۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام بخاری کے ایک اور استاد ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں، "یزید بن ہارون سے زیادہ ہم نے کسی کو حفظِ حدیث میں کامل نہیں دیکھا"۔ آپ کے درس میں ستر ہزار حاضرین کا مجمع ہوتا تھا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۶۳)

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، میں بیشمار لوگوں سے ملا ہوں مگر میں نے کسی کو امام اعظم سے بڑھ کر عاقل، فاضل اور پرہیزگار نہیں پایا۔ (تبییض الصحیفہ: ۲۵)

مقامِ غور ہے کہ امام یزید بن ہارون جو اصحابِ صحاح ستہ خصوصاً امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، انہوں نے امام اعظم کی کیسی تعریف فرمائی ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ بغض وعناد کے باعث امام اعظم کا ذکر پسند نہ کرتے، آپ ان سے ناراض ہو جاتے۔ ایک دن امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ درس کے دوران امام اعظم کے ارشادات سنا رہے تھے کہ کسی نے کہا، ہمیں حدیثیں سنایئے اور لوگوں کی باتیں نہ کیجیے۔

آپ نے اس سے فرمایا، "اے احمق! یہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کی تفسیر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے، اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور معانی معلوم کرتے اور امامِ اعظم ابو حنیفہ کی کتابیں اور انکے اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں"۔ پھر آپ نے اس کو ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ (مناقب للموفق: ۳۴۴)

11۔ امام عبدالرزاق بن ہمام:

آپ جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں۔ انہی اوصاف کی بناء پر سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ نے آپ کو تدوینِ فقہ کی مجلس میں شامل کیا تھا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کا تذکرہ یوں شروع کیا ہے، **احد الاعلام الثقات**۔ آپ نے امام اعظم سے احادیث روایت کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱، تبییض الصحیفہ: ۱۴)

امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے، میں نے امام اعظم سے بڑھ کر کسی کو حلم والا نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عیینہ، یحیٰی بن معین، احمد بن حنبل، علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فنِ حدیث میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم حدیث میں آپ کی شہرت اس قدر تھی کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں حدیث سیکھنے آتے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کے

پاس اِس قدر دور دراز سے طویل فاصلے طے کر کے لوگ نہیں گئے۔
صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے کثیر حدیثیں موجود ہیں۔ حدیث کی ضخیم کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' آپ ہی کی تصنیف ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کتاب کو علم کا خزانہ فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔
امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ حدیث کی روایت میں کیا آپ نے امام عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا، ''نہیں''۔ (میزان الاعتدال)

12۔ امام ابوعاصم النبیل:

آپ کا نام ضحاک بن مخلد اور لقب نبیل ہے۔ آپ امام اعظم ؒ کے خاص شاگرد اور ان کی مجلسِ فقہ کے رکن تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ آپ نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔
(تذکرۃ الحفاظ ج۱:۱۵۱، تبییض الصحیفہ:۱۴)

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام ابوعاصم نے فرمایا، جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، اسوقت سے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ (الجواہر المضیئہ)
علامہ ذہبی لکھتے ہیں، ابوعاصم کے ثقہ ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ عمر بن شیبہ کا قول ہے، اللہ کی قسم! میں نے امام ابوعاصم کا مثل نہیں دیکھا۔ (میزان الاعتدال)
ایک مرتبہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا امام ابوحنیفہ؟ فرمایا، موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ امام اعظم نے فقہ کی بنیاد رکھی جبکہ سفیان صرف فقیہ ہیں۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک امام اعظم تو ابن جُریج سے بڑھ کر فقیہ ہیں، میری آنکھ نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو فقہ میں امام اعظم

سے بڑھ کر قدرت رکھتا ہو۔ (تاریخ بغداد، الخیرات الحسان، مناقب للموفق)

13۔ امام مکی بن ابراھیم:

آپ کا نام عمر بن ہارون ہے، بلخ کے رہنے والے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو حافظ و امام اور شیخ خراسان فرمایا ہے۔ ابتداء میں آپ ایک تاجر تھے۔ ایک بار آپ کی ملاقات امام اعظم سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا، تم تجارت تو کرتے ہو مگر علم بھی سیکھو کیونکہ جب تک انسان عالم نہ ہو اس کی تجارت میں بڑی خرابی رہتی ہے۔

یہ نصیحت آپ کے دل پر اثر کر گئی اور آپ نے امام اعظم سے فقہ و حدیث کا علم سیکھنا شروع کیا یہانتک کہ ان علوم میں امامت کے مقام پر فائز ہوئے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام احمد بن حنبل، امام یحیٰی بن معین اور امام بخاری رحمہم اللہ کے بھی استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔

گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں ہی کا صدقہ ہے۔

امام مکی رحمہ اللہ کو امام اعظم سے والہانہ عقیدت تھی چنانچہ آپ ہر مجلس اور ہر نماز کے بعد امام اعظم کے لیے دعائے خیر کرتے اور فرماتے تھے کہ انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے علوم کا دروازہ کھولا۔

ایک مرتبہ درسِ حدیث کی مجلس میں یوں روایت شروع کی، حَدَّثَنَا اَبُوْ حَنِیْفَةَ۔ تو ایک طالبِ علم نے کہا، آپ ابنِ جُرَیج کی احادیث بیان کیجیے اور ابوحنیفہ کی روایات نہ سنایئے۔ یہ سنکر آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا، ''ہم بیوقوفوں کو حدیث نہیں سناتے۔ تم میری مجلس سے نکل جاؤ، تمہارے لیے مجھ سے

حدیث لکھنا حرام ہے"۔ چنانچہ جب تک اس طالبِ علم کو مجلس سے نکال نہیں دیا گیا آپ نے حدیث بیان نہیں فرمائی۔ جب اسے نکال دیا گیا تو پھر حدثنا ابو حنیفة کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (اولیاء رجال الحدیث:۲۳۳)

امام اعظم کے دیگر تلامذہ میں سفیان ابن عیینہ، ابراھیم بن ادھم، حمزہ بن مقری، عباد بن العوام، علی بن مسہر، قاسم بن معن، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، اسحٰق بن یوسف، شعیب بن اسحاق، عبدالوارث بن سعید، محمد بن بشر، حماد بن زید (رحمہم اللہ تعالیٰ) قابلِ ذکر ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کے محدثین کے مشائخ میں سے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو بھی آپ کا شاگرد تحریر کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرنے والے 95 محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ ان میں مکی بن ابراہیم، ابو عاصم ضحاک کے علاوہ ابونعیم فضل بن دکین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں، یہ تینوں امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور ان سے صحیح بخاری و کتبِ صحاح میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ (تبییض الصحیفہ:۱۴)

ائمہ ثلاثہ اور صحاح ستہ کے محدثین:

ائمہ ثلاثہ اور صحاح ستہ کے تمام محدثین براہِ راست یا بالواسطہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کے شاگرد ہیں۔ مثلاً امام مالک، امام اعظم کے شاگرد ہیں جبکہ امام شافعی، امام محمد بن حسن کے اور امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف کے شاگرد ہیں جو کہ دونوں امام اعظم کے نامور شاگرد ہیں۔ اس طرح ائمہ ثلاثہ بھی براہ راست یا بالواسطہ امام اعظم ہی کے شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

یہ مذکور ہوا کہ امام احمد بن حنبل آپ کے شاگرد امام ابویوسف کے شاگرد ہیں اور امام احمد کے شاگردوں میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد شامل ہیں۔ امام ترمذی نے بخاری و مسلم سے اور امام نسائی نے امام ابوداؤد سے استفادہ کیا ہے جبکہ امام

ابن ماجہ بھی اسی سلسلے کے شاگرد ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ تو گویا صحاح ستہ کے تمام محدثین بالواسطہ امام اعظم ﷺ ہی کے شاگرد ہوئے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اراکینِ شوریٰ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلسِ شوریٰ جس نے تدوینِ فقہ کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، اسکے اراکین کی تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مؤرخین نے یہ تعداد چالیس لکھی ہے۔ جس کا ماخذ امام طحاوی رحمہ اللہ کی مشہور روایت ہے۔

قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ نے اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ کی روایت بیان کی ہے۔ جس کے مطابق اس مجلسِ فقہ کے اراکین کی تعداد چھتیس ہے جبکہ علامہ کردری رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کی روایت نقل کی ہے۔ جس میں انہوں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق مجلس فقہ کے اراکین کی تعداد تیس بتائی ہے۔

گمان یہ ہے کہ ۱۲۱ھ میں جب اس کام کا آغاز ہوا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اسوقت کے لائق وذہین ترین شاگرد اس مجلس کے رکن نامزد کیے گئے ہونگے لیکن دوسرے شہروں سے تعلق رکھنے والے بعض شاگرد کچھ عرصہ بعد چلے گئے ہونگے اور انکی جگہ دوسرے ائمہ نے لی ہوگی جبکہ اکثر ائمہ اس عظیم نیکی میں آغاز سے آخر تک شامل رہے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری زمانے میں جو ائمہ کرام مجلس شوریٰ کے اراکین تھے، انہی کے ناموں کی فہرست اکثر تذکرہ نگاروں نے تحریر کی ہے۔

علامہ حافظ عبدالقادر قرشی رحمہ اللہ کی تصنیف، الجواہر المضیئہ کے حوالے سے ہم چالیس معروف اراکینِ شوریٰ کے نام سنِ وصال کے لحاظ سے تحریر کر رہے ہیں:۔

۱۔	امام زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۵۸ھ
۲۔	امام مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۵۹ھ

۳۔	امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۶۵ھ
۴۔	امام مندل بن علی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۶۸ھ
۵۔	امام نضر بن عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۶۹ھ
۶۔	امام عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۱ھ
۷۔	امام حبان بن علی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۲ھ
۸۔	امام ابو عصمہ نوح رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۳ھ
۹۔	امام زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۳ھ
۱۰۔	امام قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۵ھ
۱۱۔	امام حماد بن الامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۶ھ
۱۲۔	امام ہیاج بن بسطام رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۷ھ
۱۳۔	امام شریک بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۷۸ھ
۱۴۔	امام عافیہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۰ھ
۱۵۔	امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۱ھ
۱۶۔	امام قاضی ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۲ھ
۱۷۔	امام ابو محمد نوح النخعی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۲ھ
۱۸۔	امام ہیثم بن بشیر السلمی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۳ھ
۱۹۔	امام یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۴ھ
۲۰۔	امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۷ھ
۲۱۔	امام اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۸ھ
۲۲۔	امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۹ھ
۲۳۔	امام علی ابن مسہر رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۹ھ

۲۴۔	امام یوسف بن خالد رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۸۹ھ
۲۵۔	امام عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۲ھ
۲۶۔	امام فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۲ھ
۲۷۔	امام علی بن ظبیان رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۲ھ
۲۸۔	امام حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۴ھ
۲۹۔	امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۷ھ
۳۰۔	امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۷ھ
۳۱۔	امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۸ھ
۳۲۔	امام شعیب بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۸ھ
۳۳۔	امام حفص بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۹ھ
۳۴۔	امام ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۹ھ
۳۵۔	امام خالد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۱۹۹ھ
۳۶۔	امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۰۴ھ
۳۷۔	امام یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۰۶ھ
۳۸۔	امام عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۱۱ھ
۳۹۔	امام ابو عاصم الضحاک بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۱۲ھ
۴۰۔	امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	متوفی ۲۱۵ھ



باب پانزدہم (15)

امام اعظم، ائمہ دین کی نظر میں:

امام اعظم کے بارے میں جلیل القدر ائمہ دین ومحدثین کرام کے ارشادات پیش خدمت ہیں:

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ:

☆ آپ ایک ملاقات میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے خوش ہوئے، ان کی پیشانی کو چوما اور انہیں اپنے سینے سے لگالیا۔ (مناقب للموفق: ۱۲۶)

☆ دوسرے موقع پر فرمایا، ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی اور روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔ (ایضاً: ۱۹۲)

☆ ایک اور موقع پر فرمایا، ''ابوحنیفہ کا طریقہ کیا ہی اچھا اور ان کی فقہ کیا ہی زیادہ ہے''۔ (الانتقاء لابن عبدالبر: ۱۲۴)

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

☆ اے ابوحنیفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے نانا جان رسول کریم ﷺ کی سنتیں زندہ کرو گے...... تمھاری رہنمائی سے لوگوں کو صحیح راستہ ملے گا، تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق حاصل ہوگی کہ زمانے بھر کے علمائے ربانی تمھاری وجہ سے صحیح مسلک اختیار کریں گے۔ (مناقب للموفق: ۵۴)

☆ ایک مرتبہ آپ کی بارگاہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اٹھ کر امام صاحب کو گلے لگایا ان کی خیریت پوچھی اور بڑی عزت سے بٹھایا۔ جب امام اعظم اٹھ کر چلے گئے تو کسی نے پوچھا، آپ انھیں جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، احمق ہو؟ میں ان کی خیریت پوچھ رہا ہوں اور تم پوچھ رہے ہو کہ میں انھیں جانتا ہوں یا نہیں۔ یاد رکھو! یہ شخص اپنے ملک کا بہت بڑا فقیہ ہے۔ (ایضاً: ۳۲۶)

☆ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، "یہ بڑا عالم و فاضل اور فقیہ ہے"۔(ایضاً:۵۵)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

☆امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے ذہین عالم تھے کہ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے کہ یہ ستون سونے کا بنا ہوا ہے تو وہ دلائل سے ثابت کر سکتے تھے کہ یہ واقعی سونے کا ہے۔ وہ فقہ میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔(مناقب للموفق:۳۱۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

☆کسی ماں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر عقل و دانش والا بیٹا نہیں جنا۔(ایضاً:۱۹۳)

☆جو شخص دین کی سمجھ حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں سے فقہ سیکھے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام اعظم کے بچے ہیں۔(ایضاً:۳۲۲)

☆لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج ہیں، میں نے ان سے زائد فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ جس نے امام اعظم کی کتب میں غور و فکر نہ کی، نہ وہ علم میں ماہر ہو سکتا ہے اور نہ ہی فقیہ بن سکتا ہے۔(الخیرات الحسان:۱۰۳)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

☆اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمائے وہ بے پناہ پرہیزگار تھے۔ انھیں منصب قضاۃ قبول نہ کرنے پر حکمرانوں نے کوڑے لگائے مگر وہ صبر و استقلال کے ساتھ انکار کرتے رہے۔(ایضاً:۲۱۵)

☆وہ علم، ورع، زہد اور آخرت کو اپنانے میں سب سے آگے ہیں ان کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔(مناقب الامام ابی حنیفہ:۲۷)

امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ:

☆آپ نے جب پہلی مرتبہ امام اعظم کو دیکھا تو فرمایا، کیا تم ہی ابوحنیفہ ہو؟ عرض کی، جی ہاں! آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ فرمایا قرآن مجید میں ہے (ترجمہ) "انکی علامت

انکے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے"۔ الفتح:۲۸) اس آیت کی روشنی میں آپ کو پہچان لیا۔ (مناقب للموفق:۲۶۷)

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ:

☆ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت وہی کر سکتا ہے جو علم و فضل اور قدر و منزلت میں ان سے بلند تر ہو، اور ایسا شخص ملنا مشکل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱:۱۲۲)

☆ محمد بن بشر کہتے ہیں، میں سفیان ثوری کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے پوچھا، کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے عرض کی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے۔ فرمایا، یقیناً تم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہو جو روئے زمین پر سب سے بڑا فقیہ ہے۔ (تبیض الصحیفہ:۲۱)

☆ ابن مبارک نے سفیان ثوری سے دریافت کیا، کیا وہ باتیں بعید از عقل نہیں ہیں جو امام ابو حنیفہ کے دشمن ان کی غیبت کے طور پر کرتے ہیں؟ فرمایا، صحیح کہتے ہو۔ خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ ان کی نیکیوں کو کوئی کم نہیں کر سکتا البتہ وہ حسد کرنے والے اپنی ہی نیکیاں مٹاتے ہیں۔ (ایضاً:۳۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ:

☆ کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے۔ (تبیض الصحیفہ:۲۰)

☆ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ میں نے فقہ میں ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً:۲۰)

☆ اگر اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعے میری مدد نہ فرماتا تو میں عام لوگوں کی مانند ہوتا۔ (ایضاً:۱۹)

☆ اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے جب صحابہ کرام کی کثرت

تھی تو کئی تابعین بھی آپ کے علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ امام اعظم کا قیاس دراصل حدیث کی تفسیر و تشریح تھا۔ (ایضاً: ۳۴۸)

☆ اثر و حدیث کو لازم پکڑو اور حدیث کی تفسیر و تشریح کے لیے امام ابو حنیفہ ؒ کی اتباع کرو۔ (مناقب للموفق: ۳۴۹)

حضرت سفیان ابن عیینہ ؒ

☆ امام ابو حنیفہ ؒ جیسا فقیہ میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا۔ (ایضاً: ۳۱۷)

☆ اگر فقہ کا علم حاصل کرنا ہو تو کوفہ جا کر امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کی مجالس میں شرکت کرو۔ (ایضاً: ۳۶۳)

☆ کوفہ کی دو چیزوں سے ساری دنیا نے فیض پایا ہے۔ وہ ہیں حمزہ کی قرأت اور امام ابو حنیفہ ؒ کی فقہ۔ (ایضاً: ۳۲۳)

حضرت مکی بن ابراہیم ؒ:

☆ امام ابو حنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ (تبییض الصحیفہ: ۲۱)

یحییٰ بن سعید قطان ؒ:

☆ خدا ہم سے جھوٹ نہ بلوائے، ہم نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ بہتر رائے کسی کی نہیں پائی اور ہم نے انکے بہت سے اقوال کو اختیار کیا ہے۔ (ایضاً: ۲۱)

☆ میں عمر بھر فقہی مسائل میں لوگوں پر چھایا رہا لیکن جب میں امام ابو حنیفہ سے ملا تو یوں محسوس ہوا کہ میں انکے سامنے کچھ بھی نہیں، وہ فقہ کے بلند ترین مقام پر ہیں۔ (مناقب للموفق: ۳۴۰)

امام اوزاعی ؒ:

☆ امام ابو حنیفہ ؒ مشکل سے مشکل تر مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (تبییض الصحیفہ: ۳۴)

☆ یہ مشائخ میں جلیل وعظیم شیخ ہیں، ان سے علم حاصل کرو۔ (الخیرات الحسان:۱۰۷)
☆ میں ان کے علم کی کثرت اور عقل کی وسعت پر رشک کرتا ہوں۔ (ایضاً:۱۰۸)

حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ:

☆ کسی نے آپ سے پوچھا، سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابوحنیفہ؟ فرمایا، سفیان ثوری حافظ حدیث ہیں اور امام ابوحنیفہ بڑے فقیہ۔ (تبییض الصحیفہ:۱۹)
☆ میں نے بہت سے علماء دیکھے مگر کسی کو بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عقلمند، افضل اور متقی نہیں پایا۔ (ایضاً:۲۵)
☆ میں نے ان کے جتنے ہم عصر دیکھے سب کو یہی کہتے سنا کہ انہوں نے امام اعظم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (اخبار ابی حنیفہ:۳۶)
☆ آپ سے پوچھا گیا، امام مالک کی رائے زیادہ پسندیدہ ہے یا امام ابوحنیفہ کی؟ فرمایا، احادیث تو امام مالک سے لکھ لیا کرو لیکن جب حدیث کی تفسیر فقہ کی روشنی میں سمجھنی ہو تو پھر امام اعظم ابوحنیفہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ (مناقب للموفق:۳۶۴)

حضرت عبداللہ بن داؤد خریبی رحمہ اللہ:

☆ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کریں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے سنت وفقہ کی حفاظت فرمائی ہے۔ (ایضاً:۲۱)

حضرت خلف بن ایوب رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو علم سے سرفراز کیا پھر وہ علم تابعین میں منتقل ہوا، اس کے بعد علم سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ بہرہ ور ہیں۔ اب جس کا دل چاہے خوش ہو اور جس کا دل چاہے ناراض ہو۔ (الخیرات الحسان:۱۱۶)

حضرت حسن بن سلیمان رحمہ اللہ:

☆ حضور ﷺ کی حدیث لا تقوم الساعة حتى يظهر العلم (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک علم خوب ظاہر نہ ہو جائے) کی تفسیر یہ ہے کہ جب تک امام ابوحنیفہ کے علم کی تشہیر نہ ہو جائے، قیامت نہیں آئے گی۔ (مناقب للموفق:۳۹۵)

حضرت حسن بن عمارہ رحمہ اللہ:

☆ میں نے مسائل فقہ میں ان سے زیادہ بلیغ گفتگو کرنے والا کسی کو نہ پایا اور نہ ان سے بڑھ کر مختصر کسی کا جواب دیکھا۔ بلاشبہ یہ اپنے زمانے کے متکلمین کے سردار ہیں۔ جو کوئی ان کی بدگوئی کرتا ہے وہ حسد ہی کے باعث کرتا ہے۔ (تبییض الصحیفہ:۳۱)

حضرت علی بن عاصم رحمہ اللہ:

☆ اگر نصف دنیا والوں کی عقل ایک پلہ میں اور امام ابوحنیفہ ﷫ کی عقل ترازو کے دوسرے پلے میں رکھی جائے تو امام ابوحنیفہ کی عقل زیادہ وزنی ہوگی۔

(فتاویٰ رضویہ ج۱:۳۵)

حضرت سہل بن مزاحم رحمہ اللہ:

☆ جس نے بھی امام اعظم کی مخالفت کی، اسکا سبب یہ تھا کہ وہ آپ کی بات کو نہ سمجھ سکا۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱:۱۲۳)

حضرت بکر بن حبیش رحمہ اللہ:

☆ اگر امام ابوحنیفہ ﷫ اور انکے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے تو امام اعظم ہی کی عقل وزنی نکلے گی۔ (ایضاً)

حضرت ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ:

☆ میں نے حدیث وفقہ میں سفیان ثوری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا تھا مگر جب میں نے امام ابوحنیفہ ﷫ کو دیکھا تو مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ فقہ میں امام اعظم سے بڑھ

کر کوئی نہیں ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۰)

حضرت ابن جریج رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم کے وصال کی خبر سن کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آج عالم اسلام سے علم چلا گیا۔ فقہ کا آفتاب غروب ہو گیا۔ (ایضاً: ۴۲۳)

☆ بیشک وہ فقیہ ہیں، بیشک وہ فقیہ ہیں، بیشک وہ فقیہ ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۸)

حضرت ابو عاصم حسن رحمہ اللہ:

☆ آپ سے پوچھا گیا، امام ابوحنیفہ بڑے فقیہ ہیں یا سفیان ثوری؟ فرمایا، امام اعظم کا شاگرد اور غلام بھی سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۰)

☆ خدا کی قسم! وہ میرے نزدیک ابن جریج سے بھی زیادہ فقیہ ہیں، میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ فقہ پر قادر نہ پایا۔ (الخیرات: ۱۱۵)

حضرت وکیع بن الجراح رحمہ اللہ:

☆ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر کوئی عابد و متقی دیکھا ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۲)

☆ میں جتنے لوگوں سے ملا ہوں، ان میں مجھے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے فیصلے بھاری نظر آئے ہیں۔ (ایضاً: ۳۶۷)

حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ:

☆ میرے نزدیک حمزہ کی قرأت اور امام اعظم کی فقہ نہایت پسندیدہ ہیں اور میری اس رائے سے تمام اہل علم متفق ہیں۔ (ایضاً: ۳۲۳)

☆ آپ سے پوچھا گیا، امام ابوحنیفہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا، اس قدر کافی ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث، امام شعبہ نے ان کو حدیث و روایت کی اجازت دی اور امام شعبہ آخر امام شعبہ ہی ہیں۔ (سیرۃ النعمان: ۵۱)

☆ ہمارے زمانے میں فقہاء صرف چار ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی۔ امام ابوحنیفہ حدیث اور فقہ میں ثقہ تھے، صادق تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین پر امین تھے۔ (مناقب للموفق: ۳۶۵)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر کیونکہ وہ امام تھے۔
(جامع بیان العلم، ج۲: ۱۶۳)

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہ اللہ:

☆ ہمارے زمانے میں تمام لوگوں میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی حق کا معیار تھے جو ان سے محبت کرتا ہم اس سے محبت کرتے۔ جو ان سے دوستی کرتا ہم اس کے دوست بن جاتے مگر جو ان سے بغض کرتا تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ یہ بدعتی اور گمراہ ہے۔
(مناقب للموفق: ۳۲۳)

شفیق بن عتیبہ:

☆ میری آنکھوں نے امام ابوحنیفہ کی مثل کسی کو نہ دیکھا۔ (تبییض الصحیفہ: ۳۴)

حضرت ابوعبدالرحمٰن المقری رحمہ اللہ:

☆ آپ حدیث روایت کرتے وقت یوں فرماتے، حدثنا ابو حنیفة شاه مردان۔ (مناقب للموفق: ۳۲۴)

☆ جب ہم امام اعظم ابوحنیفہ سے مروی کسی حدیث کو بیان کرتے تو ہم کہتے، حدثنا شاهنا۔ ہمارے بادشاہ نے ہم سے حدیث بیان فرمائی۔ (تبییض الصحیفہ: ۳۰)

حضرت ابوحمزہ رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے رہتے ہیں اور دن بھر لوگوں کی مشکلات حل کرنے میں اور حدیث سکھانے میں مشغول

رہتے ہیں۔(مناقب للموفق:۳۲۵)

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ:

☆امام اعظم اپنے وقت کے فقیہ ہی نہیں بلکہ فقہاء کے امام تھے۔تقویٰ اور ورع میں آپ بے مثال تھے۔اپنے مال کے ذریعے غریبوں کی مدد کرتے، جو سائل آتا اسے خالی نہ جانے دیتے۔شب و روز عبادت میں اور علم سکھانے میں مصروف رہتے۔کم گو اور خاموش طبع تھے۔حلال و حرام کے مسائل پر تفصیل سے گفتگو فرماتے اور بادشاہ اور امراء کے مال سے دور رہتے تھے۔(ایضاً:۱۱۱)

امام اعمش رحمہ اللہ:

☆اے فقہائے اسلام! آپ لوگ عطار ہیں اور ہم دوا فروش مگر اے ابوحنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے گھیر لیے۔(ایضاً:۱۲۳)

☆اگر علم فقہ صرف طلب اور ملاقات سے حاصل ہوتا تو میں آپ سے زیادہ فقیہ ہوتا لیکن فقہ تو اللہ کی عطا ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔(ایضاً:۴۰۳)

☆امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسی علمی چیزیں پیش کی ہیں جو لوگ سمجھتے ہیں اور کچھ ایسی علمی چیزیں پیش کی ہیں جو لوگ نہیں سمجھتے اس لئے ان سے حسد کرتے ہیں۔(الخیرات الحسان:۱۱۲)

☆ان کے علم میں برکت دی گئی ہے۔(ایضاً:۱۱۲)

امام مغیرہ رحمہ اللہ:

☆امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے درس میں بیٹھا کرو تم فقیہ بن جاؤ گے۔اگر آج امام ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی صحبت اختیار کرتے۔(مناقب للموفق:۳۲۷)

حضرت مسعر بن کدام رحمہ اللہ:

☆میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔کوفہ میں دو لوگوں سے حسد کیا

جاتا ہے، امام اعظم سے ان کی فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح سے زہد وعبادت کی وجہ سے۔(مناقب للموفق:۳۲۹)

☆ جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام ابوحنیفہ کو ڈال دیا، مجھے امید ہے اس کو کوئی ڈر نہ ہوگا اور اسے زائد احتیاط کی حاجت باقی نہ رہے گی۔(الخیرات:۱۱۰)

حضرت یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ میں ایسا اجتہاد کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح راہ دکھائی اور خواص وعوام نے ان کے علوم سے استفادہ کیا۔امام شریک اور کوفہ کے دوسرے علماء ان کے سامنے طفل مکتب نظر آتے تھے جیسے بادشاہ کے سامنے غلام۔(ایضاً:۳۳۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ:

☆ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قضاۃ العلماء پایا یعنی وہ تمام محدثین اور فقہاء کے امام یا چیف جسٹس تھے۔اگر کوئی شخص تمہیں امام اعظم کے خلاف بات کرتا ہوا ملے تو اس کی فضول باتوں کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دو۔(ایضاً:۳۴۱)

حضرت خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ:

☆ میں اپنی زندگی میں ہزاروں علماء وفقہاء سے ملا ہوں مگر ان میں مجھے صرف تین چار حضرات صاحبِ علم وبصیرت ملے۔ان سب میں بلند پایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں آپ کے سامنے تمام فقیہانِ علم طفلِ مکتب دکھائی دیتے تھے۔آپ کا علم، فقہی بصیرت، زہد و تقویٰ سب پر حاوی تھا۔(ایضاً:۳۴۵)

حضرت ابراہیم بن رستم رحمہ اللہ:

☆ جس کو اپنی زندگی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم حاصل نہیں ہوا، میرے نزدیک وہ جاہل ہے۔(مناقب للموفق:۳۴۶)

حضرت یزید بن ابراہیم رحمہ اللہ:

☆ آپ سے پوچھا گیا، ایک عالم کب فتویٰ دینے کے قابل ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا صاحبِ علم و بصیرت ہو جائے۔ عرض کی گئی، یہ تو ممکن نہیں۔ فرمایا، پھر ان کی کتابیں یاد کرے، ان پر گہری نظر رکھے اور ہر مسئلہ میں ان سے رہنمائی حاصل کرے۔ (ایضاً:۳۴۴)

حضرت محمد بن میمون رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان سے زائد عالم، متقی، زاہد، عارف اور فقیہ کوئی نہ تھا۔ خدا کی قسم! مجھ کو ان سے علمی باتیں سننے کی بجائے کوئی شخص اگر ایک لاکھ دینار بھی دیتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی۔ (الخیرات الحسان:۱۱۴)

حضرت ابراہیم بن فیروز رحمہ اللہ:

☆ میرے والد نے بتایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا، آپ کے اردگرد مشرق و مغرب کے علماء حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ آپ انھیں فتویٰ جاری کر رہے تھے حالانکہ حرمین شریفین میں بڑے بڑے علماء وفقہاء موجود تھے مگر امام اعظم کا فتویٰ سب کے لئے معتبر تھا۔ (مناقب للموفق:۳۵۴)

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ:

☆ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مجالس میں بیٹھا کرتا تھا، آپ جیسا صاحبِ بصیرت اور امورِ شریعت پر غور و فکر کرنے والا دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔ مقاتل سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ جواب دینے کے بعد فرماتے، یہ کوفہ و شام کے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ (ایضاً:۳۵۵)

حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ:

☆ آپ امام اعظم کا بکثرت ذکر کرتے اور ان کی تعریف کرتے رہتے۔ لوگوں نے

عرض کی، آپ ہمیں ایسی بات بتائیں جس سے ہمیں فائدہ پہنچے۔ آپ نے فرمایا، افسوس تم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کو فائدہ مند نہیں سمجھا۔ یاد رکھو امام ابوحنیفہ کا ذکر کرنا اور ان کی تعریف کرنا افضل اعمال سے ہے۔ (ایضاً: ۳۵۸)

حضرت قاضی شریک نخعی رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش مزاج، مفکر و مدبر، فقہ میں دقیق نظر رکھنے والے، علمی و عملی باریک استنباطات کرنے والے اور لطیف بحث کرنے والے تھے۔

(الخیرات الحسان: ۱۱۵)

حضرت ابومعاذ بلخی رحمہ اللہ:

☆ میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی عالم و فقیہ نہ پایا۔ جسے امام اعظم کی مجلس میسر نہیں ہوئی وہ علم میں نامکمل اور مفلس رہا۔ (مناقب للموفق: ۳۵۷)

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم ہدایت کا چمکتا ہوا ستارہ ہیں۔ ان سے راہ ہدایت پر چلنے والے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کا علم وہ ہے جسے اہل ایمان کے قلوب قبول کرتے ہیں۔

(الخیرات الحسان: ۱۱۵)

امام شعبہ رحمہ اللہ:

☆ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین اور ساتھی ہیں۔ (سیرۃ النعمان: ۵۱)

☆ آپ کو امام ابوحنیفہ کے وصال کی خبر ملی تو فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس! کوفہ سے علم کی روشنی بجھ گئی۔ اب ان جیسا کوئی پیدا نہ ہوگا۔ (مناقب للموفق: ۳۶۲)

☆ خدا کی قسم! آپ بہترین سمجھ اور اچھے حافظے والے تھے اس لئے لوگوں نے ان کی ایسی باتوں پر اعتراضات کیے جو آپ ان لوگوں سے زائد جانتے تھے۔ بخدا وہ ان کی

سز االلہ تعالیٰ کے پاس پائیں گے۔امام شعبہ،امام ابوحنیفہ کے حق میں بہت زیادہ دعا فرماتے تھے۔(الخیرات الحسان:۱۱۳)

حضرت سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ ﷺ کی وساطت سے علم کی روشنیاں لوگوں کے دلوں میں بھر دی ہیں۔فقہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے آپ نے احادیث کی روشنی میں بیان نہ کیا ہو۔(مناقب للموفق:۳۶۳)

حضرت محمد بن المروزی رحمہ اللہ:

☆ اللہ تعالیٰ امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ پر رحمت فرمائے،ا ُن کی زبان جب کھلتی ہے،حق بولتی ہے۔(ایضاً:۳۶۸)

حضرت نضر بن شمیل رحمہ اللہ:

☆ لوگ فقہ کے معاملے میں خواب غفلت میں تھے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ ﷺ نے ان کو بیدار کیا اور فقہ کو خوب واضح کر کے بیان فرما دیا۔(الخیرات الحسان:۲۹)

حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ:

☆ آپ جب ارشاد فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ سمندر کی تہہ سے موتی نکالنے والے غوطہ خور نے لوگوں کے سامنے موتیوں کے ڈھیر سجا دیے ہیں۔(مناقب للموفق:۴۰۱)

حضرت ابن زیاد حسن رحمہ اللہ:

امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ فقہ کا ایسا سمندر تھے جس کا کنارہ نہ تھا اور جس کی گہرائی کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔(ایضاً:۳۳۸)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ:

☆ میرا تمام علم فقہ،امام ابوحنیفہ ﷺ کے علم فقہ کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے دریائے فرات کی موجوں کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی نہر ہو.........میں نے احادیث کی

تفسیر کرنے میں امام اعظم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (مناقب للموفق: ۳۴۷)

☆ امام ابوحنیفہ ﷫ اپنے اسلاف کے جانشیں تھے، خدا کی قسم! انہوں نے روئے زمین پر اپنے جیسا عالم وفقیہ نہیں چھوڑا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱)

حضرت شداد بن حکیم رحمہ اللہ:

☆ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر امام ابوحنیفہ ﷫ اور انکے شاگردوں کی شکل میں انعامات نہ فرماتا تو ہم عملی طور پر مفلس اور محروم رہ جاتے۔ نہ ہم احادیث کو سمجھ پاتے اور نہ دین کے مسائل سے صحیح واقف ہوتے۔ (ایضاً: ۳۶۰)

حضرت حماد بن سلمہ رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ لوگوں میں سب سے عمدہ اور احسن فتوی دینے والے تھے۔ (تبییض الصحیفہ: ۳۴)

حضرت عیسٰی بن یونس رحمہ اللہ:

☆ جو شخص بھی امام اعظم ابوحنیفہ ﷫ کی شان میں گستاخی کرے، تم ہرگز اس کی تصدیق نہ کرو۔ خدا کی قسم! میں نے ان سے افضل، ان سے زائد متقی اور ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱، الانتقاء: ۱۳۶)

امام سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ ﷫ کے علوم انتہائی دقیق ہیں، انہیں صرف بلند مرتبہ اہلِ کشف اولیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ ج۱: ۱۲۳)

ابن خلدون رحمہ اللہ:

☆ امام ابوحنیفہ ﷫ علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے ہیں۔ اسکی ایک دلیل یہ ہے کہ انکے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ردّ وقبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ (مقدمہ: ۴۴۵)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ:

☆وہ امام ہیں، عراق کے فقیہ، اسلام کے اماموں میں سے اور بڑی شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔(البدایہ والنہایہ، ج۱۰: ۱۰۷)

امام محمد غزالی رحمہ اللہ:

☆امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عابد وزاہد اور عارف باللہ تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اپنے علم سے صرف اُس کی رضا چاہتے تھے۔(احیاء العلوم ج۱: ۹۸)

امام شعرانی شافعی رحمہ اللہ:

☆تم علم کے بغیر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں بدگوئی کرنے والوں سے بچو ورنہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ امام اعظم قرآن وحدیث کے پابند تھے اور رائے سے بیزار تھے۔ جو امام اعظم کے مذہب کی تحقیق کرے گا وہ اسے سب سے زیادہ احتیاط والا پائے گا اور جو اسکے سوا کچھ اور کہے، وہ جاہل ہے۔
(کتاب المیزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱: ۶۳)

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ:

☆اماموں کے امام، اہلسنت کے پیشوا، فقہاء کا شرف اور علماء کی عزت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ مجاہدہ وعبادت میں ثابت قدم بزرگ تھے اور تصوف وطریقت میں بھی بڑی شان کے مالک تھے۔(کشف المحجوب: ۱۶۲)

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ:

☆امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام اعظم ہیں، فقیہِ عراق ہیں۔(تذکرۃ الحفاظ، ج۱: ۱۵۸)

☆رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَاَرْضَاهُ۔ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ آپ کو راضی کرے۔(مناقب الامام ابی حنیفہ: ۷)

☆☆☆☆

باب شش دہم (16)

مذہبِ حنفی کی وجہِ ترجیح:

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ملتِ اسلامیہ پر احسانِ عظیم ہے کہ آپ نے سب سے پہلے قواعدِ اجتہاد اور اصولِ فقہ کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے فقہ کو مرتب کیا جسے ہم فقہ حنفی یا مذہبِ حنفی کے نام سے جانتے ہیں۔

حنفی مذہب کو دیگر مذاہبِ ثلاثہ پر جو فوقیت اور برتری حاصل ہے اس کے چند اہم نکات پیشِ خدمت ہیں۔

1۔ حنفی مذہب، حدیث ہے:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں،

''جمہور محدثین کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حدیثِ قولی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اسی طرح جو کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے کیا اور آپ نے اس سے نہ روکا اور سکوت فرمایا، وہ حدیثِ تقریری ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال، افعال اور ان کا کسی کام سے نہ روکنا بھی احادیث ہیں''۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تابعی کا قول حدیثِ قولی ہے، اسکا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اسکا کسی کے قول یا فعل پر سکوت فرمانا حدیثِ تقریری ہے، تو امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول، فعل اور سکوت بھی حدیث قرار پایا کیونکہ آپ تابعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ میں سے یہ فضیلت صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کو عطا فرمائی۔

آپ ۷۰ھ یا ۷۷ھ یا ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، کئی صحابہ کا زمانہ پایا، بیس سے زائد صحابہ کرام کی زیارت کی اور یہ بات بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث سنی ہیں۔ اس پر تفصیلی گفتگو پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذہبِ حنفی درحقیقت حدیث ہی ہے۔

2۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا:

یہ بات کتاب کے آغاز ہی میں تحریر کی گئی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا اپنے نومولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پوتے اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ علیہا کہتے ہیں، نحن نرجوا ان یکون اللہ تعالیٰ قد استجاب لعلی فینا۔ ''ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے''۔ (تبییض الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور امام الاولیاء شیرِ خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعائے برکت کی مقبولیت کی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے مذہب حنفی کو عالمِ اسلام کا سب سے بڑا مذہب بنا دیا۔ محدث علی قاری نے گیارھویں صدی ہجری میں حنفی مذہب کے مقلدین کو تمام اہلِ اسلام کا دو تہائی قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱: ۲۴)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''کسی تکلف اور تعصب کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر میں مذہب حنفی ایک عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہری نظر سے بھی دیکھا جائے تو امتِ مسلمہ کا سوادِ اعظم امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا پیروکار ہے'' (مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵)

3۔ نبوی بشارات:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی فضیلت اور فوقیت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ کے علم و فضل کی تعریف میں احادیثِ مبارکہ موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر کتاب کے آغاز ہی میں کیا جا چکا ہے۔ اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

بخاری و مسلم میں آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَال" مِنْ فَارِسَ۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَذَهَبَ بِهٖ رَجُل" مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ حَتّٰی یَتَنَاوَلَهٗ۔

"اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتو مردانِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو حاصل کر لے گا"۔

امام سیوطی شافعی اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالی نے بخاری و مسلم کی ان احادیث سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ فارس کے علاقوں سے کوئی ایک شخص بھی امامِ اعظم جیسے علم و فضل کا حامل نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو آپ جیسا بلند مقام نصیب ہوا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان میں آقا و مولیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ:-

انه قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة۔ "دنیا کی زینت ایک سو پچاس سن ہجری میں اٹھالی جائے گی"۔ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ امام کردری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر صادق آتی ہے کیونکہ نامور ائمہ دین میں سے آپ ہی کا انتقال اس سن میں ہوا۔ (الخیرات الحسان:۵۳)

4۔ صحیح حدیث مذہبِ حنفی ہے:

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، "جو حدیث صحیح ہو وہی میرا مذہب ہے"۔

چونکہ آپ نے بلاواسطہ صحابہ کرام سے احادیث سنیں یا تابعین کرام سے، اور ان میں کوئی راوی ضعیف نہیں اس لیے آپ تک پہنچنے والی تمام احادیث صحیح ہیں اور آپ کا مذہب صحیح احادیث کے مطابق ہے۔

مذہب شافعی کے مقلد امام شعرانی رحمہ اللہ کی گواہی ملاحظہ کیجیے۔ آپ فرماتے ہیں،

''اگر امامِ اعظم رضی اللہ عنہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راوی صحابہ اور تابعین ہیں تو پھر امامِ اعظم کے بعض دلائل کو ضعیف احادیث پر مبنی کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے وہ امامِ اعظم کے وصال کے بعد کے راوی ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو امامِ اعظم کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے روایت کیا ہے کیونکہ امامِ اعظم کی اسانید ثلاثہ میں جتنی احادیث ہیں، وہ سب صحیح ہیں کیونکہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو امامِ اعظم ان سے کبھی استدلال نہ کرتے۔ اور امامِ اعظم کی سند کے نچلے راویوں میں سے کسی راوی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی ہو تو اس سے امامِ اعظم کی حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس حدیث سے مجتہد و امام نے استدلال کیا ہے اسلیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اس حدیث پر عمل کریں خواہ اسکو کسی اور نے روایت نہ کیا ہو۔
جب تک امامِ اعظم کی مسانید ثلاثہ میں انکے مذہب کی دلیل دیکھ نہ لی جائے اور یہ یقین نہ ہو جائے کہ انکی دلیل ان مسانید میں موجود نہیں ہے اسوقت تک انکے مذہب کی کسی دلیل کو ضعیف نہ کہا جائے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ انکے بعد کے علمائے احناف نے مذہبِ حنفی پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان میں سے کوئی دلیل کسی ضعیف حدیث پر مبنی ہو لیکن امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا دامن اس سے بری ہے''۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱: ۶۵ طبع مصر)

5۔ قرآن حکیم سے مطابقت:

مذہبِ حنفی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے ان میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ نہایت مضبوط دلائل پر مبنی اور اصولِ عقل کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ہم اگلے عنوان ''مذہبِ حنفی اور قرآن'' کے تحت یہ ثابت کریں گے کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآنی آیات

سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ امامِ اعظم کو اجتہاد میں دیگر ائمہ کرام پر نمایاں فضیلت حاصل ہے۔

6۔ حدیث کی اتباع:

اسی طرح امام اعظم ﷺ حدیث کی اتباع اور سنت کی پیروی میں دیگر ائمہ سے بہت آگے ہیں۔ اسکے دلائل یہ ہیں:۔

﴿۱﴾ امام اعظم ﷺ حدیثِ مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں جبکہ امام شافعی ﷺ حدیث مرسل پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

﴿۲﴾ قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام اعظم ﷺ صرف قیاسِ موثر کو حجت مانتے ہیں جبکہ امام شافعی ﷺ قیاس کی ان چاروں قسموں کو حجت مانتے ہیں۔

﴿۳﴾ امام اعظم ﷺ کو احادیث کی اتباع سے اسقدر محبت ہے کہ قیاس کے مقابلے میں ضعیف احادیث پر بھی عمل فرماتے ہیں۔

7۔ فطرت کا لحاظ:

اسلام، دینِ فطرت ہے اس بناء پر ایسے مسائل میں جہاں کوئی نص موجود نہ ہو یا روایات مختلف ہوں تو مذہب حنفی میں عام طور پر فطری تقاضوں کو وجہ ترجیح قرار دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مسواک کے متعلق عند کل صلاۃ کی روایت کے مقابلے میں عند کل وضوء کو اس لیے ترجیح حاصل ہے کہ یہ روایت فطری تقاضے کے قریب تر ہے۔ چونکہ مسواک فطری طور پر منہ اور دانتوں کی صفائی کے کام آتی ہے اور صفائی طہارت کا جزو ہے اس لیے احناف کے نزدیک مسواک وضو کی سنت ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک مسواک نماز کی سنت ہے۔

اسی طرح مذہب حنفی میں نماز میں قیام کے دوران ہاتھ ناف پر رکھنے کے مقابلے میں

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ فطری طور پر انسان تعظیم کے موقع پر ہاتھ سیدھے کر کے ناف سے نیچے رکھتا ہے۔ یونہی مطلقہ بائنہ عورت کے لیے دیگر ائمہ کرام کے برعکس احناف، نان نفقہ اور رہائش کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ فطری تقاضا ہے کہ اپنے حق میں کسی کو پابند کرنے والا، اس پابند شخص کی ضروریات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بقول نعمانی کے، ''حنفی فقہ جس قدر اصولِ عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں''۔ تفصیل کے لیے امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار ملاحظہ فرمائیں۔

8۔ آسانی اور سہولت:

فرمانِ الٰہی، **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** (اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا) کے مصداق امام اعظم نے فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ آپ کے نزدیک فرض و حرام کا اثبات ایسی نص سے ہوتا ہے جو ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے قطعی ہو۔ اسی طرح امام اعظم کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دیگر فقہوں کے مقابلے میں نہایت آسان اور نرمی پر مبنی ہے۔

مثلاً قرآن میں مطلقاً رکوع اور سجدے کا ذکر ہے اس لیے رکوع کے لیے منہ کے بل جھک جانا اور سجدے کے لیے زمین پر پیشانی لگا دینا کافی ہے۔ اس سے زائد کوئی کیفیت مثلاً اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا یا اعتدال فرض نہ ہوگا۔

اسی طرح امام اعظم نے ہر نماز کی ادائیگی کے لیے اسی وقت کو افضل فرمایا ہے جس میں فطری طور پر انسان کے لیے سہولت ہے۔ جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز میں جلدی افضل ہے۔ یونہی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ امام صاحب نے چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کو ایک حد تک گرانقدر مال کی چوری سے مشروط کیا ہے۔ احناف کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء کی رائے یہی ہے، کہ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت امام اعظم

ہی کی فقہ میں ہے۔(المیزان الکبریٰ)

9۔جامعیت:

کسی ضابطے کا اپنی تمام جزئیات پر یکساں منطبق ہونا جامعیت کہلاتا ہے۔احناف کا اصول یہ ہے کہ اگر نص کے مختلف معانی یا متعدد روایات ہوں تو اس کا وہ معنی یا وہ روایت قابلِ ترجیح ہوگی جس میں جامعیت ہو۔مثال کے طور پر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے متعلق دو روایات ہیں۔

ایک میں ہے،"سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی"۔اور دوسری میں ہے،"جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے"۔

اگر مقتدی کے لیے پہلی روایت پر عمل ضروری سمجھا جائے تو جامعیت نہ ہوگی کیونکہ جہری نماز میں فاتحہ کے بعد یا رکوع میں کوئی مقتدی جماعت میں شامل ہوا تو اسکے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا ممکن نہیں۔لہٰذا یہ حکم جامع نہ رہا۔اگر مقتدی کے لیے دوسری روایت پر عمل ضروری مانا جائے تو یہ حکم جامع رہے گا۔کیونکہ یہ فاتحہ کے دوران یا بعد یا رکوع میں شامل ہونے والے تمام افراد کو جامع ہے۔پس مقتدی کے لیے دوسری روایت کو ترجیح ہوگی۔

10۔احتیاط اور تقویٰ:

مذاہب ثلاثہ کی نسبت امام اعظم کے مذہب میں احتیاط وتقویٰ کا پہلو بہت نمایاں ہے۔گویا جن معاملات میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ہے ان میں اگر امام اعظم کے موقف کا تجزیہ کیا جائے تو آپ کا نکتۂ نظر ہی مبنی بر احتیاط نظر آئے گا۔مثلاً خون بہہ جانے یا نکسیر پھوٹ نکلنے سے امام اعظم کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔البتہ کسی کے نزدیک بھی خون بہنے کے بعد دوبارہ وضو کرنا منع نہیں۔ اگر دوبارہ وضو نہ کیا جائے تو مذہب حنفی کے مطابق نماز نہ ہوگی۔اس لیے احتیاط اسی

میں ہے کہ دوبارہ وضو کرلیا جائے تاکہ سب کے نزدیک نماز ہو جائے۔
اسی طرح بعض ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں جبکہ امام اعظم کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں۔ایک رکعت وتر والے تین رکعت وتر کے بھی قائل ہیں۔پس اگر کوئی ایک رکعت پڑھے تو امت کے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز نہ ہوگی جبکہ تین رکعت پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز وتر ہو جائے گی۔یونہی اگر کوئی آٹھ تراویح پڑھے تو صحابہ کرام اور ائمہ دین کے نزدیک اسکی نماز تراویح نہ ہوگی جبکہ بیس رکعت پڑھنے سے سب کے نزدیک تراویح ادا ہو جائے گی۔
اسی طرح امام اعظم کے نزدیک کنویں میں کوئی جانور گر کر مر جائے تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے، اب وہ پانی نکالنے سے پاک ہوگا جبکہ بعض کے نزدیک کنواں ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ نہ بدل جائے۔احتیاط اور تقویٰ یقیناً کنویں سے پانی نکالنے میں ہے جس کو کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا اور یوں سب کے نزدیک اس پانی سے وضو و غسل جائز ہوگا۔پس مذہبِ حنفی زیادہ احتیاط اور تقویٰ پر مبنی ہے۔

11۔ شورائی مذہب:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ ''اور اُن کا کام اُن کے آپس کے مشورے سے ہے''۔(الشوریٰ:۳۸، کنزالایمان)
قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ صحابہ کرام کے معاملات باہمی مشوروں سے طے ہوتے تھے۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے، ''جو قوم مشورہ کرتی ہے وہ صحیح راہ پر پہنچتی ہے''۔(تفسیر خزائن العرفان)
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، شاوروا فیه الفقهاء العابدین ولا تمضوا فیه رای خاصة۔ ''جس مسئلے میں قرآن وسنت میں واضح حکم نہ ہو، اس میں تم عبادت گذار فقہاء سے مشورہ کرلیا کرو اور

کسی کی شخصی رائے پر نہ چلو"۔ (مجمع الزوائد، جلد اول باب الاجماع)

قرآن وحدیث کے ان احکامات کی پیروی کرتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کی تدوین کے لیے چالیس جید فقہاء پر مشتمل ایک مجلس قائم کر رکھی تھی۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ ان سے مشورہ اور تبادلۂ خیال کرتے، انکے دلائل سنتے اور اپنے دلائل پیش کرتے یہانتک کہ مسئلہ طے ہو جاتا اور اسے تحریر کر لیا جاتا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی، اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور اللہ عزوجل اور اسکے محبوب رسول ﷺ سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔

گویا فقہ حنفی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ انفرادی نہیں بلکہ شورائی فقہ ہے جبکہ دیگر ائمہ کرام کی فقہ انکے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

مذہب حنفی اور قرآن:

"ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے ان کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابوحنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اس لیے ان کا تجزیہ تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے"۔

وضو کا حکم قرآن کریم کی اس آیت میں وارد ہوا ہے،

یا یھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین۔

"اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ، اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ"۔ (المائدۃ:٦، کنز الایمان)

''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ دو فرض کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی نیت اور ترتیب، امام مالک رحمہ اللہ بجائے ان کے موالاۃ کو فرض کہتے ہیں۔، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔

امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اس لیے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالات وتسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں''۔

علامہ عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''رکوع وسجود کے حکم میں تعدیلِ ارکان کو فرض کے درجے میں شامل کرنا جائز نہیں، اسی طرح آیتِ وضو میں اعضاء کو پے در پے دھونا، ترتیب کے ساتھ دھونا، آغاز میں بسم اللہ پڑھنے اور نیت کرنے کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے''۔ (المنار متن نور الانوار، ج۱:۳۰)

اس عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ خبرِ واحد سے قرآنی حکم پر اضافہ فرض یا شرط کے طور پر جائز نہیں مگر وجوب اور استحباب کے درجے میں جائز ہے۔ تعدیل ارکان سے مراد رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ واجب ہے مگر فرض یا شرط نہیں کیونکہ یہ خبر واحد سے ثابت ہے۔

اسی طرح وضو میں ترتیب، تسمیہ اور نیت بھی خبر واحد سے ثابت ہیں اس لیے یہ وضو کی سنتوں میں سے ہیں، فرائض یا شرائط میں سے نہیں کیونکہ انکا ثبوت آیت قرآنی یا خبر متواتر سے نہیں ہے۔

''امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کے لیے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فاغسلوا

وجوھکم میں حرف فا تعقیب کے لیے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا پہلے دھونا فرض ہے جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلافِ عقل حکم ہے۔ اس لیے اس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونی چاہیے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جس طرح خلافِ عقل ہے ترتیب بھی خلافِ عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں، خود ظاہر ہیں اس پر ردّ وقدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں،

وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفرٍ او جاء احد منکم من الغائط او لٰمستم النساءَ فلم تجدوا ماءً فتیمموا۔

یعنی ”اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کسی شخص غائط سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرلو“۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع ومقاربت مراد ہے۔ اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ 'مس' جس کے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہوسکتی۔ اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اس کو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں ورنہ ظاہری معنی لیے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص نشیب زمین سے ہوکر آئے، اس پر وضو کرنا واجب ہے۔

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے کی وجہ سے وضو

ٹوٹ جاتا ہے۔لیکن اس کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے کہ وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے ، غالباً اُنکے بعد ان کے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلے کے لیے آیت سے استدلال کیا اور اس کو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں ،امام مالک و امام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیے نیا تیمم کرنا چاہیے۔امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے۔اور جب ہر نماز کے لیے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں۔البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو اور تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی مل جائے تو تیمم جاتا رہے گا۔امام مالک و امام احمد بن حنبل اس کے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنی جب پانی نہ ملے ۔ صورتِ مذکورہ میں جب شرط باقی نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا"۔(سیرۃ النعمان:۳۰۲ تا ۳۰۵)

"امام صاحب کا مذہب ہے کہ قرأتِ فاتحہ ضروری نہیں ، امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں،امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ،یعنی" جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو"۔

اگر چہ اس آیت سے سرّی نمازوں میں بھی ترکِ قرأت کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسی صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں داخل ہیں وہ خود متعارض ہیں۔جس درجہ کی

وجوبِ قرأت کی حدیثیں ہیں اسی درجہ کی ترکِ قرأت کی حدیثیں بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے"۔

(سیرۃ النعمان:۳۰۶)

ایک اہم مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ چاروں ائمہ مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہی بار تین طلاق دے دے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی۔ ان میں صرف اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حرام اور ممنوع ہے اور اسطرح طلاق دینے والا گنہگار ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ (البقرۃ:۲۲۹)

"یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (یعنی رجعت کر لینا ہے) یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے"۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا موقف یہ ہے کہ اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف یہی شرعی طلاق کا طریقہ ہے یعنی ایک وقت میں ایک یا دو بار تک طلاق دی جا سکتی ہے۔ احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آپ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا، "لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیل کرتے ہیں حالانکہ میں تمہارے درمیان ابھی موجود ہوں"۔ (نسائی ج ۲:۸۱)

معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ ہے اور اللہ عزوجل اور اسکے رسول ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ حضور ﷺ اسی لیے ناراض ہوئے کہ اس شخص نے قرآن وسنت کے خلاف طریقے سے طلاق دے کر گناہ کا ارتکاب کیا۔

ضمناً یہ بات عرض کرنی ضروری ہے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آقا و مولیٰ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد، ج۱:۳۰۶)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں، ”جمہور صحابہ، تابعین اور انکے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہونگی“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو تین طلاق ایک ساتھ دیتا، آپ اسے درے مارتے تھے۔ (نووی شرح مسلم کتاب الطلاق)

کسی نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں سوال کیا، کہ اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں یا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا (غیر مقلدین کے بقول) کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہاں سے یہ حکم لائے اور اس پر اجماع کیوں ہوا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حکم وہاں سے لائے جہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ہے،

لعلمه الذين يستنبطونه منكم ۔ (القرآن: ۴/۸۳) ”حکم کو معلوم کر لیں گے وہ لوگ جو استنباط کریں گے تم میں سے“۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱۲:۴۵۹)



باب ہفت دہم (17)

حضور ﷺ کی نماز اور فقہ حنفی:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے، "بیشک تمہیں رسول اللہ ﷺ کی پیروی بہتر ہے، اسکے لیے کہ اللہ اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو"۔ (الاحزاب:۲۱، کنزالایمان)

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، "تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھو"۔ (بخاری)

آقا و مولیٰ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے شریعت اخذ کر کے ہم تک پہنچانے کا فریضہ ائمہ اربعہ نے انجام دیا جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے اول ہیں کیونکہ آپ تابعی ہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ آپ نے چھبیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلاواسطہ احادیث سنی ہیں۔

محدثِ دکن مولانا انوار اللہ شاہ رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی طرح فقہ حنفی کے مطابق احادیث جمع کر کے "زجاجۃ المصابیح" کے نام سے "حنفی مشکوٰۃ" مرتب کی ہے جس کا اردو ترجمہ فرید بک اسٹال لاہور شائع کر رہا ہے۔ حنفی فقہ کے مطابق طریقۂ نماز پر تفصیلی احادیث جاننے کے لیے زجاجۃ المصابیح کا مطالعہ فرمایئے۔ فی الوقت، اختصار کو مدِنظر رکھتے ہوئے چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:-

1۔ تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائیں:

☆ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے یہانتک کہ وہ کانوں کے برابر ہو جاتے۔

(صحیح مسلم ج۱:۱۶۸، نسائی ج۱:۱۰۲، ابن ماجہ:۶۲)

☆ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے تھے۔ (صحیح مسلم ج۱:۱۷۳، مسند امام اعظم:۸۶)

☆اس حدیث کو نسائی، طبرانی، دار قطنی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

(زجاجۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ ج۱:۵۶۹)

☆ حضرت عبدالجبار بن وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے دیکھا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ اسقدر بلند کرتے کہ آپ کے ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل ہوجاتے۔

(نسائی ج۱ص۱۰۲،ابوداؤد ج۱ص۱۰۴،سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ص۲۵)

☆ امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی اور فرمایا، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور اسمیں کوئی ضعف نہیں ہے۔

(مستدرک للحاکم ج۱:۲۲۶،سنن دار قطنی ج۱:۳۴۵)

☆ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب تم نماز ادا کرو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر کرو اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ ہاتھوں کو سینے کے برابر کریں۔

(نمازِ حبیب کبریا:۷۹ بحوالہ معجم طبرانی کبیر ج۲۲:۱۸)

2- نماز میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھیں:

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(ابوداؤد مطبوعہ مصر ج۱:۴۸۰،مسند احمد ج۱:۱۱۰،سنن دار قطنی ج۱:۲۸۶،

......سنن الکبریٰ ج۲:۳۱،مصنف ابن ابی شیبہ ج۱:۳۹۱،زجاجۃ ج۱:۵۸۴)

☆ حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱:۳۹۰،زجاجۃ المصابیح ج۱:۵۸۴)

☆ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ میں آقا و

مولیٰ ﷺ کو ضرور دیکھوں گا کہ وہ کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں۔

چنانچہ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا پھر آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھا کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ کی باقی تین انگلیاں کلائی پر تھیں۔

(سنن نسائی باب فی الامام اذ رائی رجلا، زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۸۳)

3- امام کے پیچھے قرأت کرنا منع اور ناجائز ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم ہو"۔ (الاعراف: ۲۰۴، کنز الایمان از امام احمد رضا محدث بریلوی)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے"۔

☆ "جمہور صحابہ و تابعین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ نماز سے متعلق ہے یعنی مقتدی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرے"۔

(تفسیر مدارک التنزیل، زجاجۃ المصابیح باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۴)

☆ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے نماز سکھائی اور فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۴)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا، امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ

قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ [یہ حدیث صحیح ہے۔ زجاجۃ المصابیح ج۱: ۲۲۸]
(ابوداؤد ج۱: ۸۹، نسائی ج۱: ۹۳، ابن ماجہ: ۶۳، مسند احمد ج۲: ۳۷۶)

☆ امام بخاری کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔ (مصنف امام عبدالرزاق ج۲: ۱۳۹)

☆ مشہور کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قرأت نہ کی جائے (خواہ وہ نماز جہری ہو یا سرّی)۔
(صحیح مسلم ج۱: ۲۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱: ۳۷۶)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب تم امام کے پیچھے نماز پڑھو تو تمہیں امام کی قرأت کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھو تو قرأت کرو۔
(موطا امام مالک باب ترک القراۃ خلف الامام: ۶۸، موطا امام محمد: ۹۴)

☆ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا، جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے۔ (مسند امام اعظم: ۱۰۲، ابن ماجہ: ۶۱، سنن دار قطنی ج۱: ۳۲۴، ...... سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲: ۱۵۹، مصنف عبدالرزاق ج۲: ۱۳۶)

☆ یہ حدیث صحیح ہے اور اسکے راوی بخاری و مسلم کی شرط کے موافق ہیں۔
(زجاجۃ المصابیح ج۱: ۶۳۳)

مذکورہ آیتِ قرآنی اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کی قرأت ہی مقتدیوں کی قرأت ہے۔

4- امام اور مقتدیوں کو آمین آہستہ کہنا سنت ہے:

فرمانِ الٰہی ہے، اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْیَۃً۔ "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے (عاجزی سے) اور آہستہ"۔ (الاعراف: ۵۵، کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ دعا آہستہ آواز میں مستحب ہے۔ آمین کے معنی ہیں "اے اللہ! اسے قبول فرما"۔ پس آمین دعا ہے اور اسے آہستہ ہی کہنا چاہیے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اسکے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(صحیح بخاری ج۱:۱۰۸، صحیح مسلم ج۱ باب التسمیع والتحمید والتامین)

اس حدیث میں فرشتوں کے موافق آمین کہنا مذکور ہے۔ سوال یہ ہے کہ فرشتوں کا آمین کہنا بلند آواز سے ہے یا آہستہ؟ یقیناً فرشتوں کا آمین کہنا آہستہ ہے اسلیے موافقت کی یہی صورت ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

☆ حضرت علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آہستہ آواز میں آمین کہی۔

(جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ، جلد۱:۶۳)

☆ اسے امام حاکم، امام احمد، ابوداؤد الطیالسی، ابویعلیٰ، طبرانی اور دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا، یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے موافق صحیح ہے۔

(مستدرک للحاکم ج۲:۲۳۲، زجاجۃ المصابیح ج۱:۶۵۲)

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، امام کو چار چیزیں آہستہ کہنی چاہییں۔ ثناء (سبحانک اللھم)، تعوذ (اعوذ باللہ)، تسمیہ (بسم اللہ) اور آمین۔

(مصنف امام عبدالرزاق ج۲:۸۷)

☆ حضرت ابراھیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، امام چار چیزیں آہستہ کہے، ثناء، تعوذ، تسمیہ اور آمین۔ امام محمد بن حسن نے فرمایا، یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار:۱۶، مصنف عبدالرزاق ج۲:۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج۲:۵۳۶)

5- نماز میں رفع یدین جائز نہیں، منسوخ ہے:

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا ومولیٰ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، ''میں دیکھتا ہوں کہ تم نماز کے دوران رفع یدین کرتے ہو جیسے سرکش گھوڑے اپنی دُمیں ہلاتے ہیں، نماز سکون سے ادا کیا کرو''۔

(صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ، ج۱: ۱۸۱، سنن نسائی ج۱: ۱۷۶)

☆ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی طرح نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھائی اور سوائے تکبیر تحریمہ کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن ابوداؤد ج۱: ۱۰۹، سنن نسائی ج۱: ۱۱۹، شرح معانی الآثار ج۱: ۱۳۲، ......مصنف امام عبدالرزاق ج۲: ۱۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱: ۲۳۶)

☆ امام ترمذی فرماتے ہیں، ''یہ حدیث حسن ہے اور نبی کریم ﷺ کے متعدد صحابہ اور تابعین کرام اسی کے قائل ہیں''۔ (جامع ترمذی ج۱: ۶۴)

☆ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول کریم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھاتے اور پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

(ابوداؤد ج۱: ۱۰۹، شرح معانی الآثار ج۱: ۱۳۲، سنن دار قطنی ج۱: ۲۹۳، ابن ابی شیبہ ج۱: ۲۳۶)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے آقا ومولیٰ ﷺ، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، ان میں سے کسی نے بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کیا۔ (سنن دار قطنی ج۱: ۲۹۵، سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲: ۸۰)

☆ امام بخاری کے استاد امام ابوبکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور اسکے بعد رفع یدین نہیں کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱: ۲۳۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲: ۸۰)

امام طحاوی (م ۳۲۱ھ) نے اسکی سند کو صحیح فرمایا ہے۔ (طحاوی باب التکبیرات)

☆ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کے استاد امام حمیدی (م ۲۱۹ھ) روایت کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور پھر رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع یدین نہ کرتے۔ (مسند حمیدی ج ۲: ۲۷۷)

☆ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے سوا نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

امام طحاوی نے فرمایا، یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا (جسکا ذکر بخاری و مسلم میں ہے) پھر خود انہوں نے رفع یدین ترک کر دیا کیونکہ وہ منسوخ ہو گیا تھا۔

(شرح معانی الآثار ج ۱: ۱۳۳، زجاجۃ ج ۱: ۵۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۲۳۷)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ دس صحابہ کرام جنہیں آقا و مولیٰ ﷺ نے جنت کی بشارت دی یعنی عشرہ مبشرہ میں سے کوئی بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۵: ۲۷۲)

☆ حضرت محمد بن عمرو بن عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہم نے رسولِ کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، میں تم سب سے زیادہ آقا و مولیٰ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور کمر کو برابر کرتے پھر رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہانتک کہ ہر عضو اپنی جگہ آ جاتا۔

پھر آپ سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو زمین پر بچھائے بغیر رکھتے اور ان کو پہلوؤں سے نہ

ملاتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُو رکھتے۔ آپ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔

(صحیح بخاری جلد اول باب سنۃ الجلوس فی التشھد)

صحیح بخاری کی اس حدیث میں صحابیِ رسول ﷺ نے حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو مالک اشعری ؓ نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا، میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی نماز سکھاؤں گا جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے............(الیٰ)

پس مردوں نے انکے نزدیک صف باندھی پھر مردوں کے پیچھے بچوں نے صف باندھی پھر انکے پیچھے عورتوں نے صف باندھی۔ پھر کسی نے اقامت کہی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر سورۃ فاتحہ اور اسکے ساتھ کوئی سورت خاموشی سے پڑھی پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین بار تسبیح پڑھی۔

پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے، اس طرح پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہوئیں۔ پس جس وقت نماز پڑھا چکے تو لوگوں سے فرمایا، میری تکبیروں کو یاد کر لو اور میرے رکوع و سجود سیکھ لو کیونکہ یہ آقا کریم ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصہ میں پڑھایا کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵: ۳۴۳، مجمع الزوائد ج ۲: ۱۳۰)

اس حدیث شریف میں بھی جلیل القدر صحابی نے رسول کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور فرمایا، یہ مدینے والی نماز ہے۔ اس میں رفع یدین کا کہیں ذکر نہیں جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔

6- نماز وتر تین رکعت ہیں:

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے، انکا حسن اور طوالت نہ پوچھو پھر آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے پھر آپ تین رکعت (وتر) ادا فرماتے۔ (بخاری کتاب التہجد ج ۱:۱۵۴، مسلم ج ۱:۲۵۴)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ دو دو رکعت کر کے چھ رکعت (تہجد) پڑھی اور اسکے بعد آپ نے تین رکعت وتر ادا کیے۔ (صحیح مسلم ج ۱:۲۶۱)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا، اہل علم صحابہ و تابعین کرام کا یہی مذہب ہے۔
(جامع ترمذی ابواب الوتر ج ۱:۱۱۰، زجاجۃ المصابیح باب الوتر ج ۲:۲۶۳)

☆ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ نماز وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ (سنن نسائی ج ۱:۱۷۵)

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، آقا و مولیٰ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ امام حاکم نے کہا، یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ۱:۳۰۴)

7- نماز تراویح بیس رکعت ہیں:

ماہ رمضان المبارک میں روزانہ بعد عشاء بیس رکعت نماز تراویح ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ "تراویح" ترویحہ کی جمع ہے جس کے معنی استراحت و آرام کے ہیں۔ چونکہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے اس لیے اسے تراویح کہتے

ہیں۔عربی میں جمع کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے۔نماز تراویح اگر آٹھ رکعت ہوتی تو دو ترویحے ہونے کے باعث اسے ''ترویحتین'' کہا جاتا لیکن چونکہ یہ بیس رکعت یعنی پانچ ترویحے ہیں اسلیے انہیں تراویح کہا جاتا ہے۔جن روایات میں یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ نے گیارہ رکعت نماز ادا کی، اس سے مراد آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر ہیں۔

☆ حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان میں لوگ تیئس (۲۳) رکعت (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ادا کرتے تھے۔

(موطا امام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان)

☆ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح ادا کرتے تھے۔ان دونوں احادیث کی اسناد صحیح ہیں۔

(سنن الکبریٰ ج ۲: ۴۹۶، مصنف عبدالرزاق ج ۴: ۲۶۱)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول معظم ﷺ ماہ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت تراویح اور نماز وتر ادا فرماتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ۳۹۴، زجاجۃ المصابیح ج ۲: ۳۰۷)

☆ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امام مقرر کیا اور وہ بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱: ۲۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ۳۹۳)

☆ امام ترمذی فرماتے ہیں، اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رسول کریم ﷺ کے دیگر صحابہ سے مروی ہے۔

(جامع ترمذی ج ۱: ۱۳۹)

بخاری کی جس روایت کو غیر مقلد آٹھ تراویح کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے گیارہ رکعت ادا کیں، اس سے مراد آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر ہیں۔

ہمارے موقف کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے یہ حدیث تہجد کے عنوان کے تحت درج کی نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آٹھ رکعت وہ ہیں جو آقا و مولیٰ ﷺ تمام سال ادا فرماتے تھے۔

8- نماز جنازہ میں قرأت جائز نہیں:

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ یا کوئی اور سورت بطور قرأت جائز نہیں، اس میں ثناء، درود اور دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ اگر سورہ فاتحہ بطور حمد و ثناء پڑھے تو حرج نہیں۔

☆ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ (موطا امام مالک: ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹)

☆ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جنازہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا ہے اور پھر میت کے لیے دعا مانگنا ہے۔ (جامع ترمذی ابواب الجنائز ج ۱: ۱۹۹)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں قرآن کریم سے کچھ مقرر نہیں فرمایا۔ (زجاجۃ المصابیح کتاب الجنائز)

☆ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، میت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت پہلی تکبیر کہہ کر ثناء پڑھی جائے، دوسری تکبیر پر آقا و مولیٰ ﷺ پر درود اور تیسری تکبیر پر میت کے لیے دعا پڑھی جائے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیر لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹، مصنف امام عبدالرزاق ج ۳: ۴۹۱)



باب ہشت دہم (18)

تقلید کیوں ضروری ہے؟

تقلید کے لغوی معنی ہیں ''گردن میں پٹا ڈالنا'' اور اصطلاحی معنی ہیں ''دلیل جانے بغیر کسی کے قول و فعل کو صحیح سمجھتے ہوئے اسکی پیروی کرنا''۔

انسان زندگی کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی کی پیروی کرتا ہے۔ پرائمری تعلیم کے حصول سے لے کر کسی بھی پیشہ یا ہنر کے درجۂ کمال کو پہنچنے تک ہر کوئی اپنے اساتذہ یا اس ہنر کے ماہرین کی تقلید کرنے پر مجبور ہے۔

علمِ دین کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہر شخص یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ قرآن و حدیث سے خود مسائل اخذ کرے کیونکہ اسکے لیے صرف عربی جاننا کافی نہیں بلکہ فقیہ و مجتہد کی شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''جس میں اجتہاد کی شرائط موجود نہ ہوں، اسے از خود کتابُ اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے مسئلہ اخذ کرنا جائز نہیں''۔ (ابواب الجنائز، جامع ترمذی) یہی بات غیر مقلدوں کے پیشوا ابن قیم نے اعلام الموقعین میں تحریر کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے کہ پتھر لگنے سے ہمارے ایک ساتھی کا سر زخمی ہو گیا۔ رات کو اس پر غسل واجب ہوا تو اس نے اپنے دیگر ساتھیوں سے پوچھا، کیا آپ لوگ مجھے تیمم کی رخصت دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں کیونکہ آپ تو پانی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس نے غسل کیا تو اسکی موت واقع ہو گئی۔

جب ہم آقا و مولیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے یہ واقعہ عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قتلوہ قتلهم الله الا سالوا اذا لم یعلموا فانما شفاء

جانتے تھے تو پوچھ لیتے۔ بیشک سوال کرنا (لاعلمی کی) بیماری کے لیے شفاء ہے۔
(مشکوۃ باب التیمم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مجتہدین صحابہ سے فتویٰ نہ لینے کی وجہ سے عام صحابہ کرام رسول کریم ﷺ کے عتاب کے ایسے مرتکب ہوئے کہ آپ نے انکے لیے قتلھم اللہ فرمادیا تو ایسے جاہل مولویوں کا کیا حال ہوگا جو سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ دین کے ارشادات سے منہ موڑ کر قرآن وحدیث کے من مانی معانی ومطالب بیان کرتے ہیں، خود تو گمراہ ہیں، سادہ لوح سنیوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تقلید بہت ضروری ہے۔

کسی فقیہ کے قول پر شرعی دلیل کے تحت عمل کرنا تقلیدِ شرعی ہے جس کا فرض ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔

ارشاد ہوا، ”اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں“۔ (التوبۃ: ۱۲۲، کنزالایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر عالم وفقیہ بننا ضروری نہیں لہٰذا غیر مجتہد یا غیر عالم کو مجتہد یا عالم کی تقلید کرنی چاہیے۔

دوسری جگہ فرمایا، یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ ”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور انکی جو تم میں سے حکم والے ہوں“۔ (النساء: ۵۹)

دارمی باب الاقتدا بالعلماء میں ہے، ”اولی الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں“۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اولی الامر“ سے مسلمان حاکم یا فقہاء یا دونوں مراد ہیں۔ (احکام القرآن ج ۲: ۲۵۶)

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس سے مراد علماء لینا اولیٰ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۴)
اس آیت کے تحت تفسیر جمل میں ہے، یہ آیت شریعت کے چاروں دلائل کی قوی دلیل ہے یعنی کتابُ اللہ، سنتِ رسول ﷺ، اجماع اور قیاس۔
اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا نیز ان علماء وفقہاء کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے کلام کے شارح ہیں، اسی اطاعت کا نام تقلید ہے۔
صحابہ کرام براہِ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے اسلیے انہیں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں تھی۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحب علم صحابی کی تقلید کیا کرتے۔
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے،
''جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو''۔ (بخاری)
یہی تقلیدِ شخصی ہے جو دورِ صحابہ میں بھی موجود تھی۔ ''فقہاءِ صحابہ کرام'' کے عنوان کے تحت پہلے بیان کیا جا چکا کہ دورِ صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ ان کی تقلید بھی کرتے تھے۔
ایک اور ارشادِ باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے،

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

''اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو''۔ (الانبیاء:۷)
صدرُ الافاضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''کیونکہ ناواقف کو اس سے چارہ ہی نہیں کہ واقف سے دریافت کرے اور مرضِ جہل کا علاج یہی ہے کہ عالم سے سوال کرے اور اسکے حکم پر عامل ہو۔ اس آیت سے تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے''۔ (خزائن العرفان)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا، بیشک ایک شخص نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، حج اور جہاد بھی کرے گا لیکن وہ منافق ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا،''وہ اپنے امام پر طعنہ زنی کی وجہ سے منافق ہوگا۔ عرض کی، امام کون ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فاسئلوا اھل الذکر...... الخ۔ (تفسیر دُرِ منثور)

اس حدیث مبارکہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ و دیگر ائمہ دین پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور خود نفسِ امارہ اور شیطان ملعون کے مقلد بنے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ رب تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہیں،
''بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا، اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا، اور اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈالا، تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے، تو کیا تم دھیان نہیں کرتے''۔ (الجاثیۃ: ۲۳)

آخر میں یہ سمجھ لیجیے کہ تقلید کن مسائل میں جائز ہے؟ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،''آیت کریمہ میں جس تقلید کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عقائد اور اصولِ دین کو دلائل کے بغیر محض کسی کے کہنے پر مان لیا جائے کیونکہ تقلید صرف فروعی مسائل اور عملیات میں ہے، اصولِ دین اور اعتقادی مسائل میں تقلید جائز نہیں بلکہ ان میں نظر واستدلال ضروری ہے''۔ (تفسیر روح البیان: سورہ ھود: ۱۰۹)

چار مذاہب کیسے بنے؟

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب الخیرات الحسان کے دوسرے مقدمہ میں لکھتے ہیں،
تمام ائمہ مجتہدین و علماءِ عاملین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھو کہ وہ سب ہدایت اور رضائے الٰہی پر ہیں اور ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ وہ سب تمام حالات میں ماجور ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جب تمہارے پاس اللہ کی کتاب آئے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اسے چھوڑنے میں کوئی عذر قابلِ قبول نہیں۔ اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو میری سنت پکڑ لو ورنہ میرے صحابہ کا فرمان راہنما بنالو کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کا دامن تھام لوگے ہدایت پاؤ گے۔ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ میرے بعد مذاہب میں فروعی اختلافات ہونگے اور یہ اختلافات صحابہ ہی کے زمانے سے ہونگے اور یہ زمانہ رشدو ہدایت کا زمانہ تھا جس کے خیر القرون ہونے کی گواہی دی گئی۔ تو جب صحابہ میں فروعی اختلاف ہوگا تو انکے بعد والوں میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے کیونکہ ہر وہ صحابی جو فقہ و روایت میں مشہور ہے، اس کا قول ایک جماعت نے قبول کیا۔ ان تمام چیزوں کے باوجود حضور ﷺ نے نہ صرف اس فروعی اختلاف پر رضامندی کا اظہار کیا بلکہ اس اختلاف کو امت کے لیے رحمت کا باعث قرار دیا۔ اور امت کو اختیار دیا کہ صحابہ میں سے جس کے قول پر چاہیں عمل کریں۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کے بعد مجتہدین امت میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کر لینا جائز رہا کیونکہ یہ حضرات صحابہ ہی کے نقشِ قدم پر ہیں۔

اس بارے میں ایک دلیل صحابہ کرام کا بدر کے قیدیوں کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور انکے ساتھیوں نے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے دی۔ رسول کریم ﷺ نے پہلے قول پر فیصلہ دیا۔ جب فدیہ لیا گیا تو سورۃ الانفال کی آیت ۶۷ نازل ہوئی اور قرآن نے دوسری رائے کو پسند کرتے ہوئے اسے افضل قرار دیا۔ اگرچہ دونوں آراء صحیح تھیں کیونکہ اگر پہلی رائے غلط ہوتی تو حضور ﷺ اسکے مطابق فیصلہ نہ فرماتے، البتہ بہتر

وافضل دوسری رائے کو قرار دیا گیا۔ (۲۸ تا ۳۱، ملخصاً)

مولانا سید نعیم الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سیدِ عالم ﷺ کا اس دینی معاملہ میں صحابہ کی رائے دریافت فرمانا مشروعیتِ اجتہاد کی دلیل ہے۔ (خزائن العرفان)

تابعین وتبع تابعین کے دور میں سینکڑوں مجتہدین اور انکے مذاہب وجود میں آئے مگر آخرکار مذاہبِ اربعہ کے سوا سب معدوم ہوگئے۔ یہ بارگاہِ الٰہی میں ان چاروں مذاہب کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

اگر ایک اور زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنا آقا ومولیٰ ﷺ کی ایک ادا ہے اور اسکے منسوخ ہوجانے کے بعد، رفع یدین نہ کرنا بھی حضور ﷺ ہی کی ایک ادا ہے۔ تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ رب تعالیٰ کو اپنے محبوب رسول ﷺ کی تمام ادائیں پسند تھیں اسی لیے اس نے مذاہبِ اربعہ کی صورت میں اپنے محبوب کی تمام اداؤں کو محفوظ فرمادیا ہے۔

ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کیوں:

حنفی مذہب، مالکی مذہب، شافعی مذہب اور حنبلی مذہب چاروں حق ہیں اور چاروں اہلسنت وجماعت ہیں۔ ان کے عقائد یکساں ہیں البتہ صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے۔ ان چاروں میں سے جس کی بھی تقلید کی جائے صحیح ہے کیونکہ اگر مجتہد سے اپنے اجتہاد میں خطا ہوجائے پھر بھی وہ گناہگار نہیں بلکہ اس اجتہاد میں اسکی تقلید بھی صحیح ہوگی۔

"علامہ کردری رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت کی کہ دو مجتہد جو دو مختلف قول کرتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے دو رسول دو مختلف شریعتیں لے کر آئے، وہ دونوں صحیح اور حق ہیں"۔ (الخیرات الحسان: ۳۷)

تبع تابعین اور انکے بعد فرقۂ ناجیہ اہلسنت وجماعت مذکورہ چار مذاہب میں منحصر ہو

گیا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں،

"اہلسنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں ان مذاہبِ اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا"۔ (فتاویٰ رضویہ ج۶: ۷۰۵)

تفسیر صاوی میں ہے کہ "ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں اگر چہ وہ بظاہر صحابہ کرام کے قول اور حدیثِ صحیح اور کسی آیت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی مراد لینا اور انکی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ ہے"۔ (سورۃ الکھف، زیرِ آیت ۲۴)

جمہور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان چار مذاہب کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔ اسی لیے تمام اکابر محدثین بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی، طحاوی وغیرہ رحمہم اللہ کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں۔ امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام نسائی کا مقلد ہونا تو خود غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے "الحطہ" میں بیان کیا ہے۔ جب ایسے جلیل القدر محدثین، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہیں تو پھر چند کتابیں پڑھے ہوئے اگر خود کو تقلید سے بے نیاز سمجھیں تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے؟

غیر مقلدوں کے پیشوا مولوی محمد حسین بٹالوی نے "اشاعت السنۃ" میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا، "پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر کو اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں"۔ (شیشے کے گھر: ۲۶)

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو شخص بھی امامِ اعظم کی تقلید نہیں کرتا وہ بہر حال کسی نہ کسی "مولوی صاحب" کی تقلید ضرور کرتا ہے۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ موجودہ پُرفتن دور کے کسی مفاد پرست مولوی صاحب کی تقلید کرنے کی بجائے اُس جلیل القدر امام اعظم

ﷺ کی تقلید کی جائے جس نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مبارک زمانہ میں آنکھ کھولی اوران کی زیارت کی، اور جس کی عظمت پر اکابر ائمہ دین ومحدثین کرام متفق ہیں۔

غیر مقلد عالم مولوی وحیدالزماں صاحب نے اپنے ہم مسلک لوگوں سے یہی تلخ سوال کیا تھا جسکا جواب اب تک انکے ذمہ ہے،"ہمارے اہلحدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے...... .... بھائیو! ذرا غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ، شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ یا ابن قیم اور شوکانی، جو ان سے بہت متاخر ہیں، انکی تقلید کی کیا ضرورت؟"۔ (حیات وحیدالزماں:۱۰۲)

اکثر غیر مقلد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ پر بڑا اعتماد کرتے ہیں اور انہیں اپنا پیشوا بھی گردانتے ہیں حالانکہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حنفی مقلد ہیں اور فرماتے ہیں،"صحابہ کرام سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگ بغیر انکار کیے کسی نہ کسی عالم کی ہمیشہ تقلید کرتے رہے، اگر یہ باطل ہوتا تو علماء ضرور انہیں منع کرتے"۔ان کی معروف کتاب"عقد الجید" سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے۔شاید کہ کسی دل میں اتر جائے یہی بات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ قمطراز ہیں،"جاننا چاہیے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید میں بڑی مصلحت ہے اوران سے روگردانی میں بہت بڑا فساد اور نقصان ہے۔ہم اس کو چند طریقوں سے بیان کرتے ہیں:-

اول یہ کہ امت نے اجماع کرلیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے۔تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا۔اس کی اچھائی پر عقل دلالت کرتی ہے کیونکہ شریعت نقل اور استنباط کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔نقل صرف اسی صورت میں صحیح ہوگی جبکہ ہر طبقہ اپنے سے پہلے والوں سے متصلاً شریعت حاصل کرے اور استنباط کے لیے

یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تاکہ انکے اقوال سے باہر نہ جائیں کہ کہیں اجماع کے خلاف نہ ہو جائے اور تاکہ انکے اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور اگلوں سے اس میں مدد لی جائے۔ کیونکہ تمام صنعتوں مثلاً سنار ولوہار کا کام، طب، شاعری، تجارت اور رنگ ریزی وغیرہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ فن کے ماہرین کے ساتھ کام کیا جائے۔

جب یہ متعین ہو گیا کہ شریعت کی معرفت میں سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ضروری ہے تو یہ بھی لازم ہوا کہ انکے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو، صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں، اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح، مرجوح سے ظاہر ہو، اور عام کی تخصیص مذکور ہو، متضاد اقوال میں تطبیق ہو، احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں، ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں۔ اور اس پچھلے زمانے میں ان چار مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے سوا کوئی مذہب ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں"۔

اس اقتباس سے معلوم ہو گیا کہ شریعت کی معرفت، نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور ان دونوں کے لیے اسلاف کے اقوال جاننا ضروری ہے نیز اسلاف میں سے صرف ائمہ اربعہ کے اقوال صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہیں لہٰذا انہی میں سے کسی امام کی تقلید ضروری ہے۔

مجد دِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاضلِ جلیل علامہ سید احمد مصری طحطاوی رحمہ اللہ حاشیۂ دُرِ مختار میں لکھتے ہیں،

"جو شخص جمہور اہلِ علم وفقہ اور سوادِ اعظم سے جدا ہو جائے تو وہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا ، جو اسے دوزخ میں لے جائے گی۔ اے مسلمانو! تم پر فرقۂ ناجیہ اہلسنت وجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اسکا حافظ وکارساز رہنا اہلسنت کی موافقت میں ہے اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا اور دشمن بنانا سنیوں کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات

والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی و جہنمی ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ مطبوعہ لاہور ج۶: ۶۷۰)

ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ صرف ایک ہی امام کی تقلید کیوں کی جائے؟ اگر بعض مسائل میں ایک امام کی تقلید کی جائے اور بعض میں دوسروں کی تو کیا حرج ہے؟ اسکے جواب میں چند باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو کوئی جس امام کا مقلد ہو، وہ تمام امور میں اسی کی تقلید کرے۔ لہٰذا بعض مسائل میں ایک امام کی اور بعض میں دوسروں کی تقلید کرنا اجماعِ امت کے خلاف ہے اور گناہ ہے۔

دوسرا حرج یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ایک امام کی تقلید چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید کرنا کس بناء پر ہوگا؟ یا تو اسکی بنیاد دلیل کے قوی و ضعیف ہونے پر ہوگی، اس صورت میں تقلید کا وجود نہ رہے گا کیونکہ تقلید تو دلیل جانے بغیر امام کا قول تسلیم کرنا ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ دلیل کے قوی یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا؟ کیا وہ جو طہارت کے مسائل سے بھی کماحقہٗ آگاہ نہ ہو؟؟؟

صرف فقیہ کی تعریف سمجھ لیجیے تاکہ ائمہ مجتہدین کی عظمت سمجھ میں آسکے۔

"فقیہ وہ ہوتا ہے جو تمام احکامِ شرعیہ فرعیہ کے استنباطِ صحیح کا ماہر ہو اور استنباطِ صحیح اور اجتہاد کی شرائط کا حامل ہو"۔ اب اجتہاد کی شرائط بھی جان لیجیے۔

"قرآن اور سنت کے لغوی اور شرعی معانی پر دسترس ہو، اصولِ فقہ کے تمام ضوابط یعنی خاص، عام، امر، نہی، مشترک، ماوّل، ظاہر، خفی، نص، مفسر، محکم، مشکل، مجمل، متشابہ، حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ، عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص

وغیرہ کو جانتا ہو، اوران تمام طریقوں کا علم اسے قرآن کی طرح سنت میں بھی حاصل ہو، نیز وہ قیاس کے تمام طریقے اوران کی شرائط کو جانتا ہو"۔(المنار ونورالانوار)

ایک امام کو چھوڑ کر کبھی دوسرے امام کی تقلید کرنے کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اپنی آسانی کو دیکھتے ہوئے کچھ مسائل میں ایک امام کی تقلید کرلی اور پھر جن مسائل میں آسانی دوسرے امام کے قول میں دیکھی تو انہیں پسند کرلیا اور انکی تقلید کرنے لگے۔ یہ شریعت کی پیروی نہیں بلکہ ہوائے نفس کی پیروی ہے۔نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی مذمت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

اَرَءَ یْتَ مَنِ اتَّخذَ اِلٰھَهُ ھَوٰهُ ۔"کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا"۔(الفرقان:۴۳، کنزالایمان)

بعض مسائل میں ایک امام کی اور بعض میں دوسرے امام کی پیروی کرنے میں ایک حرج یہ بھی ہے کہ یہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔قرآن کریم یہ حکم دیتا ہے کہ ایک راستے پر چلو اور کئی راستوں پر نہ چلو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، لاَ تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ۔"چندراہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کردیں گی، یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے"۔(الانعام:۱۵۳)

آخر میں غیر مقلدوں کے متعلق صدرُ الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے۔ وہ فرماتے ہیں،

"تمام مسلمانوں سے الگ غیر مقلدوں نے ایک راہ نکالی کہ تقلید کو حرام و بدعت کہتے اور ائمہ دین کو سبّ و شتم سے یاد کرتے ہیں مگر حقیقت میں تقلید سے خالی نہیں۔ائمہ دین کی تقلید تو نہیں کرتے مگر شیطان لعین کے ضرور مقلد ہیں۔یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں اور قیاس کا مطلقاً انکار کفر ہے۔یہ تقلید کے منکر ہیں اور تقلید کا مطلقاً انکار کفر

ہے۔ مطلق تقلید فرض ہے اور تقلیدِ شخصی واجب ہے''۔ (بہارِ شریعت حصہ اول:۵۱)

امام اعظم کا ادب:

سیدنا امام اعظم کا ادب نزولِ برکات کا ذریعہ اور اُن کی بے ادبی دونوں جہان میں نقصان اور بُرے خاتمے کا باعث ہے۔ مشہور غیر مقلد مولوی محمد ابراهیم میر سیالکوٹی کی وارداتِ قلبی کا حال انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں،

''ہر چند کہ میں گناہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابوعبداللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم محدث وزیرآبادی کی صحبت وتلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگانِ دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے حسنِ عقیدت نزولِ برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لیے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضلِ عمیم سے کوئی فیض اس ذرۂ بے مقدار پر نازل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا، یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا، گویا ''ظلمت بعضها فوق بعض'' کا نظارہ ہو گیا۔

معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ ''یہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو''۔ میں نے کلماتِ استغفار دہرانے شروع کیے تو وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسنِ عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں (یعنی غیر مقلدوں) سے جن کو حضرت

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حسنِ عقیدت نہیں، کہا کرتا ہوں کہ "میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارجِ قدسیہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے،

افتمارونہٗ علی ما یریٰ۔ "میں نے جو کچھ عالمِ بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا، اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سُود ہے۔ ھٰذا واللہ ولی الھدایۃ۔

اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے (غیر مقلد) ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگانِ دین سے خصوصاً ائمہ متبوعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حسنِ ظن رکھیں اور گستاخی اور شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہان میں موجبِ خسران ونقصان ہے۔............ الخ

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم شد از لطف رب

(تاریخ اہل حدیث: صفحہ ۷۱، ۷۲)

اس کتاب میں وہ اپنے استاد محدث عبدالمنان وزیر آبادی کے تذکرے میں جنہیں مشہور غیر مقلد مولوی ثناء اللہ امرتسری نے "اس دور کا امام بخاری" قرار دیا تھا، لکھتے ہیں، "آپ ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا"۔ (ایضاً: ۴۳۷)

ان اقتباسات سے چار باتیں ثابت ہوئیں:۔

۱۔ بزرگانِ دین خصوصاً ائمہ اربعہ سے حسنِ عقیدت برکتوں کے نزول کا ذریعہ ہے،

۲۔ ان بزرگوں کے متعلق برا خیال لانا یا ان کی گستاخی کرنا دونوں جہانوں میں نقصان اور ہلاکت کا باعث ہے،

۳۔ چونکہ غیر مقلد ائمہ دین کے گستاخ اور بے ادب ہیں اس لیے وہ گستاخی اور بے

ادبی سے پرہیز کریں،
۴۔امام اعظم ابوحنیفہ کے بے ادب کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔
لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ حبیبِ کبریا، سید الانبیاء، سید عالم ﷺ کی ذاتِ والاصفات کے ساتھ حسنِ عقیدت نہیں رکھ سکتے اور انکی بارگاہ میں بے ادبی و گستاخی کے جملے کہنے سے باز نہیں رہ سکتے وہ ائمہ دین اور اولیاء کرام کا کیا ادب کریں گے؟ نیز جب بزرگانِ دین کی بے ادبی دونوں جہان میں نقصان و ہلاکت کا باعث ہے تو پھر سرکارِ دو عالم نورِ مجسم ﷺ کی بے ادبی کس قدر ہلاکت و عذاب کا باعث ہوگی!!!
حدیثِ قدسی ہے کہ رب تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے، من عادیٰ لی ولیا فقد اذنته بالحرب۔ جس نے میرے ولی سے عداوت کی یا اسے ایذا دی، میرا اسکے خلاف اعلانِ جنگ ہے"۔(بخاری)
اس حدیث کے تحت امام ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، "جو بھی ائمہ دین میں سے کسی کی توہین کرے گا وہ راندۂ بارگاہِ ایزدی ہوگا اور غضبِ الٰہی کا مستحق بنے گا کیونکہ ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لی ہے اور جو اللہ سے جنگ کرے گا وہ ابدی ہلاکت میں پڑے گا"۔ مزید فرمایا، "جس میں تھوڑی سی بھی عقل ہے وہ ضرور خاصانِ خدا کی شان میں توہین و تنقیص کے شائبہ سے بھی اجتناب و احتراز کرے گا اور دیندار انسان کا تو کہنا ہی کیا؟ ایک عقل مند اُن کی ایذا رسانی سے دور اور بہت دور رہے گا کیونکہ جس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے وفات یافتہ لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے"۔(الخیرات الحسان:۶۱،۶۲)
ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کا قول ہے، "امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق بدگوئی وہی کرے گا جو یا تو اُن کے علم سے جاہل ہوگا یا پھر حاسد"۔(تبییض الصحیفہ:۳۰)
اس زمانے میں حاسدوں نے دور دراز کے شہروں کے محدثین کرام تک سیدنا امام

اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق بے سروپا من گھڑت باتیں پہنچا دیں تھیں تاکہ وہ آپ سے متنفر ہو جائیں۔ لیکن جب ان محدثین کی امام اعظم یا انکے کسی شاگرد سے ملاقات ہو جاتی تو حاسدوں کی سازش دم توڑ جاتی۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا، یہ بدعتی کون ہے جو کوفہ میں نکلا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے؟ اس پر آپ نے اُنہیں امام اعظم کے کچھ مشکل مسائل دکھائے۔ جب امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ان مسائل کو نعمان بن ثابت کی طرف منسوب دیکھا تو پوچھا، یہ عالم کون ہیں؟ جواب دیا، یہ ایک شیخ ہیں جن سے میری عراق میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ تو جلیل القدر عالم ہیں، تم جاؤ اور ان سے مزید علم حاصل کرو۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا، ''یہ وہی امام ابوحنیفہ ہیں جن سے آپ نے منع کیا تھا''۔ وہ حیران رہ گئے۔

جب امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کی ملاقات امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مکہ میں ہوئی تو انہی مسائل میں آپ سے بحث کی۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس مسائل کی ایسی تشریح فرمائی کہ ملاقات کے اختتام پر امام اوزاعی نے فرمایا، ''میں اس شخص کے علم کی کثرت اور عقل کی وسعت پر رشک کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں کیونکہ میں غلطی پر تھا۔ تم ان کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ ان صفات سے مختلف ہیں جو مجھ سے (حاسدوں نے) بیان کی تھیں''۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۸)

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ خواب میں سنا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ابوحنیفہ کے علم کے پاس ہوں یعنی اس کی حفاظت اور قبول کرنا، راضی ہونا اور برکت نازل کرنا ان پر اور انکے شاگردوں میں میرے ذمہ ہے۔ (ایضاً: ۱۷)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان و عظمت اپنی کتاب میں تفصیلاً لکھنے کے بعد امام ابن حجر یوں تنبیہ کرتے ہیں، ''ڈرے! کہیں آپ کا قدم بھی لغزش کھانے والوں میں اور آپ

کی مجھ بھی گمراہ ہونے والوں کے ساتھ گمراہ نہ ہو جائے کیونکہ اس طرح آپ خاسرین یعنی نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے اور آپ کا ذکر بھی ان کے ساتھ ہوگا جن کو رسوائی اور فضیحت سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور آپ ایسی چیز (عذاب) کے اٹھانے والے ہونگے کہ جس کا بوجھ اور تکلیف آپ برداشت نہیں کر سکیں گے اور آپ ایسے تاریک چٹیل میدان میں پھنس جائیں گے جس کے خطرات سے نجات مشکل ہے تو جس قدر ہو سکے سلامتی کی جانب سبقت کیجیے''۔

پھر فرماتے ہیں، ''بہت سے بری صفات والے لوگ جو اس امام اعظم اور بڑے عالم کے مرتبہ کو پہنچنے سے عاجز ہوئے وہ انکے اہلِ زمانہ یا انکے بعد والوں کے دلوں کو انکی محبت، تقلید، اتباع، اعتقاد، عظمت اور امامت سے ہٹانے میں ناکام رہے۔ امام اعظم پر انکی تنقید اور انگشت نمائی کسی بھی مسلک کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ آپ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا، کسی کی تدبیر سے آپ کو یہ رفعت نہ ملی۔ اور جس کو خدا بلندی عطا فرمائے اور اپنے وسیع خزانوں سے عطا کرے تو اسے کوئی پست نہیں کر سکتا اور نہ روک سکتا ہے۔ رب کریم ہمیں ائمہ کے حقوق ادا کرنے والوں میں بنائے اور ان لوگوں میں نہ بنائے جو قطع تعلق اور عاق ہو کر انکی عزت کو گدلا کرتے ہیں''۔ (الخیرات الحسان: ۲۶۶، ۲۶۷)

ایک مجلس میں ابن ابی عائشہ رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کر کے کہا، تم لوگ اگر امام اعظم کو دیکھ لیتے تو ضرور ان سے محبت کرنے لگتے۔ پس تمہاری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ یہ شعر کہا گیا ہے، (ترجمہ)

''لوگو! تمہارا برا ہو، تمہارے باپ مر جائیں، ان پر ملامت کی زبان کو روک لو ورنہ وہ مقام پُر کرو جسے انہوں نے پُر کیا تھا یعنی ویسے بن کر دکھاؤ''۔ (تبییض: ۲۷)

علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

هذا مذهب النعمان خیر المذاهب کذا القمر الوضاح خیر الکواکب

تفقه فی خیر القرون مع التقیٰ فمذهبهٗ لا شک خیر المذاهب

''یہ نعمان بن ثابت کا مذہب بہترین مذہب ہے جس طرح چاند خوب روشن ہے اور ستاروں سے بہتر ہے۔ یہ فقہ خیرُ القرون میں تقوے کے ساتھ مرتب ہوا، تو ان کا مذہب بلاشبہ بہترین مذہب ہے''۔ (مناقب للموفق:۳۹۳)

محمویہ رحمہ اللہ نے جو ابدال میں سے تھے، فرمایا، میں نے امام محمد کو بعد وصال خواب میں دیکھا تو پوچھا، کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا، ''مجھے بخش دیا اور فرمایا، اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو تمہیں علم کا خزانہ نہ دیتا''۔ میں نے کہا، ابو یوسف کا کیا حال ہے؟ فرمایا، ''مجھ سے اوپر کے درجہ میں ہیں''۔ میں نے پوچھا، اور امام ابوحنیفہ؟ فرمایا، ''وہ ابو یوسف سے بہت سے طبقے اوپر یعنی اعلیٰ علیین میں ہیں''۔ (تاریخ بغداد ج ۲:۱۸۲)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی دعا پر ہم اپنی کتاب کا اختتام کرتے ہیں، ''اے اللہ! ہمارا حشر اُن کے ساتھ فرما کیونکہ ہمیں اُن سے محبت ہے۔ اور جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ہمیں اُن کے حلقے میں داخل فرما، اور ہمیں اُن کا خادم بنا، اور ہم پر انکے بہترین حالات اور ظاہری کثیر کرامات واضح فرما، تاکہ ہم انکے پیروکاروں میں سے ہو جائیں، بیشک تو سخی، کریم، مہربان اور رحم کرنے والا ہے''۔

یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ،یَا ذَاالْجَلاَلِ وَالْاِکْرَام

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ الْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ

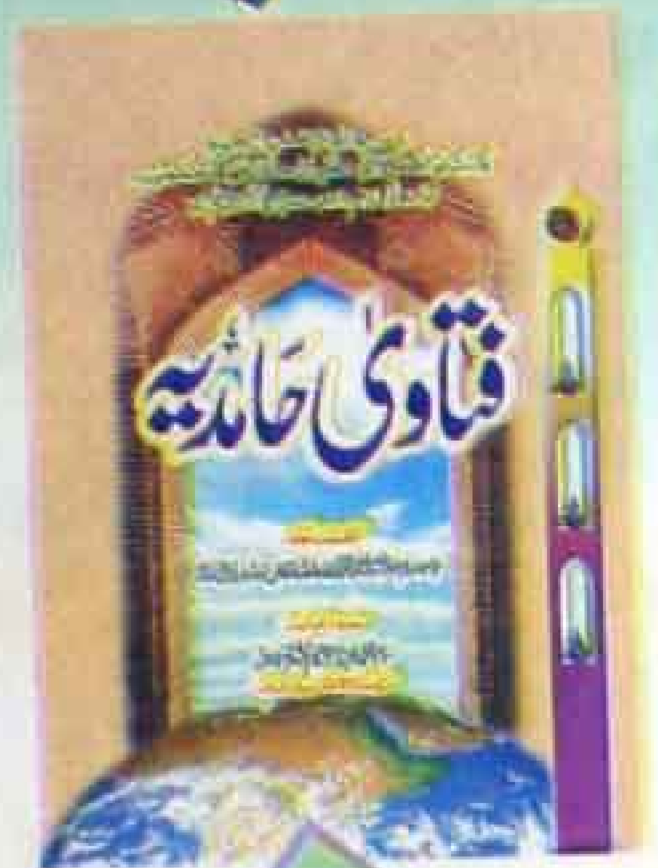
''اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوب بندوں کی محبت مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے''۔ (ترمذی)

آمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْم



















زاویہ پبلشرز

6 مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ، لاہور

Voice: 042-7248657 Mobile: 0300-9467047